بسم الله الرحمن الرحيم

فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ

وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ

كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ

قرآن کریم، سورہ انعام، آیت ۱۲۵، ۱۲۶

اسلامی علوم ومعارف اور علمی وثقافتی افکار وعقائد کا ترجمان

شمارہ ۲۰۱، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۶

اسلام میں خواتین کے حقوق

چیف ایڈیٹر

محمد حسین مظفری

خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران

۱۸، تلک مارگ، نئی دھلی۔۱۱۰۰۰۱

فون: ۲۳۳۸۳۲۳۲، ۳۳، ۳۴، فیکس: ۲۳۳۸۷۵۴۷

http://www.iranhouseindia.com

director@iranhouseindia.com

راہ اسلام

شمارہ ۲۰۱، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۶

چیف ایڈیٹر: محمد حسین مظفری

ایڈیٹر: سید اختر مہدی رضوی

مشاورین علمی

سید امیر حسن عابدی، اوصاف علی، شاہ محمد وسیم،
عبد الودود اظہر دہلوی، سید عزیز الدین حسین ہمدانی،
سید علی محمد نقوی

تزئین جلد: عائشہ فوزیہ

صفحہ آرائی و کمپوزنگ: حارث منصور

راہ اسلام میں شائع ہونے والے ہر مضمون کے لئے مقالہ نگار خود ذمہ دار ہے۔
مقالہ نویس کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا لازمی نہیں ہے۔
راہ اسلام مقالات و مضامین کے انتخاب و اصلاح و ایڈیٹنگ اشاعت کے سلسلے میں پوری طرح آزاد ہے۔
اور اس سلسلے میں ایڈیٹوریل بورڈ کا فیصلہ آخری ہوگا۔
اشاعت کی غرض سے ارسال شدہ مقالہ کا خوشخط ہونا لازمی ہے۔ عبارت کاغذ کے ایک طرف ہی لکھی جائے
اور کاغذ A-4 سائز کا ہو تو بہتر ہے۔
صرف غیر مطبوعہ مقالات ہی ارسال کئے جائیں۔
تحقیقی مقالات کی آمادگی میں جن مآخذ و مدارک کا استعمال کیا گیا ہو، ان کا ذکر لازمی ہے۔
مقالہ کے ساتھ اس کا خلاصہ بھی ضرور ارسال کیا جائے۔
راہ اسلام میں شائع شدہ مقالات کی نقل یا ان کے ترجمہ، اقتباس کی اشاعت پر کوئی پابندی نہیں ہے
بشرطیکہ مآخذ کا ذکر کر دیا جائے۔

پریس: الفا آرٹ، نوئیڈا، یو۔ پی

فہرست

اداریہ:

خواتین کے حقوق و فرائض — محمد حسین مظفری — ۷

گفتگو:

عالمی یوم خواتین کے موقع پر خانہ فرہنگ ایران میں خواتین کے حقوق اور خواتین مخالف سلوک کی نابودی پر عالمی قرار داد پر ایک روزہ فلسفیانہ مذاکرہ — ۱۳

ہندوستان کے ممتاز ماہر تعلیم اور مشہور دانشور سید حامد صاحب سے ملاقات و گفتگو — ۲۱

خواتین کے ساتھ ناروا امتیازات (CEDAW) کے انسداد کی تجویز — طوبیٰ کرمانی — ۲۷

CEDAW اور حقوق اطفال — فاطمہ بداغی — ۳۹

اولویت مرد کی حیثیت اور عورتوں کے انسانی حقوق — فائزہ عظیم زادہ — ۵۵

نابرابری کا جواز — فاطمہ دردانہ — ۷۱

عورت اقبال کے کلام میں — شمس تبریز خان — ۸۳

اسلام میں عورتوں کے خاص حقوق — اخلاق حسین قاسمی — ۹۱

عورتوں کے حقوق مغربی طرز اور قرآنی احکام کے تناظر میں — شاہ محمد وسیم — ۱۰۱

جمہوری اسلامی ایران میں خواتین کے حقوق و فرائض کا منشور — ۱۱۱

قرآن شناسی:

قرآن حکیم اور مسائل عرفان — غلام یحییٰ انجم — ۱۲۹

عقاید شناسی:

اسلام میں عقل اور تنقید کی اہمیت — محمد رضا حکیمی — ۱۴۵

تاریخ اسلام :

زندگانی پیغمبر اسلامؐ، داستان ایک	جعفر سبحانی	۱۵۹

فن و فرہنگ و تمدن :

اسلامی آرٹ: فن خطاطی اور ایران	اسما کاظمی	۱۶۹
بسم اللہ خان: بے نظیر شہنائی نواز	شاہد خان	۱۸۳
ہم کیوں پیچھے رہ گئے؟	راشد شاز	۱۸۷

کتابوں کا تعارف : نقد و تبصرہ

Madrasas in India, Trying to be Relevant	اختر الواسع	۱۹۵
اسلام میں خواتین کے حقوق	مرتضی مطہری	۱۹۹
لولاک (سیرت پاک پر مبنی ایک طویل نظم)	چندر بھان خیال	۲۰۵

ادبی و ثقافتی سرگرمیاں:

حیدرآباد میں جشن مولود کعبہ	۲۰۷
خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران میں یوم فردوسی اور قدیم ایرانی ادبیات کا تعارف	۲۰۹
عالمی یوم فردوسی کے موقع پر صدر تنظیم ثقافت و ارتباط اسلامی کا پیغام	۲۱۵
عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد میں انجمن استادان فارسی ہند کا عالمی اجتماع	۲۲۱
بیکانیر میں ہند کی تاریخی زبان و ادبیات فارسی پر سہ روزہ قومی سیمینار	۲۲۵
''ہندوستان میں عزاداری کی روایت'' پر خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران نئی دہلی میں دو روزہ قومی سیمینار	۲۲۹
اودے پور، راجستھان میں قومی سیمینار ''۱۸۵۷ میں آزادی کی جدوجہد، فارسی زبان و اسناد کی روشنی میں''	۲۳۱

پیغام:

آفاقی بھائی چارہ کا پیغام	محمود محمدی عراقی	۲۳۵
پیغام حج	سید علی خامنہ ای	۲۴۱

خواتین کے حقوق و فرائض

گذشتہ چند صدیوں کے دوران علاقائی اور عالمی سطح پر رونما ہونے والی تبدیلیوں نے مختلف النوع تحریکوں کو جنم دیا، جن میں مغربی دنیا میں پروان چڑھنے والی علمی، فلسفیانہ اور انسانی حقوق سے جڑی ہوئی ان سماجی تحریکوں کو نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے جن کے ذریعہ انسانی سماج نے مختلف شعبہ ہائے حیات میں طرح طرح کے تجربات کئے اور انسانی معاشرہ نت نئی قدروں سے مالا مال ہوتا چلا گیا۔ انسانی حقوق کی حفاظت و نگہداری کے ذیل میں مزدوروں کے حقوق، عورتوں کے حقوق، مرد سالاری و زن سالاری، تعلیم نسواں، جمہوریت، تحریک نسوانیت اور آزادئ نسواں کے چرچے عالمی فضا میں آج بھی سنائی دے رہے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ ان تحریکوں سے قبل اس قسم کا تصور موجود نہ تھا۔ حالانکہ یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ فرانس، روس اور دیگر مغربی ممالک میں ابھرنے والے انقلابات نیز علاقائی اور قومی سطح کی تحریکوں سے قبل آزادی و جمہوریت اور دیگر انسانی حقوق سے دنیا پوری طرح ناواقف تھی۔ ایسا ہرگز نہیں تھا۔ بلکہ ظہور اسلام سے قبل دنیا بودائی دور میں بھی صرف انسانی حقوق ہی نہیں بلکہ انسان دوستی اور باہمی ہمدردی جیسی اعلیٰ اور معیاری قدروں سے بخوبی آشنا تھی اور انسان دوستی پر مبنی بودائی پیغام دنیا کے بے شمار لوگوں کے دل میں اپنی جگہ بنا چکا تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سترھویں صدی اور اس کے بعد مغربی دنیا میں جو تحریکیں رونما ہوئیں ان کا بنیادی مقصد کیا تھا؟ اس دور میں مختلف قسم کے حقوق کی بات تو جگہ جگہ پر کہی گئی لیکن یہ بات کہیں نہیں دیکھائی دی کہ حقوق کا مطالبہ کرنے والوں پر کچھ فرائض اور ذمہ داریاں بھی عائد کی گئی تھیں۔ اگر آپ غور سے دیکھیں تو آپ کو اس حقیقت کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ سترھویں صدی اور اس کے بعد کی تحریکوں سے وابستہ دانشوروں اور رہنماؤں نے حقوق کی بات تو کی ہے لیکن فرائض کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ عورت کو فلاں حق سے محروم رکھا گیا ہے، عورت کو مردوں سے کم قرار دیا گیا ہے، اس کو آزادی اور دیگر حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے، عورت کو گھر کی چہار دیواری میں

مقید کردیا گیا ہے، اس طرح کے اعتراضات کی آڑ میں عورت کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا، یہ ساری دنیا نے دیکھ لیا۔ آزادی اور حقوق کی فراہمی و بحالی کے نام پر فساد و فحشہ گری اور عریانیت کو فروغ دیا گیا۔ آزادی اور برابری کے نام پر اس کو عریانیت اور ننگے پن کی طرف مائل کیا گیا اور اسے مردوں کے ہاتھ کا کھلونہ بنا کر پیش کیا گیا۔ بس کیا تھا؟ دیکھتے ہی دیکھتے عورت ہوس پرست عناصر کے جنسی اغراض و مقاصد کے کوڑے دان میں تبدیل ہوگئی اور اس کی نیم برہنہ و عریاں تصویر تجارتی سازوسامان کی عمدہ فروشی کا باعث بنتی گئی، اور دھیرے دھیرے آزادی و خود انحصاری وزن سالاری جیسی خوبصورت اصطلاحوں سے کام لیتے ہوئے اسے اس کے خانوادہ سے بالکل الگ کردیا گیا۔ اب وہ اپنے خاندان کی ایک اہم کڑی ہونے کے بجائے ایک انفرادی حیثیت کی حامل بن گئی۔ اس طرح خانوادہ ومعاشرہ کے سلسلہ میں اس کی کوئی ذمہ داری نہ رہ گئی، بلکہ اس نے ایک خود مختار انفرادی حیثیت حاصل کرلی۔ یہ سب کچھ ایک منظم اور منصوبہ بند پروگرام کے تحت انجام دیا گیا۔ عورتوں کے حقوق کی بحالی اور بازآوری کے لئے قومی اور عالمی سطح پر قوانین بنائے گئے اور قومی و عالمی اسناد میں انھیں نمایاں طور پر پیش کیا گیا۔ جگر گوشہ رسولؐ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی سالگرہ ولادت کے موقع پر علماء و دانشوروں کی ایک جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے راقم الحروف نے ان عالمی تنظیموں کی کارکردگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''عورتوں کے خلاف ناروا سلوک کی تمام شکلوں کی تردید پر مشتمل اس سند میں خانوادہ و معاشرہ کے سلسلہ میں افراد کی ذمہ داریوں کو پوری طرح نظر انداز کردیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ عورت کو خاندان سے الگ تھلگ ایک فرد واحد کی حیثیت عطا کردی گئی۔ اب وہ خانوادہ کی ایک اہم کڑی نہیں رہ گئی تھی اگرچہ حقوق اور فرائض درحقیقت ایک سکّہ کا دوسرا روپ ہیں اور انسان کے انفرادی حقوق کو اس کی ذمہ داریوں سے قطعی الگ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اسی راہ و روش کی وجہ سے مغربی معاشرہ میں سماجی بدعنوانیوں اور ظالمانہ حرکتوں میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔''

واضح رہے کہ ۱۹۷۹ میں عورتوں کے خلاف نسلی امتیازات کی مختلف شکلوں کی تردید میں اقوام متحدہ میں اس کنونشن کا انعقاد عمل میں آیا تھا جس کو اب تک دنیا کے زیادہ تر ملکوں نے اپنی منظوری دے دی ہے۔ اسکے برعکس ایسے ملکوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے جو آج بھی اس کنونشن کی بہت سی

دفعات کوتسلیم نہیں کرتے ہیں، کیونکہ اس میں جو باتیں کہی گئی ہیں وہ ان کے معاشرہ کی روایت سے میل نہیں کھاتی ہیں۔ اس کے علاوہ بعض ایسے ممالک بھی موجود ہیں جو خواتین کے سلسلہ میں قانون کی منظوری کوملک کا داخلی معاملہ قرار دیتے ہیں اور ایسے کسی بین الاقوامی قانون وقرارداد کو لائق اعتناء نہیں مانتے ہیں جن سے ان کے ملک کے آئین کی خلاف ورزی ممکن ہو۔ دنیا کے صنعتی ممالک میں فقط امریکہ ایسا ملک ہے جس نے اب تک اس قانون کو منظوری نہیں دی ہے اور وہ اس کی وجہ یہ بیان کرتا ہے کہ یہ قانون ملک کی قومی حاکمیت سے میل نہیں کھاتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے خانوادہ کی بنیاد کے کمزور پڑ جانے کا خطرہ بھی ہے۔

ایران بھی انھیں ملکوں میں شامل ہے جس نے اس قانون کوتسلیم نہیں کیا ہے۔ اگر چہ چھٹی ایرانی پارلیامنٹ اس قانون کو پاس کرچکی ہے لیکن مجلس خبرگان کی بھرپور مخالفت کے بعد آخری فیصلہ کی غرض سے اسے ادارہ' تشخیص مصلحت نظام' کے پاس بھیج دیا گیا ہے تا کہ وہ اس کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرسکے۔

واضح رہے کہ فقط حقوق کی فراہمی و دعویداری فرائض سے ناواقفیت و بے خبری کا باعث ہوا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا ئی بشریت کی ہدایت و رہنمائی جیسے عظیم الٰہی مشن کے ساتھ آج سے چودہ سو برس قبل جب اسلام کا ظہور ہوا تو اس مذہب نے حقوق وفرائض دونوں کی یکساں نشاندہی کی اور مرد و عورت دونوں کو ان کے فرائض وحقوق سے بخوبی آ گاہ کیا۔ حقیقی اور محمدی اسلام کی پیروی کرنے والوں کو بخوبی معلوم ہے کہ ان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ ایک باعفت خاتون کو بخوبی معلوم ہے کہ بیٹی، بیوی اور ماں کی حیثیت سے انسانی معاشرہ کی ترقی وخوشحالی کے لئے اسے کیا فرائض انجام دینے ہیں؟ اسے مذہب نے مردوعورت کو ایک دوسرے کے لئے باعث تکمیل قرار دیا ہے۔ اس طرح دونوں کو ایک دوسرے کا مخالف اور دشمن قرار نہیں دیا ہے۔ خالق نے مردوزن کو لازم وملزوم بنا کر اس دنیا میں بھیجا ہے انہیں حاکم ومحکوم نہیں بنایا ہے۔ اسلام نے عورت کو ماں، بیوی اور بیٹی تینوں روپ میں دیکھا اور ہر سطح پر ان کے حقوق وفرائض کی بھرپور نشاندہی بھی کردی۔ ماں کی آغوش میں عورت فقط والدین ہی نہیں بلکہ پورے خانوادہ کی تسکین کا سامان فراہم کرتی ہے۔ بیوی کے لباس میں وہی عورت اپنے شوہر کی تسکن اور انسانی نسل کی افزائش کا وسیلہ دکھائی دیتی ہے۔ اور ماں کی حیثیت سے

وہ اپنے بچوں کی ایسی تربیت کرتی ہے کہ وہ ایک صالح انسانی معاشرہ کی تخلیق و حفاظت میں نمایاں کردار ادا کرسکیں۔ ماں، بیوی و بیٹی، تینوں ہی روپ میں وہ نہ صرف اپنے خانوادہ کی اہم کڑی کا درجہ رکھتی ہے بلکہ خانوادہ کی محور اتحاد و اتصال بنی رہتی ہے۔ اور اس کام کے لئے اس کا تعلیم یافتہ ہونا لازمی ہے۔ جی نہیں! فقط لازمی کہہ دینے سے بات مکمل نہیں ہوتی بلکہ یہ وہ اہم کام ہے جس کے لئے بار بار تاکید کی گئی ہے۔ البتہ جن باتوں سے ہم لوگوں کو روکا گیا ہے ان میں شامل ہیں خواتین کی عفت و پاک دامنی کی خاطر زن و مرد کے درمیان اختلاط اور خواتین کی بے حجابی کیونکہ بے حجابی ان کی فطری شناخت کی پامالی ہے ۔ واضح رہے کہ صرف حقوق کی دعویداری اور فرائض و ذمہ داریوں سے ناواقفیت عورت کی گمراہی اور بے راہ روی کا باعث ہوا کرتی ہے اور اسے خانوادہ سے ہی نہیں بلکہ خود سے بھی بے خبر بنا دیتی ہے۔

ساری دنیا جانتی ہے کہ جس معاشرہ میں اسلام کا ظہور عمل میں آیا تھا وہ آج بھی انسانی تاریخ میں 'دور جاہلیت' کا معاشرہ کہلاتا ہے۔ اس معاشرہ میں عورت کو زندہ درگور کردینا فضیلت کا باعث قرار دیا جاتا تھا۔ شرم و حیا اور عفت و پاکدامنی مفقود ہوچکی تھی اور انسانیت چلتی پھرتی لاش کی شکل اختیار کرچکی تھی۔ ایسے ناگفتہ بہ ماحول میں انسانیت کو ابدی نجات سے مالا مال کرنے والے عظیم الشان پیغمبرؐ نے آیات الٰہی کی روشنی میں دنیا والوں کو یہ بتایا کہ خداوند عالم نے انسانوں کی یہ انجمن ایک مرد و زن کے ذریعہ سجائی ہے۔ مرد و زن دونوں صاحب فضیلت ہیں اور دونوں میں تقابلی فضیلت کا درجہ بس تقویٰ و پرہیز گاری ہے۔ مرد و زن ایک دوسرے کی ضد نہیں، بلکہ ایک دوسرے کے لئے وسیلۂ کمال ہیں۔ اسلام دین انفرادیت بھی ہے اور دین اجتماعیت بھی۔ اس نے مرد و زن کو انفرادی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے ذمہ دار قرار دیا ہے۔ اس کا ہر عمل، چاہے وہ نماز جماعت پنجگانہ ہو یا حج جیسا عالمی اسلامی و انسانی اجتماع، ہر جگہ انسان کے انفرادی اور سماجی پہلوؤں کو پوری طرح اجاگر کرتا ہے۔ قرآن کریم کے احکام و تعلیمات کو سمجھنے کے لئے پیغمبر اکرمؐ کو اسوۂ حسنہ قرار دے کر پریکٹیکل کا اہتمام بھی کردیا گیا۔ اور حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی ذات والا صفات کو خواتین عالم کے لئے اسوۂ قرار دیتے ہوئے دنیا والوں کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کردیا کہ بیٹی ہو تو ایسی کہ باپ کو اپنی تعظیم پر اس درجہ آمادہ کردے کہ وہ ''ام ابیھا'' کہتا ہوا دکھائی دے، بیوی ہو تو ایسی کہ

شوہر اس کے وجود کی توانائی سے مالا مال رہے اور ماں ہو تو ایسی کہ دنیا کی تمام مائیں قیامت تک اس پر ناز کرتی رہیں، اور دنیا والوں کو ان ماؤں کی تلاش میں کوئی دشواری نہ ہو، جن کے پیروں کے نیچے خداوند عالم نے جنت بنائی ہے اور جن کی آغوش میں پروان چڑھنے والے ہی قیامت تک انسانی برادری کی بقا وحفاظت کی ضمانت ہیں۔

جی ہاں! اسلام ہی وہ عظیم مذہب ہے جس نے خواتین کو ان کے حقوق وفرائض کی طرف یکساں طور پر متوجہ کیا ہے۔ وہ ہر رنگ و روپ میں عورت کے حقوق کی حفاظت کرتے ہوئے اسے اس کی ذمہ داریوں سے بھی بخوبی آشنا رکھتا ہے کیونکہ اس نے عورت کو مساوی حقوق فراہم کئے ہیں مشابہ نہیں۔ حقوق کی دعوداری کے ساتھ ساتھ فرائض کی ادائیگی بھی لازمی ہے، یہی ''راہ اسلام'' ہے۔

چیف ایڈیٹر
محمد حسین مظفری

عالمی یوم خواتین کے موقع پر خانہ فرہنگ ایران میں ایک روزہ فلسفیانہ مذاکرہ

موضوع: خواتین کے حقوق اور خواتین مخالف سلوک کی نابودی پر عالمی قرار داد

تاریخ بشریت گواہ ہے کہ خواتین کے سلسلہ میں عالمی انسانی برادری کا سلوک نہایت مخالفانہ اور غیر عادلانہ رہا ہے۔ ظہور اسلام سے قبل عیسائیت اور یہودیت نے عورتوں کو وسیلۂ گناہ قرار دے رکھا تھا اور وہ باعث نحوست سمجھی جاتی تھیں۔ لیکن ظہور اسلام کے بعد پیغمبر عظیم الشان نے نہ صرف عورتوں کو مساوی حقوق دلوائے، بلکہ اس کی عظمت رفتہ کی بحالی کے لئے لگاتار جدوجہد کی۔ اپنی بیٹی حضرت فاطمہ زہرا (س) کی تعظیم کے ذریعہ دنیاوالوں کو یہ پیغام دیا کہ اگر عورت اپنی حیثیت عرفی کی حفاظت کرتے ہوئے الٰہی قدروں کے سایہ میں کردار کی عظمت و بلندی کی آخری منزل تک پہونچ جائے تو عالمی معاشرہ ہی نہیں بلکہ پیغمبر عظیم الشان بھی اس کی تعظیم کے لئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوگا اور دنیاوالوں کو یہ پیغام دے گا کہ عورت اس عظیم مخلوق کا نام ہے جس کو خداوند عالم نے آفرینش عالم کا ضمانت دار بناکر خلق کیا ہے، مرد وعورت ایک دوسرے کے مخالف نہیں بلکہ ایک دوسرے کی تکمیل اور زینت کا باعث ہیں۔ مرد وعورت خداوند عالم کی نظر میں مساوی مقام ومرتبہ کے حامل ہیں اور ان کے درمیان امتیاز کا سبب فقط ان کا تقویٰ ہے۔

مختصر یہ کہ ان تعلیمات عالیہ کے سایہ میں عورت ذلت ورسوائی اور زوال ونابودی کے گڑھے سے باہر آئی اور ایک طویل عرصہ تک ترقی اور خوشحالی اور عظمت ووقار کے ساتھ زندگی بسر کرتی رہی۔ لیکن گذشتہ ہزار سالہ دور میں اسلامی تعلیمات سے انحراف اور بے راہ روی کے ذریعہ عورت پر ظلم واستحصال اور حق طلفی ومحرومی کی بھرمار ہوگئی۔ چنانچہ بیسویں صدی کے دوران مرد وعورت کے حقوق کے درمیان خود ساختہ عدم توازن کو دور کرنے اور سماج کی مختلف فرسودہ اور بے سود فکری کشمکش سے عورت کی آزادی وبحالی کے نام پر عالمی تنظیموں اور اداروں کی جانب سے کچھ معاہدے کئے گئے۔

جگر گوشۂ رسول حضرت فاطمہ زہرا(س) کی سالگرہ ولادت کے موقع پر خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران نے خواتین کے حقوق اور خواتین مخالف سلوک کی نابودی پر عالمی قرار داد کے موضوع پر ایک روزہ علمی قلمفرسائی مذاکرہ کا اہتمام کیا تاکہ موجودہ دور کے نامور مقامی اور غیر مقامی علماء ودانشور ان معاہدوں کا تجزیہ کرتے ہوئے قارئین کو اس حقیقت سے باخبر کرسکیں کہ یہ معاہدے فقط نمائشی اور دستاویزی حیثیت کے حامل رہے یا انہیں خواتین کے خلاف کئے جانے والے ناروا سلوک کو دور کرنے میں کچھ کامیابی بھی حاصل ہوئی؟ ذیل میں اس مذاکرہ میں شریک مفکرین اور دانشوروں کے خیالات کا خلاصہ ملاحظہ ہو:

ڈاکٹر محمد حسین منظری

مذاکرہ میں شریک تمام علماء اور دانشوروں کا خیر مقدم کرتے ہوئے منظری صاحب نے فرمایا کہ ۱۹۴۸ء میں انسانی حقوق کمیشن اعلامیہ صادر ہونے کے بعد سے اب تک اقوام متحدہ کی سرپرستی میں متعدد معاہدے کئے گئے اور ان میں انسانی حقوق کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا جس کے مثبت پہلوؤں سے آپ حضرات بخوبی واقف ہیں۔ اس مذاکرہ کے انعقاد کا مقصد ان اسباب وعوامل کی نشاندہی ہے جن کی وجہ سے یہ معاہدے خواتین کے مسائل کو حل کرنے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوسکے۔ میری نظر میں انسانی حقوق کے نظام میں اقوام متحدہ کی ناکامیابی کی بنیادی وجہ صرف حقوق کی طرف توجہ اور فرائض سے چشم پوشی ہے۔ انسانی حقوق کے سلسلہ میں امریکہ سے صادر اعلامیہ میں تو فرائض اور ذمہ داریوں کا ذکر ہی نہیں ہے، جبکہ فرانس سے جاری ہونے والے انسانی حقوق کے ۳۰ نکاتی معاہدہ میں فقط دفعہ ۲۹ کے ذیل میں مرد وعورت کے فرائض کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ عالمی معاہدوں کے مطالعہ اور ماضی قریب میں رونما ہونے والے حوادث کے مشاہدہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک فرد خواہ مرد ہو یا عورت خود غرضی کے نشہ میں چور اپنے حقوق کو حاصل کرنے کے لئے سرگرداں ہے اور اس کو اس بات کا ذرہ برابر احساس نہیں ہے کہ خانوادہ، والدین اور بچوں کے سلسلہ میں اس پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں اور حقوق کے ساتھ ہی ساتھ اسے ان فرائض کی طرف بھی متوجہ رہنا ہے۔ فرائض سے ناواقفیت و بے توجہی کی وجہ سے آج مغربی سماج میں مجرمانہ اعمال میں اضافہ

ہوتا جارہا ہے۔ ان معاہدوں کی ناکامی کی دوسری وجہ ایسے ادارہ کی تشکیل کا فقدان ہے جو ان معاہدوں کی سرگرمیوں اور کارگزاریوں کی نظارت اور دیکھ بھال کا کام انجام دے سکے۔ وہ یہ دیکھتا رہے کہ معاہدوں کی جملہ دفعات پر عمل درآمد ہورہا ہے یا نہیں؟ اسکے علاوہ ان معاہدوں کا تیسرا غیر مثبت پہلو عالمی سماج کے ہر فرد مثلاً بچوں، عورتوں، مزدوروں وغیرہ کے حقوق کے لئے الگ الگ کمیشن اور معاہدوں کی بھرمار ہے جس کی وجہ سے کام تو کم ہوا، البتہ سارا وقت اور بجٹ رپورٹ کی تیاری اور دفتر کی تعمیر ودفتری سازوسامان کی فراہمی میں صرف ہوتا ہے، مگر جس کے لئے کمیشن کی تشکیل عمل میں آتی ہے اس تک کچھ نہیں پہونچتا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ ایک ہی کمیشن کے ماتحت معاشرہ کے ہر فرد کے حقوق کی نگہداری کا اہتمام کیا جاتا اور کمیشن کے ظاہری ڈھانچہ اور خدوخال کو سنوارنے کے بجائے اسکے بنیادی مقصد کی راہ میں تمام وسائل وامکانات اور وقت وبجٹ خرچ ہوتا تو یقیناً مثبت اور مفید ہوتا۔

پروفیسر بلقیس فاطمہ حسینی

پروفیسر حسینی نے اپنی گفتگو کے آغاز میں پیغمبر عظیم الشان اور ان کی دختر عزیز پر درود وسلام کے بعد ارشاد فرمایا کہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا درحقیقت عالمین کی خواتین کی قائد وسردار ہیں، اسی وجہ سے انہیں سیدۃ النساء العالمین کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ ان کی شخصیت صرف خواتین ہی نہیں بلکہ عالمی انسانی برادری کو حوصلہ فراہم کرتی رہی ہے۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے جس زمانہ میں سرزمین عرب پر جنم لیا، اس دور کے سماجی حالات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ اس زمانہ میں عورت اور حیواں، دونوں کی حیثیت ایک جیسی تھی۔ معاشرہ کے جن لوگوں کے پاس زیادہ عورتیں اور زیادہ حیوان ہوتے تھے، انہیں سماجی اعتبار سے زیادہ محترم، پر وقار اور طاقتور خیال کیا جاتا تھا۔ لڑکی کی ولادت کو باعث ذلت ورسوائی قرار دیتے ہوئے اسے زندہ درگور کردیا جاتا تھا اور لڑکے کی ولادت کو خانوادہ کی تقویت کا ذریعہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ پیغمبر اکرمؐ جیسی انقلاب آفرین شخصیت نے لڑکی کی ولادت کو باعث سعادت قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کو اس سنت پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی۔ خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران نے سیرت نبوی کی پیروی کرتے ہوئے حضرت زہرا (س) کے یوم ولادت پر اس فلسفیانہ مذاکرہ کا اہتمام کیا ہے

تا کہ ۱۹۹۷ء میں ہونے والے اس عالمی معاہدہ کی روشنی میں یہ تجزیہ کیا جاسکے کہ تقریباً گذشتہ تین دہائیوں کے دوران خواتین کے حالات کی بحالی میں اس معاہدہ نے کیا کردار ادا کیا ہے؟

محترمہ موہنی گری

میں حضرت فاطمہ (س) کے یوم ولادت کے موقع پر منعقد اس یوم خواتین اور فلسفیانہ مذاکرہ میں موجود تمام حاضرین کی خدمت میں مخلصانہ مبارکباد پیش کرتی ہوں۔ ایسے ماحول میں جہاں خواتین کو ہر قسم کے حقوق سے محروم رکھا گیا تھا پیغمبرؐ کی اکلوتی بیٹی فاطمہ (س) نے ہر قسم کی رعایہ گری سے اپنی مکمل آزادی کا اعلان کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ خود پیغمبر اسلامؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ فاطمہ (س) کو عزت واحترام دو۔ انہوں نے اپنی وراثت کا حقدار حضرت فاطمہ (س) کو قرار دیا۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے زوجہ اور دیگر انسانوں کے حقوق کے سلسلہ میں لازمی ہدایات جاری کیں۔ درحقیقت میری خواہش ہے کہ قرآن نے خواتین کو جو حقوق عنایت کئے ہیں اور اسلامی قوانین کی رو سے انہیں جو حق حاصل ہے، اس سے واقفیت حاصل کرسکوں۔

محترم چکرورتی

درحقیقت خواتین کے ساتھ نا برابری کے سلوک کے خاتمہ کے لئے یہ عالمی قرار داد ۱۶ دسمبر ۱۹۷۹ء کو اقوام متحدہ کے اجلاس میں منظور ہوئی اور ۱۹۸۱ء میں اس کا نفاذ عمل میں آیا۔ ابتدائی مرحلہ میں تقریباً دنیا کے ۲۰ ملکوں نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔ ہندوستان نے ۱۹۸۰ء میں اس کی رکنیت تو تسلیم کرلی تھی لیکن تیرہ برس بعد، ۱۹۹۳ء میں اس کو باقاعدہ طور سے منظور کرلیا۔ سردست اقوام متحدہ کے ۱۹۲ ممبر ملکوں میں ۱۸۰ ملکوں نے اس عالمی معاہدہ کو منظوری دیدی ہے۔ امریکہ نے ۱۹۸۰ء میں اس کی رکنیت حاصل کی اور اجلاس کی صدارت بھی کی لیکن اب تک اس قرار داد کو مکمل منظوری نہیں دی ہے۔

اس عالمی قرار داد کے دیباچہ میں کہا گیا ہے کہ خواتین کو مساوی حقوق عطا کئے بغیر دنیا کا کوئی ملک یا معاشرہ ترقی نہیں کرسکتا ہے۔ یہ عالمی قرار داد درحقیقت انسانی حقوق کے ضمن میں مردوں کی طرح عورتوں کو بھی مساوی سیاسی، اقتصادی، ثقافتی اور سماجی حقوق فراہم کرتی ہے۔ اور پوری قرار داد کا مرکزی محور بھی یہی ہے جس کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ہر ملک کی انتظامیہ عورتوں کے ساتھ کئے جانے والے مخلفانہ سلوک اور بھید بھاؤ کے خلاف موثر قدم اٹھاسکتی ہے۔

عالمی قرار داد کی ایک دفعہ میں عورتوں کے مختلف قسم کے حقوق کی بات کہی گئی ہے اور اس کے نفاذ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ بعض ملکوں کے اصول معیشت اور دوسرے ممالک کے آئین عورتوں سے متعلق قرار داد کے سارے مشمولات کو من وعن نافذ کرنے سے قاصر ہیں۔ چنانچہ ہندوستان نے اس کی اصلاح و درستگی اور بعض اوقات اپنی پیش کردہ رپورٹ پر ان کے تبصرہ وردعمل پر اپنے موقف کو بڑی سختی سے پیش کیا ہے۔ جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں مختلف اقوام ومذاہب کے لوگ زندگی بسر کرتے ہیں جن کو ہندوستان کے آئین کے مطابق آزادانہ زندگی جینے کا حق حاصل ہے۔ ایسے حالات میں اس قرار داد کو بالکل اسی شکل میں ہندوستان میں نافذ کرپانا ایک مشکل کام ہے۔

محترمہ فاطمہ بداغی

یہ اس صاحب عظمت خاتون کی ولادت کی سالگرہ کا دن ہے جو پیغمبر عظیم الشان کی اکلوتی بیٹی، مولائے متقیان امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی شریک حیات اور حسینؑ مظلوم ودیگر پیشوایان دین کی ماں ہیں۔ لیکن جب فرشتہ وحی کا ذکر کرتا ہے تو یوں عرض کرتا ہے کہ ''ہم نے دنیائی آفرینش کو فاطمہ، ان کے شوہر اور ان کی اولاد کی خاطر خلق کیا۔'' اس الٰہی انداز تخاطب سے بخوبی یہ واضح ہے کہ یہ اسلام خواتین کے حقوق کا مدافع ہے، جس کی شہادت تاریخ اور اسلامی تعلیمات میں بدرجۂ اتم موجود ہے لیکن جہاں تک عورتوں کے خلاف ناروائی کے خاتمہ کی عالمی قرار داد کا سوال پیدا ہوتا ہے یہ قرار داد خواتین کے حقوق کی حمایت میں زیادہ کامیابی نہیں حاصل کرسکتی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس عالمی معاہدہ سے دنیا کے اکثر ممالک جڑے ہوئے ہیں، لیکن ان ملکوں میں حقوق خواتین کی صورتحال میں کوئی نمایاں تبدیلی نظر نہیں آتی ہے، کیونکہ اس عالمی معاہدہ کے ساتھ بہت سے تحفظات ملحق کر دیئے گئے ہیں، جبکہ دیگر ممالک ان تحفظات پر معترض ہیں۔

اس مذاکرہ میں دوستوں کی گفتگو سننے کے بعد مجھے ایسا لگتا ہے کہ ہم لوگوں نے ابھی معاہدہ کے حقیقی معنی ومفہوم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی ہے کہ آخر اس معاہدہ کی تشکیل کیوں عمل میں آئی؟ اور اس معاہدہ کی کونسی چیزیں مبہم اور غیر واضح ہیں؟ کیونکہ ان ابہامات کی وجہ سے اس معاہدہ کو اب تک خاطر خواہ کامیابی نہیں حاصل ہوسکی ہے۔ سب سے پہلے ہم لفظ تبعیض یعنی ناروا سلوک کے معنی ومفہوم تک رسائی حاصل کرنے میں ابہام کا شکار بن جاتے ہیں کیونکہ کہیں کہیں اس لفظ تبعیض کو عدالت

اور مساوات کے معنی میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں یہ معلوم ہوجانا چاہئے کہ کیا اس لفظ تبعیض کو استعمال کرنے کا مقصد عدم مساوات کی نشاندہی کرنا ہے؟ بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس معاہدہ میں تبعیض عدم مساوات کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض جگہوں پر مساوات سے عدالت مراد لینا درست نہیں ہے۔

درحقیقت اس عالمی قرارداد کی دفعہ ۵ میں بیوی، ماں اور خانہ دار خاتون کی حیثیت سے خواتین کے بنیادی کردار کی نفی وتردید کی گئی ہے اور اس کو منفی وروایتی کردار بتاتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ بیوی، ماں اور خانہ دار خاتون کی حیثیت سے عورت جو روایتی کردار ادا کرتی چلی آرہی ہے، اسے پوری طرح فراموش کردیا جانا چاہئے۔ یہ معاہدہ بچوں کی پرورش میں زن وشوہر دونوں کو برابر کا شریک تو تسلیم کرتا ہے لیکن یہ نہیں مانتا کہ مادری اور امورخانہ داری میں عورت کو بنیادی کردار ادا کرنا ہے۔ مادری اور خانہ داری جیسے امور میں خواتین کے اہم اور بنیادی کردار کی نفی وتردید کی وجہ سے کم عمر بچوں کے حقوق کی پامالی کا خطرہ لاحق ہوجاتا ہے کیونکہ اس عمر میں بچوں کو ماں کی تربیت کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔

یہ عالمی معاہدہ لڑکے اور لڑکیوں کی باہمی تعلیم کی پرزور حمایت کرتا ہے لیکن جن ملکوں میں مخلوط تعلیم کا انتظام ہے وہاں لڑکوں اور لڑکیوں کے سن بلوغ میں زبردست کمی واقع ہوئی ہے۔ اسکے علاوہ جنسی تجاوز اور لڑکوں کی تعلیمی سطح میں گراوٹ جیسے منطقی نتائج بھی دکھائی دیتے ہیں۔

مختصر لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ خواتین کے خلاف نارواسلوک کی نابودی پر مشتمل یہ عالمی معاہدہ تہذیب وعقائد کے درمیان اختلاف اور نظریاتی ضعف اور ہمہ گیریت کے فقدان کی وجہ سے بین الاقوامی سطح پر کامیاب نہیں ہوسکا۔

پروفیسر صغرا مہدی

آپ نے فرمایا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ماضی قریب میں عورتوں کے حقوق کی بحالی کے سلسلہ میں مثبت قدم اٹھائے گئے ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ آئندہ آنے والے وقت میں بھی ہندوستانی خواتین کے حقوق کی بحالی کی سمت میں قابل ذکر ترقی ہوگی۔

اپنی تقریر کے دوران پروفیسر صغرا مہدی نے ہندوستانی معاشرہ میں خواتین کے ساتھ کئے جانے

والے ناروا سلوک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ لڑکی کی ولادت پر ناپسندیدگی، جدید آلات کی مدد سے لڑکیوں کی ولادت سے قبل انہیں نابود کردینے کی شرمناک حرکت سے لیکر شادی کے بعد شوہر اور سسرال والوں کی بدسلوکیوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ بہرحال ان بدسلوکیوں کی روک تھام کے سلسلہ میں قابل ذکر کامیابی حاصل ہوئی ہے اور امید کی جاتی ہے کہ تعلیمی ترقی اور خود خواتین کے درمیان لازمی بیداری کے ذریعہ صورتحال اور بہتر ہوجائے گی۔ عورتوں کو خود بھی سوجھ بوجھ اور بیداری کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔

مولانا ڈاکٹر کلب صادق

دنیا کا کوئی مذہب عورتوں پر ظلم وزیادتی کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام نے اس کی سختی سے ممانعت کی ہے۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ کسی پر مسلسل ظلم اسی وقت ہوتا ہے جب وہ مستقل ظلم برداشت کرنے پر تیار رہتا ہے۔ لہذا میں بلاتفریق مذہب وملت تمام ہندوستانی عورتوں سے یہ کہوں گا کہ اپنی فضیلت اور مقام ومرتبہ کو جانیں اور ایک صحت مند ومہذب سماج کی ساخت کے لئے اپنی اہمیت کا احساس دلائیں۔

جہاں تک بات اسلامی نقطۂ نظر کی ہے تو وہاں نہ تو کوئی چیز غیر منطقی ہے اور نہ غیر عادلانہ۔ لہٰذا اگر کسی کو کوئی چیز خلاف عدل ومنطق نظر آئے تو وہ یہ سمجھ لے کہ یہ اسلام میں ٹھونسی ہوئی چیز ہے۔ حقیقی اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس موقع پر میں قرآن مجید کی ایک آیت کا ترجمہ پیش کررہا ہوں کہ'' جب گناہ گار جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے (اس میں کرمنلس ہوں گے، چورہوں گے، رشوت خورہوں گے، سیاست کے مداری ہوں گے، لوگوں کو بدھو بنانے والے ملا ہوں گے اور دہشت گرد وغیرہ ہوں گے) تو ملائکہ پوچھیں گے کہ تم نے ایسا کیا کیا تھا کہ تمہیں جہنم میں ڈال دیا گیا؟ تو وہ اپنا جرم نہیں بتائیں گے، صرف ایک بات کہیں گے لَوْكُنَّا نَسْمَعُ اَوْنَعْقِلُ کاش کہ ہم نے نعمت عقل وسماعت کا صحیح استعمال کیا ہوتا! اس کے علاوہ سورہ حدید میں ارشاد ہوا ہے۔

لَقَدْاَرْسَلْنَارُسُلَنَابِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔''

اس آیت کی رو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جتنے بھی انبیاء اور رسول، اللہ نے بھیجے، ان سب کا مشترک مدعا اور نصب العین یہ تھا کہ لوگوں کے درمیان عدل قائم ہوجائے۔ چنانچہ قرآن میں کوئی ایک

آیت نہیں دکھا سکتا جس میں عورتوں کے ساتھ سوتیلے برتاؤ کی اجازت دی گئی ہو۔ اسلام نے شوہر اور بیوی دونوں کو ایک دوسرے کا زوج قرار دیا ہے۔ زوج کے معنیٰ ہی یہ ہوتے ہیں کہ دو بالکل برابر کے لوگ ایک مشن کو آگے بڑھا رہے ہوں جیسے گاڑی کے دو پہیے، اگر ان میں کا ایک بھی دوسرے سے چھوٹا یا موٹا ہوا تو توازن بگڑ جائے گا۔ علاوہ ازیں اسلام نے عورتوں کو اتنا محترم جانا ہے کہ بیاہ کے آنی والی دلہن کے لئے استقبالیہ کے طور پر شوہروں کے اوپر تاکید ہے کہ اپنے گھر میں اس کے قدم اترنے سے پہلے ایک کاسۂ آب اس کے پاؤں تلے رکھیں اور پھر اس پانی کو اس کمرہ کے گوشۂ کنار میں چھڑک دیں، جہاں وہ دونوں قیام کرنے والے ہیں۔

اس کے علاوہ تین طلاق کا مسئلہ خلاف عقل بھی ہے اور خلاف شریعت بھی۔ یہ اسلامی تاریخ کے کسی خلیفہ کا وقتی آرڈر تو ہوسکتا ہے، قرآن کا اصول نہیں یا مثلاً عمرانہ کا کیس، ایک مفتی نے فتویٰ دے دیا کہ اس کا شوہر اس پر حرام ہوجائے گا، جب کہ قرآن کہہ رہا ہے کہ سزا دوسرے کو نہیں ملے گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عورت انسانی برادری کا محترم حصہ ہے۔ دراصل ہماری فکروں اور منحرف معاشروں نے عورت کو مظلوم بنا رکھا ہے۔

ہندوستان کے ممتاز ماہر تعلیم، مشہور دانشور سید حامد صاحب سے

ملاقات و گفتگو

سوال۔ محترم سید حامد صاحب! اسلام اور مسلمانوں کے معاملات پر آپ کی نظر کافی گہرائی اور گیرائی کی حامل ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ''راہِ اسلام'' کے لئے اسلام میں عورتوں کے حقوق کے بارے میں آپ سے کچھ سوالات کروں تاکہ ان مدبرانہ جوابات کی روشنی میں خواتین صورتحال کو کچھ بہتر بنا سکیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام کی تابندگی سے قبل عرب میں عورتوں کو کچھ بھی حقوق حاصل نہ تھے۔ ان کی حیثیت محض کنیز کی تھی، لڑکیوں کو زندہ درگور کردیا جاتا تھا، کیا یہی صورتحال دنیا کے دوسرے خطوں میں بھی تھی؟

جواب۔ جہاں تک قیاس کہتا ہے دوسرے خطوں میں صورتحال اس سے ملتی جلتی تھی۔ بعینہٖ ایسی نہیں تھی۔ بیشتر خطوں میں عورتوں کو حقوق حاصل نہیں تھے۔ یہ امر اسلام کی اولیات میں سے ہے کہ اس نے عورتوں کو حقوق دیئے اور بیشتر امور میں مردوں کے مساوی حقوق دیئے۔

سوال۔ اسلام نے عورت کو جو وقار بخشا اور جن حقوق سے نوازا وہ اپنی مثال آپ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیا اس کے اثرات دوسرے مذہبوں اور خطوں پر بھی پڑے؟ اس کے مثبت نتائج کہاں کہاں ظاہر ہوئے؟

جواب۔ میں نے عالمگیر سطح پر اسلام کے ان اثرات کا جو عورتوں کے حقوق کے ضمن میں دوسرے خطوں اور مذاہب پر پڑے، مطالعہ نہیں کیا ہے لیکن عورتوں کے حقوق اور مردوں سے ان کی برابری اور عورتوں کے وقار و اعتبار کا جہاں تک تعلق ہے جلد یا بہ دیر دنیا کے دوسرے ممالک اسلام سے متاثر ہوکر رہے۔ خود ہمارا ملک ہندوستان ان اثرات کی ایک نمایاں مثال ہے۔ یہاں کے عائلی قوانین پر اسلام کی گہری چھاپ دیکھی جاسکتی ہے۔

سوال۔ محترم! آپ ماہر تعلیم ہیں اور اس شعبہ میں آپ نے ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر سے لے کر جامعہ ہمدرد کے چانسلر تک تقریباً عرصہ چوتھائی صدی میں آپ کی کاوشیں کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، اس طویل مدت میں آپ نے ہندوستانی مسلمانوں بالخصوص خواتین کے تعلیمی معاملات میں جو کمیاں محسوس کیں اور ان کے ازالہ کے لئے جو ضروری اقدامات محسوس کئے ہوں، ان کی نشاندہی فرمائیں۔

جواب۔ آپ کے فراخدلانہ بیانات سے برأت کا اظہار کرنے کے بعد میں یہ عرض کروں گا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیم پر ان کے گھروں اور پڑوس کا ماحول بری طرح اثر انداز ہوا ہے۔ ان کے گھر خود بھی گنجان ہیں اور عام طور پر گنجان آبادیوں میں واقع ہیں جہاں شوروشغب بچوں کو یکسوئی سے پڑھنے کا موقع ہی نہیں دیتا۔ علاوہ بریں ہمارے گھروں میں پھیلی ہوئی بے خبری کی وجہ سے ان مسائل پر گفتگو ہوتی ہی نہیں جو عام طور پر انسانیت کو اور بالخصوص ہمارے شہر، ہماری ریاست یا ہمارے ملک کو لاحق ہیں۔ گفتگو عام طور پر چٹ پٹی باتوں پر مشتمل ہوتی ہے جس کا بڑا جزو غیبت، چغلخوری اور بہتان طرازی ہوتا ہے۔ اس زاویۂ نظر اور طرزِ گفتگو کا برا اثر ایک طرف بچوں کے کردار واطوار پر پڑتا ہے، دوسری طرف اس کے نتیجہ میں بچے دنیا اور اس کی ترقیات اور تبدیلیوں سے بے خبر رہتے ہیں۔ لہٰذا وہ تعلیم اور حصولِ روزگار کے میدان میں اپنے اہلِ وطن سے بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ جہاں تک حصولِ علم کا تعلق ہے، مسلمانوں نے عام طور پر اس سے بے مہری برتی ہے۔ ان کی جہالت ان کی پسماندگی کا سب سے بڑا سبب ہے۔ ابتدائی تعلیم میں تو ان کی شرکت کا تناسب غنیمت ہے لیکن جیسے جیسے تعلیم آگے بڑھتی ہے مسلمان طلبہ وطالبات کا تناسب کم ہوتا جاتا ہے۔ اُن کے والدین گھریلو دھندوں میں ان کی مدد حاصل کرنے کے لئے انھیں کچی عمر میں اسکوں سے اٹھا لیتے ہیں۔ اس طرح اعلیٰ تعلیم میں ان کی شرکت کم سے کم ہوجاتی ہے۔

تعلیم کا نظام ایسا ہوگیا ہے کہ بچوں کو گھر پر بہت کام کرنا پڑتا ہے۔ انھیں روز ہوم ورک دیا جاتا ہے۔ جن بچوں کی مائیں پڑھی لکھی ہیں، وہ ان کے ہوم ورک میں مدد کرتی ہیں، ان کی نصابی مشکلات کو دور کرتی ہیں اور انھیں باخبری کی نشوونما پرور فضا فراہم کردیتی ہیں۔

لڑکیوں کی تعلیم کی طرف سے جو غفلت ہم نے برتی اس کے تباہ کن نتائج ہم آج تک بھگت

رہے ہیں۔ لڑکیوں کو صرف مذہبی یا صرف ابتدائی تعلیم دلانے سے کام نہیں چلے گا، انھیں اعلیٰ تعلیم دلانا دو اسباب سے بہت ضروری ہے:

۱۔ بالاخر بچوں کی اچھی تربیت کے لئے۔

۲۔ روزگار حاصل کرنے کے لئے تاکہ وہ مردوں کی دست نگر نہ رہیں اور اگر ان کی کفالت کرنے والے مرد یعنی باپ اور شوہر رحلت کرجاتے ہیں تو وہ اپنی تعلیم کی بدولت کماسکیں اور خود کفیل ہوسکیں۔

سوال۔ بیسویں صدی کی اصلاحات سے قبل ہندوستانی سماج میں بھی عورت کی پوزیشن بہت اچھی نہیں تھی۔ یہ ظلم وستم کا نشانہ بنی رہتی تھی اور شوہر کی موت کے بعد اسے جینے کا حق بھی حاصل نہیں تھا۔ کیا ہندوستان کی مسلم خواتین بھی یہاں کے ماحول اور رسم و رواج سے متاثر ہوئیں؟ اگر ہاں! تو کس حد تک؟ کیا اس سلسلہ میں کچھ عملی اقدامات کی ضرورت ہے؟ اپنے قیمتی تجربات کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

جواب۔ بیواؤں کا عقد ان اصلاحات میں سے ہے جو اسلام کے زیرِ اثر ہندوؤں کے یہاں عمل میں لایا گیا۔ مسلمانوں نے یہاں آکر عورتوں کے تئیں اپنے برتاؤ سے معاشرہ کو متاثر ہی نہیں کیا، بلکہ بعض معاملات میں اضافہ بھی کردیا۔ پردے نے بڑی شدت اختیار کی۔ اس کا اثر صحت اور باخبری اور تعلیم سب پر پڑا۔ بعض ظالم مردوں نے بہ یک وقت کئی کئی شادیاں کیں، جس نے ان کی خانگی زندگی کو بہت پیچیدہ بنادیا، اور بچوں کو صحیح اور صحتمند تعلیم اور تربیت سے محروم کردیا۔ اس سے بڑا ظلم یہ ہوا کہ بہت سے جاہل اور خودغرض مردوں نے ایک نشست میں طلاق کے مکروہ اور دلشکن اور خانہ برباد لفظ کو غصہ یا نخوت کے عالم میں تین بار ادا کرکے اپنی شریکِ حیات کو گھر سے نکال باہر کردیا۔ نتیجہ ان ساری حرکتوں کا یہ ہوا کہ مسلمان عورتیں خود داری، خود اعتمادی، وقار اور اعتبار اور حیثیت اور آگہی اور علم کے اعتبار سے اپنی اہلِ وطن سے بالعموم پیچھے رہ گئیں۔ ان کی اصلاح کے لئے ضرورت ہے ایک تعلیمی جہاد اور ایک معاشرتی انقلاب کی۔

سوال۔ اسلام میں والدین کی اطاعت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اور قرآن کریم میں یہاں تک کہا گیا ہے کہ جب وہ ضعیف ہوجائیں تو ان کی باتوں پر اُف تک نہ کہو اور بالعموم یہ نظر یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ، زیرِ قدم والدہ فردوسِ بریں ہے لیکن عام طور پر ہندوستان کے مسلم گھرانوں میں اس پر عمل

پیرائی کم نظر آتی ہے اس کے اسباب کیا ہیں اور انھیں کیسے دور کیا جاسکتا ہے؟

جواب۔ ہماری بہت سی برائیاں تعلیم کی کمی کے بطن سے پیدا ہوئی ہیں۔ تعلیم کی ہمزاد تربیت ہے۔ والدین کو چاہئے کہ شروع سے ہی بچوں کی تربیت پر زور دیں اور زندگی کی بنیادی قدروں کو، جس میں سے ایک بزرگوں کی عزت اور والدین کی خدمت ہے، ان کی رگ و پے میں پیوست کردیں۔ لڑکیوں کی تربیت اس ضمن میں زیادہ اہمیت اختیار کرلیتی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ یہی لڑکیاں جب بہوئیں بن کر جاتی ہیں تو وہ اپنے شوہر کے والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتیں اور اپنی سسرال کو مغایرت اور کبھی کبھی حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ ہماری معیشت اُس لعنت کے نیچے کراہ رہی ہے جسے نیوکلیر فیملی کہتے ہیں یعنی میاں بیوی اور ایک یا دو بچے۔ آج مشترک خاندان کا تصور بے دم اور بے جان ہوکر رہ گیا ہے۔ ہر طرف خودغرضی اور اقربا فراموشی اور بعض جگہ والدین بے زاری کا بول بالا ہے۔ صارفیت اور مادیت نے آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اور زندگی کی اچھی قدریں جن کے بوتے پر تہذیب نے ترقی کی ہے، آنکھوں سے اوجھل ہوگئی ہیں۔ نظام تعلیم میں قدروں کو کلیدی جگہ ملنی چاہئے۔

سوال۔ رسول اکرمؐ کے اقوال و احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ماں باپ کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے، جیسا کہ روایتوں میں ہے کہ ایک بار کسی شخص نے آپ سے سوال کیا کہ ہماری خدمتوں اور محبتوں کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ نے جواب دیا ''تمہاری ماں'' اس نے پھر سوال کیا ''اور اس کے بعد؟'' آپ نے پھر وہی فرمایا ''تمہاری ماں'' اس شخص نے پھر وہی سوال کیا۔ ''اور اس کے بعد، آپ نے پھر وہی فرمایا ''تمہاری ماں''۔ چوتھی بار جب اس شخص نے وہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا ''تمہارے والد''۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں عورت کو کس درجہ فضیلت عطا کی گئی ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود الزام لگایا جاتا ہے کہ اسلام میں عورت کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا گیا۔ اس کے اسباب کیا ہیں اور ان کا تدارک کیسے کیا جائے؟

جواب۔ فتنہ وہیں سر اُٹھاتا ہے جب ہم اسلام اور مسلمان میں امتیاز نہیں کرتے۔ ماں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے اور بیٹی کی صحیح پرورش اور اس کی شادی کردینے کا بڑا اجر ہے۔ جائے عبرت ہے کہ مسلمان مرد بعض اوقات عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے۔ عورتوں کے حق میں رائے عامہ قائم کرنا چاہئے۔ وراثت میں ان کا حق برابر دینا چاہئے۔ طلاق با ثلاثہ کو متروک سمجھنا چاہئے۔ عورتوں کی تعلیم کی

طرف پوری توجہ مطلوب ہے۔ تعلیم کے علاوہ انھیں ہنر کی تربیت بھی دیجئے تا کہ وہ خودکفیل ہوسکیں اور مردوں کی دست نگر نہ رہیں۔ تاریخ کا بہت بڑا المیہ یہ ہے کہ اسلام نے ہی مذاہب عالم میں سب سے پہلے عورتوں کو حقوق دیئے اور اسلام کے مردوں نے آہستہ آہستہ مقامی ماحول سے متاثر ہو کر ان حقوق سے عورتوں کو محروم کردیا۔ یہ افسوس ناک صورتحال ہے۔

سوال۔ موجودہ دنیا پردہ کو عورتوں کی آزادی و ترقی میں ایک بڑی رکاوٹ سمجھتی ہے حالانکہ ایران کا اسلامی انقلاب اور وہاں کی موجودہ صورتحال دونوں اس امر کی نفی کرتے ہیں کیونکہ وہاں زندگی کے مختلف شعبوں میں خواتین حجاب میں رہتے ہوئے بھی، مشغول کار نظر آتی ہیں۔ موجودہ ہندوستانی سماج میں مسلمان عورتیں کس طرح تعلیم کے میدان اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں آگے بڑھیں، یہ ایک بڑا چیلنج ہے کیونکہ نئی عمر کے بچے اور بچیاں نشیب و فراز اور عوامل و عواقب سے واقف نہیں ہوتے، وہ وہی کرنا چاہتے ہیں جو اُن کے گردوپیش ہورہا ہے۔

ایسی نازک اور پیچیدہ صورتحال میں خاصکر لڑکیوں کی تعلیم و تربیت ایک دشوار مرحلہ بن گئی ہے۔ ان حالات کا مقابلہ کس طرح کیا جائے؟

جواب۔ ہندوستان میں ہم نے پردہ کی شدت میں بڑا اضافہ کردیا اور اس کے ذریعہ ذہنوں اور پیروں میں بیڑیاں ڈال دیں۔ اس طرح عورتیں صحت اور باخبری اور سوجھ بوجھ سے محروم ہوگئیں۔

ایران کی طرح ملیشیا میں بھی خواتین بیشتر حجاب کے ساتھ دفاتر میں کام کرتی ہیں۔ ہندوستان میں عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کا مسئلہ زیادہ سنگین ہے۔ بدقسمتی سے یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مسلمان لڑکے تعلیم سے غلفت برت رہے ہیں۔ مسلمان لڑکیاں جب تعلیم حاصل کرنے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جاتی ہیں تو انھیں مخلوط تعلیم کے خطرات اور ترغیبات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور اس سے بدتر یہ بات کہ وہ غیر مسلم لڑکوں کی جو بڑی تعداد میں نظر آتے ہیں، ذہانت اور حیثیت اور امکانات دیکھتے ہوئے، کشش محسوس کرنے لگتی ہیں اور بسا اوقات ہم اپنی لڑکیوں کو اس طرح کھو بیٹھتے ہیں۔ ہمارے یہاں اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکیاں یوں بھی کم ہیں۔ اس پر ستم یہ ہے کہ وہ بھی اغیار کے ہاتھوں میں چلی جائیں۔ صورتحال سے عہدہ برآں ہونے کے لئے دو طریق کار ذہن میں آتے ہیں: ہم اپنی بچیوں کو اپنے گھروں میں دین کی بنیادی تعلیم سے بہرور کردیں تا کہ وہ سمجھنے لگیں کہ غیر مسلموں سے شادی بہت بڑا

گناہ ہے اور یہ بھی کہ اسلام اور ایمان ہمارا سب سے بڑا اثاثہ ہے۔ دوسرے ہم اپنے لڑکوں کو آرام طلبی، جہالت، غفلت اور نکھٹو پن سے بچائیں تاکہ ہماری لڑکیوں کو خود ان کی قوم میں اچھے اور خاطر خواہ برمل سکیں اس طرح کہ جس جماعت میں وہ پڑھ رہی ہیں اس میں اچھے مسلمان لڑکے معقول تعداد میں ہوں۔

مسلمان والدین کو یہ احساس بار بار دلانا چاہئے کہ اپنے بچوں اور بچیوں کی دینی اور اخلاقی تربیت دینا ان کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔ بچپن میں ہی دینی اور اخلاقی اقدار کو ان کے ذہن میں پیوست کر دینا چاہئے تاکہ وہ اسلام اور کمتر راست روی اور گمراہی، حیاء اور بے حیائی میں امتیاز کر سکیں۔

خواتین کے ساتھ ناروا امتیازات (CEDAW) کے انسداد کی تجویز☆

طوبیٰ کرمانی

موضوع

قرارداد کی ماہیت، اس کے اصل اور ان عناصر پر بحث جو مختلف موجودہ معاشروں کے فطری اور ثقافتی اقدار کے خلاف ہیں۔

خلاصہ

قرارداد برائے انسداد ناروائی زنان بہ ہر جہت کو عالمی قراردادوں میں ایک نہایت ہی اہم مقام حاصل ہے۔ اس قرارداد نے اپنی اساس صنف نازک سے متعلق اپنے اصل اصول، اسی سے متعلق اپنی بصیرت اور مردوں اور عورتوں میں بلا کسی فرق کے برابری کے اصول پر رکھی ہے۔

اس قرارداد کی دفعہ ا۔کی رو سے موجودہ قانونی نظام، تعلیم و معاشرہ میں موجود عورتوں کے خلاف کسی طرح کی ناروائی کو ان کے حقوق کی خلاف ورزی کے تحت شمار کیا جائے گا۔ مغربی تہذیب اپنے اس اصول پر زور دیتی ہے کہ مرد اور عورت دونوں (ایک ہی طرح کی) مخلوق ہیں، حالانکہ اس کے ساتھ وہ اس بات کو اپنے دائرہ تصور میں نہیں لاتی ہے کہ انسان، مرد و عورت، کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ اس کے ساتھ موجودہ قرارداد جس کے عناصر مغربی تہذیب کے عناصر سے اخذ کئے گئے ہیں جیسے کہ انفرادیت کا اصول، آزادی اور انفرادی حقوق، اس بات پر توجہ نہیں دیتی ہے کہ انسان کی زندگی کے حدود اس کے اخلاقی اقدار اور سماجی مقاصد سے بھی وابستہ ہیں۔ یہ قرارداد ہر معاشرہ کو سب کے حقوق اور ان کی آزادی کی حفاظت بغیر کسی طرح کے جنسی فرق کے تصور کے، کرنے کی تلقین کرتی ہے۔ اسی طرح یہ قرارداد عورتوں کے دائرہ عمل پر انکے جنسی فرق کے باوجود کسی بھی طرح کی روک لگانے کی بھی مخالف ہے۔ ان ہی حقائق کی روشنی میں اس مقالہ میں پہلے اس قرارداد کے

☆ Convention on the Elimination of all Forms of Discrimination against Women

تکمیلی مرحلوں اور پھر انکے اصولوں اور اس کے بعد اس کو منظیق کرنے اور اس کو منظوری دینے، اسے اپنانے اور اس کی دفعات کو لاگو کرنے کے نتیجہ میں عائد ہونیوالی ذمہ داریوں کا تجزیہ کیا جائے گا۔

اہم اصطلاحات

قرارداد (Convention) ناروائی (بھید بھاؤ) (Discrimination) عدم توافق (Discord)

مساوات (Equality) یکسانیت (Uniformity) خاندان (Family)

تاریخ کی نظر سے توضیح

بیسویں صدی کے اوائل تک مختلف مغربی نظاموں نے عورتوں کے حقوق پر کوئی توجہ نہ دی تھی۔ ۱۹۱۸ میں انگلستان میں اور ۱۹۲۰ میں امریکہ میں پہلی بار عورتوں کو حق رائے دہندگی اور انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت دی گئی۔ اور اس کے بعد ۱۹۴۸ میں عالمی اعلامیہ برائے انسانی حقوق نے پہلی بار مرد اور عورتوں کے لئے مساوی حقوق کی بات کی۔ پھر نومبر ۱۹۶۷ میں اقوام متحدہ کے ہائی کمیشن نے عورتوں کے خلاف ہر طرح کی ناروائی (بھید بھاؤ) کے انسداد کی قرارداد کے اعلامیہ کی توثیق کی جس میں پیش گفتار (Preamble) کے علاوہ ۱۱ دفعات شامل ہیں۔

یہاں دو اصطلاحات، قرارداد (Convention) اور ناروائی (بھید بھاؤ) (Discrimination) کی مختصر تشریح کرنا ضروری ہے۔

قرارداد (Convention) سے ایک عالمی معاہدہ مراد ہے جس پر دو یا اس سے زائد ممالک نے دستخط کئے ہوں۔ اس طرح کے معاہدے یا تو عالمی حقوق سے متعلق عام اصولوں سے وابستہ ہوتے ہیں یا پھر یہ عالمی روابط سے وابستہ مخصوص معاملات سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس طرح کے معاہدوں کو بیان کرنے کے لئے قرار داد (Convention) کے علاوہ تطبیق (Accord) یا معاہدہ (Agreement) کے الفاظ بھی مستعمل ہیں۔ ناروائی کے تصریحی مطلب بیان کرنے کے لئے جیسا کہ قرارداد میں اس کو مندرج کیا جاتا ہے، نہ یہ کہ صرف ناروائی (بھید بھاؤ) اور صریحی تفاوت کو کالعدم قرار دینے پر زور دیا جاتا ہے بلکہ تمام تر برابری کے اصولوں کے تحت مرد اور عورتوں کے عام طرز معاشرت کی اس طرح حمایت کی جاتی ہے کہ ان میں ہر طرح کے قدرتی اور بیالوژیکی تفاوت کی اندیکھی ہوتی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ یہ قرارداد مرد و عورت میں کسی طرح کے فرق اور امتیازی

خصوصیات کے، جن کی وجہ سے سماجی کارکردگی، ان کی ذمہ داریوں اور حقوق پر اثر پڑتا ہو، قائل نہیں ہے۔ قرارداد کی دفعہ ۱ میں اسی طرح کے معنی و مطالب بیان کئے گئے ہیں۔

اس قرارداد میں بہ نسبت اسی طرح کی دوسری یا اس سے قبل کی قراردادوں کے، ناروائی برھید بھاؤ (Discrimination) کے معنی وسیع تر انداز میں بیان ہوئے ہیں کیونکہ یہ اور باتوں کے علاوہ مواقع کے برابری کے ساتھ (سرکاری اور قانونی طور سے) مہیا کئے جانے اور کام کے (عملاً اور اصلاً) تکمیلہ میں برابری (کے ساتھ سہولتیں مہیا ہونے کو) بھی شامل کرتا ہے۔ دراصل قرارداد میں جس طرح کی مساوات کو بیان کیا گیا ہے، اس کا مفہوم ہے عورتوں اور مردوں کے حقوق میں ہر معاملہ میں برابری۔ میکسیکو (Mexico) میں ۱۹۷۵ میں منعقدہ بین الاقوامی کانفرنس نے پرزور طور پر یہ مانگ کی تھی کہ عورتوں کی منزلت (شناسی) پر ایک کمیٹی کا انعقاد کیا جائے۔ اس کے علاوہ اس کانفرنس نے اقوام متحدہ سے یہ بھی سفارش کی تھی کہ وہ اس قرارداد کو جو اس وقت اپنے تکملہ کے دفتری مراحل میں تھی، نہ یہ کہ منظور کرے اور اس کا اعادہ کرے بلکہ اسے منطبق بھی کرے۔ اس کے بعد ۱۹۷۷ء میں عورتوں کی منزلت (شناس) کمیٹی نے ایک قرارداد کا خاکہ اقوام متحدہ (UNO) کے جنرل کمیشن کو پیش کیا۔ اس طرح CEDAW نے اقوام متحدہ کی توثیق کی منزل دسمبر ۱۹۷۹ میں پار کرلی اور اس کے بعد ۳ر ستمبر ۱۹۸۱ سے اسے منطبق بھی کردیا گیا۔

پچھلے ۲۵ سالوں میں عورتوں کے حقوق کی محافظت کے سلسلہ میں اقوام متحدہ نے مندرجہ ذیل پانچ جلسے منعقد کئے ہیں تاکہ CEDAW سے متعلق مناسب عالمی پالیسی اور اس کو کاربند کرنے کیلئے ایک مؤثر طریقۂ کار (Strategy) کی ترسیم کی جاسکے۔

۱۔ میکسیکوسٹی (Mexico City) کانفرنس، ۱۹۷۵
۲۔ کوپن ہاگن (Copenhagen) کانفرنس ۱۹۸۰
۳۔ نیروبی (Nairobi) کانفرنس ۱۹۸۵
۴۔ بیجنگ (Beijing) کانفرنس، ۱۹۹۴
۵۔ نیویارک (New York) کانفرنس ۲۰۰۰

حالانکہ اس قرارداد (Convention) کو چند شرائط کے ساتھ منظور کرنا ممنوع قرار نہیں دیا گیا ہے، لیکن اس کی دفعہ ۲۸ کی مد ۲ میں یہ بیان موجود ہے کہ ''موجودہ قرارداد کے مقصد اور مطلب کے

برخلاف کسی طرح کی بندش کی قطعاً اجازت نہ ہوگی''۔اس طرح حقیقتاً اس قرارداد کی اصل ماہیت کے خلاف سوچنے کی کسی ملک کو اجازت نہیں ہے، چاہے یہ ان کے ملکی اور ثقافتی اقدار کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، اور اسی طرح نہ شرائط اور بندشوں کی تصریح کی۔ اس وقت تک یورپی اورامریکی ممالک سمیت مندرجہ ذیل ممالک نے اس قرارداد میں شمولیت اختیار کر کے اس کا اعادہ کیا ہے:

۱۔ ۱۷ میں سے ۱۴ مسلم ممالک

۲۔ ۵ ایشیائی مسلم ممالک

۳۔ ۲۱ میں سے ۹ مسلم ممالک

صدا و سیما ایران کے مرکز برائے اسلامی تحقیق کے بموجب یہ قرارداد مذہبی اصولوں سے ۴۰ سے زائد نکات میں اور ایران کے داخلی قانون سے ۷۰ نکات میں تضاد کی حامل ہے۔

ایرانی حکومت کی کمیٹی نے نشاندہی کی ہے کہ دراصل یہ قرارداد ان نکات کے علاوہ بھی، جن کو بیان کیا گیا ہے، اور بہت سے دوسرے نکات میں بھی تضاد کی حامل ہے۔خود اس کی **دفعہ ۱** اسلامی دستور، قانون سزا اور دوسرے قوانین سے ۹۰ نکات میں تضاد کی حامل ہے۔ اسی لئے اسلامی جمہوریہ ایران کے فقیہہ امام خمینی اور دوسرے مراجع نے اس قرارداد میں شمولیت سے منع کیا ہے۔ حالانکہ جن ممالک نے اسے منظور کرلیا ہے، وہ اس کے حق میں متعدد باتیں بیان کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس قرارداد کا اعادہ کرکے بین الاقوامی دباؤ اور اتحام سے بچا جاسکتا ہے۔ یہاں یہ بیان کردینا بھی ضروری ہے کہ خود متعدد مغربی خواتین نے اس قرارداد میں کمیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار عورتوں کے مختلف مسائل کو غیر صحتمندانہ طور پر حل کرنے کے طریقۂ کار کی نشاندہی کرکے، کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک دوسرا ثبوت ایک غیر سرکاری امریکی عورتوں کی تنظیم جسے امریکی مدرس آرگنائزیشن (American Mothers Organisation) کہا جاتا ہے، کا وہ مضمون ہے جسے اس نے اپنی ویب سائٹ (شبکہ) (WWW.amiracan mothers.org/CEDAW.hotmail) پر نشر کیا ہے۔ ان کے اعتراضات کا ایک حصہ اس طرح ہے کہ ''امریکیوں کو آگاہ ہوجانا چاہئے کہ ماں بننے، مذہب اور ملکی سالمیت پر خطرہ خود ان کے گھروں تک آن پہنچا ہے''۔

اب اس قرارداد کی مخالفت میں بیان کئے گئے اہم نکات کو واضح کیا جائے گا اور پھر کنونشن کمیٹی کی رپورٹ میں سے اقتباسات اور ان کی گواہی اور قرارداد کو نہ اپنانے کے وجوہات ثبوت کے طور پر

پیش کئے جائیں گے۔

۱۔سیاسی ماہرین کا خیال ہے کہ یہ قرارداد (دراصل) ان ممالک پر حکمرانی کے مانند ہوگی، جو اس پر دستخط کریں گے۔ عام طور پر ممالک کسی بھی قرارداد میں شمولیت سے اس وقت تک بچتے ہیں جب تک اس میں شمولیت کی وجہ سے واضح طور پر فوائد نظر نہ آئیں۔

۲۔ یہ قرارداد علاقائی، ثقافتی اور مذہبی فرق کوملحوظ خاطرنہیں رکھتی اور یہ کہ یہ قرارداد مرتب شدہ اپنے رہنما فلسفہ کو دوسری ثقافتوں پر، اسے ایک اعلیٰ نمونہ بتا کر،تھوپنا چاہتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں نہ یہ کہ اس قرارداد کے مضامین ایک (غیر مشروط) عالمی ہم آہنگی پیش کرتے ہیں، جوخود اب مائل بہ تنزل ہے یعنی صنفِ نازک کی روش (دراصل دوسری پیڑھی کی صنف نازک کی روش) جوموجودہ دور میں خود صنف نازک کے طرفداروں کے ہاتھوں نشانہ پر ہے۔

۳۔ اس قرارداد کے توسط سے عورتوں کے سماجی حقوق کو بہتر بنانے میں خود مقامی توقعات اور آداب و رسوم کو اس قرارداد کے مقاصد اور آرزوؤں کے حاشیہ پر لاکر کھڑا کردینے کے مترادف ہوگا۔ مثال کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ''اگر کسی ملک میں خاندان کی اکائی کو مضبوط بنانا اولین مقصد کا حامل ہوتو دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ یہ اولیت قرارداد کے حاکمانہ جذبہ یعنی جنسی رول کو کالعدم قرار دینے سے ٹکرائے گا''

۴۔ اس قرارداد میں بہت سی ایسی متضاد باتیں ہیں کہ جن کی روک تھام کے لئے کسی مشینری کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے مثلاً ایک طرف تو خاندان کی اہمیت پر زور دیا جائے اور دوسری طرف ایک جوڑے کے مابین قانونی حقوق کو کالعدم قرار دے دیا جائے۔ اس طرح تضاد کی یہ ایک واضح مثال ہے۔

۵۔ اس قرارداد کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ بہ اعتبار جنسیت اقدامات اور علامات کو کالعدم قرار دیا جائے۔ جب ہم اس بات کو حقوق اور مختلف ممالک کے قانون پر منطبق کرتے ہیں تو ابہام سے دوچار ہوجاتے ہیں۔ مثلاً یہ واضح نہیں ہوتا ہے کہ کیا بیوی کو نفقہ دینا یا اس کا مہر ادا کرنا جنسی اقدام کے مترادف ہے؟ اس سوال کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرارداد کی موثر روح کا مطلب دراصل عورتوں کے خلاف ناروائی ربھید بھاؤ کو ختم کرنے سے وابستہ ہے، جس کا ٹکراؤ عورتوں کو خاص

مراعات دینے سے نہیں ہے۔ اس بیان کے ذیل میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ

الف۔ خاص مراعات کے عوض میں کسی خاص ذمہ داری کو نبھائے بغیر سماجی اداروں کے اعتدال کو درہم برہم کر دیتا ہے۔

ب۔ ایک اور اہم سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ کون سی باتیں ہیں جو ناروائی رسید بھاؤ میں شامل ہیں؟ اور وہ کون سی باتیں ہیں جو ان میں شامل نہیں ہیں؟ کیونکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر ظاہری طور پر عورتوں کے حقوق مردوں کے حقوق کے مقابلہ میں کسی قانون کی رو سے زیادہ احترام کے قابل تھے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دوسروں کے حقوق کو چھین لیا گیا۔ اس طرح یہ واضح طور پر ناروائی رسید بھاؤ کا معاملہ قرار پاتا ہے۔ لیکن اگر اس صورت سے (حقوق کو کم کرنے کے ساتھ ساتھ) ذمہ داریوں کو بھی اسی تعداد میں کم کر دیا جائے تو اس طرح دونوں (مرد و عورت) کے مرتبہ میں توازن کو قائم رکھا جا سکتا ہے۔

۶۔ قرارداد کا ایک مقصد جنسیت کے علامات کو بھی مٹانا ہے اور یہ مقصد اساس جنس اور جنسیت (Gender) میں فرق پر مبنی ہے، جو یہ واضح کرتے ہیں کہ جنس اپنے بایولوجی معنی کا حامل ہے جبکہ جنسیت سے مراد سماجی طور سے تکمیل شدہ عورتوں اور مردوں کے خصوصیات اور طرز معاشرت سے ہے۔ جنسیت سے پیدا ہونے والے فرق کو بدلا جا سکتا ہے۔ ظلم اور ناروائی رسید بھاؤ جو سماجی ہیئت اور طرز معاشرت سے پیدا ہوتے ہیں، عورتوں کی جمعیت پر بھی توڑے جاتے ہیں۔

نسائیت (Feminism) کی دوسری پیڑھی عام طور سے مندرجہ ذیل دعویٰ پیش کرتی ہے:

اول۔ جنس (Sex) اور جنسیت (Gender) میں فرق کو واضح کرنا۔

دوم۔ اس پر زور دینا کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے متعلق نہیں ہیں لیکن جب جنس اور جنسیت کو علیحدہ کرنے، اور یہ کہ یہ ایک دوسرے سے ملحق نہیں ہیں، کا سوال اٹھتا ہے تو یہ ہرگز ناقابل قبول نہیں ہے کہ عورتوں کی فطرت اور ان کے سماجی دائرہ کار میں کوئی وابستگی نہیں ہے۔

۷۔ قرارداد کا سب سے اہم جز یہ ہے کہ مجموعی طور پر اس کی مرکزیت حقوق کے نکتہ پر مبنی ہے اور یہ کہ وہ حقوق کے سوال کو اہمیت دیتی ہے، یہاں تک کہ مذہبی، اخلاقی اور ثقافتی عناصر کی اندیکھی بھی کرتے ہوئے نظر آتی ہے۔ اس کا یہ عنصر دراصل جدیدیت Modernity کی سطح پر مغربی سماجی اقدار سے جڑا ہوا ہے۔ مثال

کے طور پر قرارداد میں جسم فروشی اور ہم جنسی کے متعلق کسی طرح کے موقف کو بیان نہیں کیا گیا ہے۔

۸۔ قرارداد پر نظر ڈالنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے بیشتر حصوں میں حق اور ذمہ داری میں قانونی ارتباط کا بیان مفقود ہے، اور یہ کہ یہ قرارداد 'حق' کو 'ذمہ داری' پر فوقیت عطا کرتی ہے۔ اس طرح یہ اسلامی برادری اور تیسری دنیا کے لوگوں کو گمراہ کرنے کی ایک سازش ہے، ورنہ اس کے کیا معنی ہیں، جبکہ خود مغربی معاشروں میں 'ذمہ داری' کی 'حقوق' پر فوقیت کی بات موجود ہے۔

۹۔ سیکولرزم اور کھلی آزادی (Liberal Freedom) قرارداد کے نظریاتی اساس میں شامل ہیں۔ انھیں کی وجہ سے وہ غلط اور ہم جنسوں میں غلط قسم کے تعلقات، ہم جنسی، جسم فروشی (عورت کی رضامندی سے) اور عورتوں کے بازاری استحصال کو جو اشتہارات کی صورت میں رونما ہوتا ہے، برائی نہیں تصور کرتی ہے۔ جبکہ وہ (قرارداد) دوسرے مذہب والوں کے ساتھ شادی کرنے کی ممانعت، اسقاط حمل کی مخالفت کے لئے اور عورت کے شہریت حاصل کرنے کی غرض اس کے شوہر کے ساتھ منسلک کرنے کی مذمت کرتی ہے اور انھیں رد کرتی ہے۔

۱۰۔ مندرجہ بالا تنقیدوں کے علاوہ، اور قرارداد کے نظریاتی اساس کے مسائل سے قطع نظر، ایک نکتہ اور بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ قرارداد میں موجود مضامین اور ایران کے داخلی قانون کے مابین تضاد ہے، جن پر قرارداد کو قبول کرنے سے قبل غور وخوص کرنا اشد ضروری ہے۔

۱۱۔ بہرحال اسلامی جمہوریہ ایران اس قرارداد سے اپنی وابستگی دو صورتوں میں کرسکتا ہے:

الف۔ اس اعلامیہ اور شرط کے ساتھ کہ قرارداد کی دفعات کو اُس وقت تک اور وہیں تک لاگو کیا جاسکتا ہے جب تک اور جب تک وہ پاک مذہب کے اصولوں سے نہ ٹکرائیں۔

ب۔ قرارداد کو یہ کہہ کر منظور کرنا کہ وہ شرائط کے تابع رہے گی، حالانکہ یہاں پر یہ بھی کہہ دینا مناسب ہوگا کہ اس صورت میں بے شمار شرائط کا سامنا کرنا پڑے گا، کیونکہ قرارداد کے بیشتر مواد میں تضاد کی صورت موجود ہے۔

لیکن اس طرح مندرجہ ذیل مسائل ابھر کر سامنے آئیں گے:

۱۔ قرارداد کی دفعہ ۲۸ کی رو سے بیان کی گئی مندرجہ بالا دونوں شرائط قرارداد کے رہنما اصولوں کی روشنی میں قابل قبول نہ ہوں گی۔

۲۔ جیسے کہ CEDAW کی مدیری کمیٹی آج کل اس تجویز پر غور کر رہی ہے کہ (قرارداد میں شامل ہونے کے لئے) تمام شرائط کو کالعدم قرار دے دیا جائے۔

۳۔ CEDAW کی مدیرتی کمیٹی نے ابھی تک تمام شرائط کو کالعدم قرار نہیں دیا ہے، مگر چند ممبر ممالک نے قرارداد کی ان شرائط پر اعتراض کرنا شروع کر دیا ہے خاص کر مندرجہ بالا دو شرائط پر، اور ہر اس ملک پر جو احتیاط کا اظہار کرتا اور شرائط لگاتا ہے۔

۱۲۔ قرارداد اپنی وقعت کھو بیٹھی ہے کیونکہ اسکے وجود کے بیس سال بعد بھی وہ تمام ممالک جنھوں نے اسے اپنایا ہے، یہ اعلان کرنے سے قاصر ہیں کہ عورتوں کے خلاف ان میں کسی طرح کی ناروائی ظہور پذیر نہیں ہوتی ہے، یہاں تک کہ خود امریکہ بھی جس نے اس قرارداد کو یہ کہہ کر اپنانے سے منع کر دیا کہ اس کے اپنے قوانین اس قرارداد سے کہیں بہتر اور ترقی پذیر ہیں، اور وہاں عورتیں اچھے اور صحیح مقام پر فائز ہیں۔

۱۳۔ اسلامی طور سے حقوق (ذمہ داری کے) تابع ہیں۔ جبکہ قرارداد پر مساوی طرز "یکساں حقوق" کی صورت پیش کرتا ہے۔ (قرارداد کا) یہ وہ طرز ہے کہ اگر اس پر عمل پیرا ہوا جائے تو خاندان کے ڈھانچہ پر ایک ضرب کاری لگتی ہے، تاخیر سے شادی کرنے اور ایک میاں اور بیوی کے منصب سے منھ موڑ کر اوایل عمری ہی میں ناجائز جنسی تعلقات کی صورت ہمارے سامنے آتی ہے۔

۱۴۔ ایک اہم نکتہ جسے اس قرارداد کے واسطہ سے واضح کرنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسی عالمی قرارداد ہے کہ جس کی ہر ہر دفعہ اور اس میں موجود باتوں سے شاید ہی کوئی ملک ہوگا جو اتفاق کرتا ہو۔

اس طرح یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ آخر اس قرارداد کو جس کا اطلاق دنیا کے تمام ممالک پر یکساں طور پر نہیں کیا جاسکتا ہے، عالمی قرارداد کہہ کر لاگو کرنے کی کوشش کیوں کی جاتی ہیں؟ اور یہ دعویٰ کرنا کیسے ممکن ہے کہ بہت جلد اس قرارداد کو ایک عالمی معیار کی صورت میں ماننا لازمی ہوجائے گا!

۱۵۔ اس قرارداد کی ایک بات یہ بھی ہے کہ کچھ بین الاقوامی قراردادوں کی طرح اس میں بھی بنیادی اصطلاحات جیسے ناروائی، جنسی کار وغیرہ موجود ہیں مگر ان الفاظ کو نظریاتی سطح پر واضح نہیں کیا گیا ہے، اس لئے کسی ایسی قرارداد پر، جو مبہم نکات رکھتی ہو، دستخط کرنا ایک جہالت کا کام ہوگا۔ البتہ یہاں پر یہ کہا جاسکتا

ہے کہ ان تصورات کے نظریاتی بیان و وضاحت بین الاقوامی قراردادوں اور مغربی معاشروں کے رہنما اصولوں میں موجود ہیں، لیکن ان کی توضیحات جو ان کے کچھ طرفدار اس قرارداد کو صحیح قرار دینے کے لئے اور اس کی وسعت کو بڑھانے کے لئے کرتے ہیں، جیسے کہ خود قرارداد میں ابہام ہے، صحیح نہیں ہے۔

دستاویزات (Documents)

حالانکہ انسانی حقوق کا بین الاقوامی اعلامیہ (۱۹۴۸) کھل کر خاندان کی تنظیم اور مادریت (Motherhood) کا دفاع (اپنی دفعہ ۵ مد ۳) میں کرتا ہے، مگر اس قرارداد نے اپنے ممبر ممالک کی سرزنش یہ کہہ کر کی ہے:

ایک کمیٹی نے بیلورس (Belarus) کو خط لکھ کر جنس پر مبنی شادیوں کے تسلسل پر اظہار تشویش کیا اور مدر ڈے (یوم مادر) اور مدر پرائز (Mother Prize) پر بھی جن کے انعقاد سے یہ سمجھا جائے گا کہ اقوام متحدہ عورتوں کے روایتی کردار کی ہمت افزائی کر رہا ہے۔ اسکے علاوہ اپنے ایک خط میں کمیٹی نے جمہوریہ Czech میں ان بڑھتے ہوئے اقدامات پر اظہار تشویش کیا کہ جن کی وجہ سے حمل اور مادریت کو بڑھاوا مل رہا ہے۔

حقوق انسانی کے بین الاقوامی اعلامیہ (۱۹۴۸)، اقوام متحدہ کی قرارداد (۱۹۴۵) اور بین الاقوامی قرارداد برائے سماجی اور سیاسی حقوق (۱۹۷۶) میں مذہبی ناروائی کے خلاف یہ موجود ہے کہ نسل، جنس، زبان اور مذہب کا خیال کیئے بغیر سب کو بنیادی حقوق عطا کئے گئے ہیں۔ (دفعات ۱۔۳ قرارداد اقوام متحدہ)

ہر شخص کو خیال، ضمیر اور مذہب کی آزادی کا حق ہے (حقوق انسانی کا عالمی اعلامیہ دفعہ ۲۰)

والدین کی آزادی کی عزت و تکریم تاکہ وہ اپنے اعتقاد کے مطابق (اپنے بچوں کو) مذہبی اور اخلاقی تعلیم دلوا سکیں (مدنی اور سیاسی حقوق کا اعلامیہ دفعات ۴۔۱۸) (International Convention of Civil and Political Rights, Articles 4-18)۔ لاکھوں مرد اور عورتوں کی زندگی میں مذہب، روحانیت اور عقیدہ کے کلیدی رول (کردار) کا سرکاری طور پر اعتراف کیا جاتا ہے (بیجنگ کانفرنس مئی ۱۹۹۸)

مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں ۱۹۸۱ کی قرارداد میں مذہب کے رول پر حملہ اس طرح کیا گیا ہے کہ ''قرارداد کے قطعیت کے ساتھ بیان کا اثر سرقبیلی اداروں جیسے مذہب پر ہوسکتا ہے۔''

''کسی شخص یا ادارہ کے ذریعہ عورتوں کے خلاف کی جانے والی ناروائی کو ختم کرنے کے لئے ہر طرح کے اقدامات کو اپنانا (قرارداد، دفعہ ۲ مد ''ڈ'')

''ہر طرح کے ضروری اقدامات جیسے قانون میں ترمیم کرنا یا کسی قانون، رسم و رواج اور معمولات کو، جن سے عورتوں کے ساتھ ناروائی رونما ہو، منسوخ کرنا (قرارداد، دفعہ ۲ مد ۵)

اپنے ایک خط میں ناروے (Norway) کی حکومت سے کمیٹی نے یہ کہا کہ ''کمیٹی بعض مذہبی گروہوں کو مساوی حقوق کے قانونوں سے باہر قرار دیئے جانے کے خدشہ پر اظہار تشویش کرتی ہے۔ (اور) ناروے کی حکومت سے یہ استدعا کرتی ہے کہ وہ اپنے قوانین اور حقوق میں مساوات کو بروئے کار لانے کے لئے ترمیمات کرے تاکہ مذہب کی بنیاد پر حقوق کے سلب کئے جانے کا سد باب ہو سکے۔'' (قرارداد، ۱۹۹۵، ۱۹۹۸)

اسی طرح اپنے ایک خط میں کمیٹی نے پیرو (Peru) کی حکومت کو یہ لکھ بھیجا کہ ''کمیٹی اپنے اس خدشہ کا اظہار کرتی ہے کہ بعض بیس سال سے کم عمر کی لڑکیوں کو خاطر خواہ تعداد میں کنٹراسیپٹیو (Contraceptive) نہیں مل پا رہے ہیں۔'' (قرارداد ۹۸-۱۹۹۵)

اقوام متحدہ (UNO) کی ۱۹۴۵ کی قرارداد کے ذریعہ قومی حاکمیت کا دفاع یہ کہہ کر کیا گیا کہ ''یو۔این۔او۔ (اقوام متحدہ) کا ادارہ اور اس کے تمام رکن کے حق حاکمیت مساوات کے اصول پر مبنی ہیں۔'' (قرارداد، دفعات ۱ اور ۲ (۷)

قرارداد کا مختلف ممالک میں قومی فرمانروائی پر حملہ

حکومت آئرلینڈ (Ireland) کو ایک خط اس استدعا کے ساتھ کہ وہ جنسی تعلیم پر قائم و دائم رہے، فقط دانشکدہ قانون کے برنامہ درس کی رو سے لازمی طور پر ہی نہیں بلکہ قانونی ماہرین اور ججوں کی مسلسل تعلیم کے حصہ کے طور پر بھی۔

''حکومت جرمنی کو ایک خط میں کمیٹی نے لکھ بھیجا کہ ''کمیٹی اپنی اس تشویش کا اظہار کرتی ہے کہ طوائفوں کو ٹیکس ادا کرنے پر تو مجبور کیا جاتا ہے مگر انھیں قانونی محافظت اور اجتماعی نگہداشت حاصل نہیں ہے۔ کمیٹی حکومت پر یہ ذمہ داری بھی عائد کرتی ہے کہ وہ اپنے قانون، پالیسی اور تعلیمی کتابوں

پر، جنسی ناروائی والے علامات اور اظہارات کو کالعدم قرار دینے کے لئے، نظرثانی کرے تاکہ عورتوں اور لڑکیوں کے ذرائع ابلاغ کی اس ضمن میں ہمت افزائی ہو۔''

''ان ترقی پذیر ممالک میں جہاں قرارداد کی بعض سفارشات کو اب تک بروئے کار نہیں لایا گیا ہے، انھیں عالمی بینک (World Bank) سے قرض حاصل کرنے سے روکنے کے لئے دباؤ بنایا جائے۔'' ان باتوں کے علاوہ عالمی ٹریبونل (International Tribunal) بھی جس کی حال ہی میں تشکیل ہوئی ہے، ملکی سالمیت کے لئے نئے نئے سوال کھڑے کر رہی ہے۔

یہاں یہ خیال رہے کہ قرارداد کی توثیق کرنے یا اس میں شمولیت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ، امریکہ کے لئے قانونی اور دوسرے طریقوں سے دستخط کرنے اور قرارداد میں شمولیت اختیار کرنے والے ممالک کی ملکی سالمیت اور ان کی ثقافت پر سوال کھڑے کرنے کی راہ ہموار ہوجائے گی کیونکہ ان ممالک کو ہر چار سال کے بعد ایک رپورٹ دینا ہوگی جس میں قرارداد کے بروئے کار لائے جانے والے رہنما اصولوں پر کی گئی پابندی کا ذکر کرنا ہوگا۔ یہ کمیٹی دستخط کرنے والے ممالک کو مسئول اور ان کے لئے قرارداد کی پابندی کو لازمی قرار دیتی ہے۔ انہی وجوہات کی بنا پر یہ خدشہ ہے کہ مذکورہ کمیٹی ذاتی اور ثقافتی معاملات میں دباؤ ڈالنے کے ساتھ ساتھ ثقافتی اور سیاسی معاملات میں دخل اندازی بھی کرسکتی ہے۔ سب سے بڑھ کر تو خود اس عالمی ادارہ کا وجود ہے جو داخلی، ثقافتی اور سیاسی معاملات میں دوسرے ممالک پر اپنے کو اور اپنے نظریات کو تھوپ رہی ہے۔

اس نکتہ پر مزید اطلاعات کے لئے اور کمیٹی کے حالیہ مباحث کے لئے ملاحظہ ہو شبکہ (Website) www.unrehrchltbsldo.co.net. - مندرجہ بالا باتوں کے علاوہ قرارداد کے مندرجات کو بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ جن میں شامل ہیں: عصمت فروشی، مادریت، اسقاط حمل، ضمیر کے خلاف احتجاج، لازمی جنسی تعلیم اور کنٹراسیپٹیو (contraceptive) برائے ضبط حمل، تعلیم اطفال، صنف نازک کے مطالبات کی تشہیر، باوجود ازدواج دوسروں سے روابط کی ہمت افزائی، خاندانی معاملات میں دخل اندازی، دستور اور ملکی قوانین میں ترمیم، شرائط اور حالات سے چھٹکارا پانے کے لئے دباؤ بنانا اور حاملہ عورتوں کی امداد اور دیکھ بھال میں کمی کرنا۔

جب ہم اوپر بیان کئے گئے نکات پر اور اس بات پر غور کرتے ہیں کہ ہر اس ملک کو جو اس عالمی

قرارداد میں شمولیت اختیار کرنا چاہتا ہے، اس کی تصویب (Ratification) اصل قانونی فرمانروا کے ہاتھوں کرنا ہوگی، تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ قرارداد میں شامل ہونے والے ملک کو ہر عالمی قرارداد کی طرح اس قرارداد کے اصولوں پر لازمی طور پر کاربند ہونا پڑے گا۔ (یہاں یہ بات بھی بیان کردینا ضروری ہے کہ) یہ شامل شدہ ملک نہ تو قرارداد میں کوئی تبدیلی لا سکتا ہے اور نہ اس میں کوئی اصلاح کرسکتا ہے۔ اس کے علاوہ قرارداد کی دفعہ ۲۸ کی مد ۲ کی رو سے کسی طرح کی کوئی شرط بوقت شمولیت عائد نہیں کی جاسکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح قرارداد پر دستخط کرنے والے ممالک قرارداد کے مندرجات اور اپنے طرز زندگی، روایات، رسم و رواج، مذہب، خاندانی روابط اور ملکی سالمیت کے مابین تصادم میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس قرارداد کے اصول و ضوابط کے مدنظر کیا دنیا کے سو کروڑ سے بھی زیادہ مسلمانوں کو خود اپنی قرارداد (Convention) مرتب کرنے اور خود اپنا اعلامیہ شائع کرنے کا حق حاصل نہیں ہے؟

CEDAW اورحقوق اطفال

فاطمہ بداغی

ہر چند کہ اس زمانہ میں خواتین کے حقوق کی حمایت کوعصری دانشوری کی اہم ترین کسوٹی کا درجہ حاصل ہے، لیکن ایسا لگتا ہے کہ عورتوں کی حمایت اور ان کے حقوق کی بحالی ونگہداشت کے سلسلہ میں جو نعرے بلند کئے جارہے ہیں، ان سے خواتین مخالف اغراض و مقاصد کو پروان چڑھایا جارہا ہے۔

''حقوق خواتین'' کے سلسلہ میں ہونے والے معاہدوں میں، خواتین کے حقوق کی خلاف ورزی اور مخلفانہ راہ و روش کو دور کرنے کے لئے جو کنونشن یا عالمی اجتماع منعقد کیا گیا تھا، وہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اقوام متحدہ کی طرف سے تشکیل شدہ اس کمیٹی کی کارکردگی کا مطالعہ و تجزیہ لازمی ہے، جو خواتین مخالف روش کو ختم کرنے میں سرگرم ہے کیونکہ موجودہ زمانہ میں ہونے والی نت نئی تبدیلی کی مکمل شناخت کے ذریعہ اس بات کو بخوبی واضح کیا جاسکتا ہے کہ موجودہ دور میں اخلاقی فضیلتوں سے دوری اور محض اقتدار و اقتصادی نظام کی خدمت کا چلن ہوگیا ہے۔

یہ اجتماع مختلف النوع ساختاری اور نظریاتی ابہامات کا حامل ہے اور اس کی تفسیر و وضاحت اس کے حقیقی متن سے فاصلہ اختیار کرچکی ہے۔ اسی لئے اس کنونشن سے ملحق ملکوں میں جو عملی نتائج حاصل ہوئے ہیں، وہ بہت مطلوب و پسندیدہ نہیں ہیں۔ اور دنیا کے دیگر ممالک اس کنونشن کے ساتھ الحاق کے سلسلہ میں بہت احتیاط اور شدید اعتراضات سے کام لے رہے ہیں، جن سے اس معاہدہ (Convention) میں اصولی اور تفسیری مسائل و مشکلات کی نشاندہی ہوتی ہے۔ اس مقالہ میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ متن اور تفسیر کے درمیان موجود اختلافات اور ابہامات کا بھرپور تجزیہ پیش کیا جائے اور بالخصوص کنونشن کے اقدامات اور حقوق اطفال کے درمیان جو اختلاف پایا جاتا ہے، اس کو واضح کردیا جائے۔

اجتماع کی نظریاتی اساس

خواتین کے خلاف ناروائی کے خاتمہ کا کنونشن یعنی اجتماع کے تمام مستند کاغذات درحقیقت اعتباری اور قراردادی امور کی حیثیت رکھتے ہیں جیسے کہ انسانی حقوق کا عالمی منشور، بین الاقوامی معاہدات، جدید

بین الاقوامی اقتصادی نظام وغیرہ۔ لیکن اس کنونشن کی فلسفیانہ نظریاتی بنیادیں مبہم ہیں اور ان کی مکمل وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے یہ ممکن ہے کہ عورتوں کے خلاف ناروائی کو دور کرنے کے لئے جو کمیٹی تشکیل دی گئی ہے ان کے اراکین کے افکار و عقائد اس کنونشن پر اثر انداز ہوسکیں اور ان کی تفسیر و وضاحت میں افراط وتفریط سے بچا جاسکے۔ اگرچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کنونشن بنیادی طور پر انسان دوستی اور آزادی پسند جیسے بنیادی اصولوں پر قائم ہے لیکن مذہب معنویت اور نسوانی تحریکوں سے وابستگی کے سلسلہ میں آج بھی شک و تردید موجود ہے اور ان نظریاتی اصولوں کے سلسلہ میں کنونشن کا موقف غیر مذہبی اور حقیقت سے کم آگاہی کی علامت بھی ہے۔

مبہم اور غیر واضح موضوعات

موجودہ زمانہ میں خواتین ایسے مختلف النوع مسائل و مشکلات کا سامنا کر رہی ہیں جن کے بارے میں اس کنونشن نے عمداً یا اپنی غفلت و نادانی کی وجہ سے کوئی واضح موقف اختیار نہیں کیا ہے۔ بالخصوص مندرجہ ذیل باتوں پر لگائی گئی پابندی کی توجیہ سے بھی پرہیز کیا گیا ہے۔ مثلاً:

شادی سے قبل یا ازدواجی مراحل کو طے کئے بغیر ناجائز جنسی روابط اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچوں کے سلسلہ میں کچھ بھی نہیں کہا گیا ہے۔

علم نفسیات و حیاتیات کے بموجب عورتوں کی علیحدہ شناخت پر مبنی ان کے فطری حق کی حفاظت اور ہم جنس بازی پر بھی کوئی توجہ نہیں دی گئی ہے۔

فحش گری وجسم فروشی کے بارے میں بھی مکمل خاموشی اور بے اعتنائی سے کام لیا گیا ہے۔ اقتصادی رقابتوں اور تجارتی پروپیگنڈوں کے لئے عورتوں اور لڑکیوں کے استعمال کے بارے میں نیز مقبوضہ خواتین پر سامراجی طاقتوں کے مظالم کے سلسلہ میں بھی اس کنونشن میں کچھ نہیں کہا گیا ہے۔ غیر قانونی تجارت یا اسمگلنگ سے جڑی ہوئی خواتین کی گرفتاری کے سلسلہ میں جو حکومت کی خفیہ اعلانیہ حمایت کی حامل ہیں، ممبر ملکوں اور حکومتوں کی طرف سے کئے گئے اقدام کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔

اسی طرح اس کنونشن نے ان مشترک الفاظ اور اصطلاحات سے استفادہ کیا ہے جن سے مختلف معنی ومفہوم مراد لئے جاسکتے ہیں۔ بعنوان مثال

انسان کے بنیادی حقوق (Fundamental Human Rights)

خانوادہ کی فلاح و بہبود یا عالمی رفاہ (Welfare of Family or Welfare of the World) اور عالمی صلح۔ (International Peace)

مختلف فلسفیانہ مکاتب فکر اور اصول ونظریات کی بنیاد پر مذکور بالا الفاظ کی مختلف وضاحتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

درحقیقت لفظ ''ناروائی'' (Discrimination) کو اس عالمی منشور میں متعدد مقامات پر استعمال کیا گیا ہے اور اس لفظ مساوات اور عدالت یعنی (Equality and Justice) کی ضد کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، جبکہ عدالت اور مساوات کا مفہوم اکثر جگہوں پر اس مطابقت کا حامل نہیں ہے مثلاً برابر کام نہ کرنے والوں کو برابر مزدوری کی ادائیگی عدل و انصاف پر مبنی عمل نہیں ہے اگرچہ برابری موجود ہے صرف دونوں کے کام کرنے کی طاقت میں برابری نہیں پائی جاتی ہے۔ درحقیقت اس عالمی منشور کے بنیادی ابہامات میں مساوات اور عدالت کا استعمال ہم معنی لفظ کی حیثیت سے کیا جاتا ہے۔ اگر حقدار کے حق کو اس تک پہنچانا مقصود ہے، تو ٹھیک ہے۔ لیکن استعداد اور ظرفیت کے درمیان مساوات اور برابری کے ساتھ ہی ساتھ انسانی اختلافات کی موجودگی مناسب اور پسندیدہ ہرگز نہ ہوگی۔ عورتوں اور مردوں کے درمیان مساوات اور برابری آخری اہم مقصد نہیں ہے، بلکہ یہ بات مرد کی محورانہ عقل وسمجھ اور دانش وبینش ہی سے وابستہ ہے جس کی تمام تر کوششوں کا مقصد سماجی معاملات میں عورتوں کو مردوں کے برابر لے جانا ہے۔ بلکہ مردوں اور عورتوں کے درمیان برابری کی تشکیل کا مقصد عورتوں کی جملہ صلاحیتوں میں اضافہ ہے کیونکہ عورتوں کی وسعت و ترقی میں ہی درحقیقت معاشرہ کی تعمیر وترقی مضمر ہے۔ لہٰذا عورتوں کی صلاحیتوں میں اضافہ اور ان کا فروغ لازمی ہے۔

ایسی عورتیں بھی ہوسکتی ہیں جن میں ترقی وفروغ کی صلاحیت مردوں سے زیادہ پائی جاتی ہو۔ ایسی صورت میں عورتوں کا تخلیقی، جسمانی، اخلاقی اور نفسیاتی اعتبار سے مردوں سے مختلف ہونا ذلت و رسوائی کا باعث نہیں ہے اور نہ ہی برابری کی حمایت میں جو نعرہ بلند کیا جارہا ہے اس کی تردید ومخالفت ہوتی ہے۔ اس مکتب فکر کے بموجب مرد وعورت کے درمیان موجود امتیازی فرق، عورتوں کا بنیادی حق ہے۔ اور عورتیں ترقی وکمال حاصل کرنے کے لئے اپنی زنانہ لطافتوں اور ظرافتوں کی تردید کے لئے ہرگز مجبور نہیں ہیں، بلکہ میدان فکروعمل میں مردوں اور عورتوں کے درمیان موجود یہ فرق و امتیاز انھیں مطلوبہ کردار ادا کرنے میں مدد کرتا ہے۔ درحقیقت عورتوں اور مردوں کے درمیان مساوات کا نعرہ کافی

پرانا اور ناکام ہو چکا ہے اور موجودہ صدی میں عورتوں کے احساس رضایت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا ہے۔ لیکن اپنی خود اعتمادی، خود انحصاری، ذاتی استعداد کی افزائش، سماجی خدمات کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ اپنی زنانہ قدروں کی حفاظت کرتے ہوئے عصر حاضر کی عورتوں کو احساس سعادت سے مالا مال کرسکتی ہیں۔

اسی طرح جدید اقتصادی نظام (New Economic Order) اور بیرونی تسلط اور مداخلت (Interference and Foreign Occupation) کی تفسیر بھی لازمی معلوم ہوتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا جدید اقتصادی نظام، جو عورتوں کے خلاف ناروائی کے خاتمہ کی زمین ہموار کرنے والا ہے، وہی جدید عالمی نظام ہے جس میں عورتوں کا حصہ کمتر معاشی فوائد کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے؟ موجودہ دنیا میں مردوں کے درمیان مساوات کا جو نعرہ بلند کیا جارہا ہے اس کے نتیجہ میں خواتین زیادہ ثروت مند نہیں ہوئیں۔ ھیولٹ نے اپنی کتاب A Lesser Life میں بیان کیا ہے:

طلاق کے عصری قوانین کا مقصد دونوں کے درمیان برابر اور منصفانہ سلوک ہے جبکہ مرد و زن موقعیت اور ظرفیت کے لحاظ سے بچہ کی حمایت کے سلسلہ میں بالعموم برابری کے حامل نہیں ہیں۔ زیادہ تر خواتین، جو پہلے شوہر دار رہی ہیں، اس ذمہ داری کو تحمل کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ جملہ شواہد سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مطلقہ خواتین اور ان کے بچے بڑی خراب حالت میں زندگی بسر کرنے پر مجبور دیکھائی دیتے ہیں، جبکہ مرد بہتر زندگی بسر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

بیرونی مداخلت اور تسلط گرائی کو بھی اس کنونشن میں مردوزن کے درمیان امتیاز کا باعث قرار دیا گیا ہے، جس کو امتیاز دور کرنے والی کمیٹی میں ابھی مباحثہ کے لئے پیش نہیں کیا گیا ہے۔ گذشتہ چند برسوں کے دوران ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ناروائی مخالف کمیٹی نے عراق یا فلسطین جیسی مقبوضہ سرزمین میں عورتوں کے خلاف اپنائے گئے سلوک پر کسی قسم کا اعتراض ظاہر کیا ہو۔ لیکن عملی طور پر کنونشن کے واسطے سے تیسری دنیا کے ملکوں اور ان کی حکومتوں کی حفاظت کے سلسلہ میں سنجیدہ اور قابل ذکر ردعمل ضرور ظاہر کیا ہے۔ کیا کنونشن کا یہ طریقۂ کار، جس میں ممالک کے داخلی قوانین اور آئین کی خلاف ورزی موجود ہے، ایک اعتبار سے بیرونی ممالک کے داخلی امور میں مداخلت اور تسلط طلبی نہیں ہے؟

۲۲ جنوری ۲۰۰۲ کو ناروائی مخالف کمیٹی، فیجی (Fiji) جیسے ملک سے یہ جواب طلب کرتی ہے کہ ۱۹۷۷ میں اس ملک نے جو آئین تیار کیا ہے اس میں عورتوں کے خلاف ناروائی اور ان کے حق

بہداشت کا ذکر کیوں نہیں ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ سلوک ناروائی کو ختم کرنے والے قوانین کی ناموجودگی کی وجہ سے اس ملک پر اعتراض بھی کیا ہے۔

اس کے علاوہ کنونشن کی دوسری وضاحت طلب اصطلاحوں میں 'خواتین کا پیدائشی حق' ہے جو عام طور پر ''حق مادری'' اور ''حق حمل'' کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن حق اسقاط حمل واضح کرنے پر CEDAW نے سیر حاصل بحث کی ہے۔

بعض ایسے مبہم موضوعات جن پر کنونشن نے کوئی توجہ نہیں دی تھی مگر ان کو CEDAW میں ایسے انداز میں واضح کیا ہے کہ وہ اس میں شامل موضوعات و مسائل سے مطابقت نہیں رکھتے ہیں۔

CEDAW کی کارکردگی کا تنقیدی تجزیہ

بعنوان مثال کنونشن کی دفعہ ۶ میں یہ کہا گیا ہے کہ:

اس کنونشن کی رکنیت حامل تمام حکومتیں اپنے ملک میں جسم فروشی کرنے والی عورتوں کے ''غیر قانونی'' حمل ونقل اور ان کے اس دھندہ سے فائدہ اٹھانے والوں کے خلاف قانون بنائیں گی اور ان قوانین کے ذریعہ اس طرح کا کاروبار کرنے کی روک تھام کریں گی۔

کنونشن کی مذکورہ بالا دفعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جسم فروشی ایک مذموم غیر انسانی عمل ہے اور اس کی روک تھام کے لئے لازمی قدم اٹھایا جانا چاہئے۔ CEDAW نے ۳رفروری ۱۹۹۹ کو چین میں عورتوں کی جسم فروشی کے دھندہ کو غیرقانونی قرار دینے پر سخت اعتراض کیا اور اس بات پر زور دیا کہ جسم فروشی میں لگی ہوئی عورتوں کو کوئی سزا نہ دی جانی چاہئے۔

اسی طرح ۲ فروری ۲۰۰۰ کو CEDAW نے جرمنی کی اس حرکت پر سخت اعتراض ظاہر کیا ہے کہ اس ملک کی حکومت جسم فروشی کرنے والی خواتین سے آمدنی ٹیکس تو وصول کرلیتی ہے لیکن ان کے اس کاروبار کو قانونی اور سماجی حمایت حاصل نہیں ہے۔

اسی طرح فریضہ تولید وحمل کی حمایت پر مبنی دفعہ ۱۱ بند E(۱) میں خواتین کے حمل کے سلسلہ میں لازمی وضاحت پیش کی گئی ہے اور دفعہ ۱۲ میں خاندان کی تشکیل وترتیب وتنظیم میں ان کی خدمات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، لیکن اسقاط حمل کے سلسلہ میں خاموشی اختیار کی گئی ہے اور دفعہ ۱۶ بند -I/D کی وضاحت کے ذیل میں نومولود کے حقوق کی حفاظت کو اولیت دی گئی ہے۔ لیکن CEDAW کے

وضاحتی بیان میں ممبر ملکوں سے اسقاط حمل کو قانونی قرار دینے کا مطالبہ بھی کیا گیا ہے۔

اس کمیٹی نے ۳۰ جنوری ۲۰۰۲ء کو حکومت شری لنکا سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ زنا اور مادرزادگی کو جائز اور قانونی تسلیم کرلے۔ اسی طرح اس نے ۲۳ جنوری ۲۰۰۲ کو پرتگال میں اسقاط حمل پر لگائی گئی پابندی پر سخت تنقید کرتے ہوئے یہ مطالبہ کیا کہ اسقاط حمل اور حق مادرزادگی کے سلسلہ میں قومی سطح پر گفتگو کا اہتمام کیا جائے۔

اگرچہ خواتین کنونشن مذہب کے بارے میں بالکل خاموش ہے لیکن CEDAW ۱۹۹۹ء میں آئرلینڈ نامی ملک میں چرچ کے بڑھتے ہوئے سیاسی اثرات پر شدید نکتہ چینی کی۔ اور ۱۹۹۹ میں حکومت چین کی جانب سے کی جانے والی خلاف ورزیوں کے سلسلہ میں اپنی پریشانیوں کا اظہار بھی کیا جس میں اس امر پر اعتراض بھی شامل ہے کہ فرقہ وارانہ امور، یا مذہبی معاملات کو کنونشن کے احاطہ اختیار سے دور رکھا گیا ہے۔

ایک اور نمونہ: کنونشن کے متن اور ناروائی مخالف کمیٹی کے طریقۂ کار میں اختلاف اور تضاد ہے۔ چنانچہ کنونشن نے تو ''ہم جنس بازی'' کی طرف کوئی توجہ نہیں دی ہے اور نہ اس فعل کو قانونی حیثیت دی ہے لیکن کمیٹی نے میکسیکو (Mexico) نامی ملک سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ یہ اطلاع فراہم کرے کہ کیا اس ملک کے قوانین کے بموجب ہم جنس بازی کی کوئی سزا معین کی گئی ہے؟

۲۷ جنوری کو کمیٹی نے قرقزستان سے کہا کہ وہ خواتین کے درمیان ہم جنس بازی کا ایک جنسی میلان کی حیثیت سے دوبارہ تجزیہ کرے اور اس سلسلہ میں جو جرمانہ عائد کیا گیا ہے اسے فوری طور پر ختم کردیا جائے۔ ۲۹ جنوری ۲۰۰۲ کو اس کمیٹی نے ترینیداد (Trinidad) اور توباگو (Tobago) سے مطالبہ کیا کہ حکومت نے عورتوں کے درمیان جنسی روابط کے سلسلہ میں جو سزا اور جرمانہ مقرر کیا ہے اس پر نظرثانی کرے تاکہ مردوں اور عورتوں کے درمیان برتاؤ میں تفاوت کا خاتمہ ہوسکے۔

جسم فروشی اور ہم جنس بازی کے فروغ کے ذریعہ خانوادہ کی تشکیل میں کمی، خانوادہ کے درمیان تزلزل، بچوں کی سلامتی کا خاتمہ اور بچوں کو مستحکم خانوادہ کے وجود سے محروم رکھنا مقصود تھا۔ اور عورتوں کے ساتھ ناروائی کی مخالفت کرنے والی کمیٹی اسی مقصد کو پورا کرنے میں ہم تن سرگرم رہی ہے۔ کنونشن کے بیانات میں ان میلانات کی موجودگی سے اخلاقیات میں غیر معمولی گراوٹ اور زوال کی نشاندہی ہوتی ہے۔

خواتین کنونشن اور حقوق اطفال

سب سے پہلے خواتین کنونشن اور حقوق اطفال کے ذیل میں اسقاط حمل اور اطفال کے حقوق کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے:

ہر جنین کے لئے ''حق زندگی'' اس کی بنیادی اور فطری حقوق کا اہم حصہ ہوا کرتا ہے۔ پھر بھی دنیا کے زیادہ تر ممالک میں محدود درجہ تک اسقاط حمل کو جائز قرار دیا گیا ہے، بشرطیکہ اس ماں کے لئے جان کا خطرہ لاحق ہوگیا ہو یا بچہ معذور اور ناقص پیدا ہونے والا ہو۔ کنونشن نے اسقاط حمل کی مکمل اور مطلق آزادی اس وجہ سے بھی نہیں دی کہ اس عمل کی ترویج کے ذریعہ دنیا کے مختلف ملکوں میں ان کے داخلی قوانین کی خلاف ورزی ہوتی تھی، نیز حقوق اطفال کی حفاظت ونگہداری میں خلاف ورزی یقینی تھی۔ اسلامی ممالک کے ساتھ ہی ساتھ آسٹریلیا، پولینڈ، اٹلی، میکسکو وغیرہ میں بھی اسقاط حمل کو جرم قرار دیا جاتا ہے اور انتہائی خصوصی حالات میں اس کو جائز تسلیم کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف امریکہ، روس، چین، ہنگری، سویڈن اور جاپان جیسے بعض ممالک اسقاط حمل کو جرم قرار نہیں دیتے ہیں۔

لیکن CEDAW ایسے حالات میں بھی دنیا کے اکثر ملکوں کے قوانین کے برخلاف خواتین کے حقوق کی حفاظت وحمایت کے ذیل میں اسقاط حمل کی سفارش کرتے ہوئے اس کے ترویج کی خواہاں ہے۔ ۱۹۹۷ میں اس کمیٹی نے برطانیہ اور آئرلینڈ شمالی کی بھرپور تنقید یہ کہکر کی کہ ۱۹۶۷ء کے قانون کے بموجب غیر معمولی حالات کے علاوہ اسقاطِ حمل آج بھی غیر قانونی عمل ہے۔ ۱۹۹۸ء میں اس کمیٹی نے کرواسی نامی ملک سے اس بات پر اپنی ناراضگی ظاہر کی کہ بعض اسپتالوں میں کام کرنے والے ڈاکٹروں نے اسقاط حمل کی مخالفت کی تھی۔ کمیٹی نے اس سلسلہ میں یہ کہا تھا کہ ڈاکٹروں کی مخالفت سے خواتین کے حق کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

کنونشن کے سایہ میں لڑکوں کی تربیت

کنونشن کی دفعہ ۱۰ میں لڑکوں کی غیر مشروط تعلیم کی بھرپور حمایت کی گئی ہے اور جنسی امتیاز کو دور کرنے کے لئے کنونشن کے دستاویز میں طرح طرح کے پروگراموں کی فراوانی پائی جاتی ہے۔ اس کا لڑکوں پر غیر معمولی منفی اثر مرتب ہوا ہے اور ہزاروں لڑکے غیر معمولی غم وغصہ اور رنج ومصائب سے بھری ہوئی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ دنیا کے مختلف ملکوں سے لڑکوں کے تشدد آمیز اعمال اور تعلیمی پسماندگی

کی خبریں بھی موصول ہورہی ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی انتہا پسند راہ و روش کی وجہ سے لڑکیوں کی تعلیم کی حمایت کے سلسلہ میں جھوٹے بیانات بھی جاری کئے ہیں۔

خانم کرسٹینا ھاف سومز اپنی کتاب "The War against Boys" یعنی لڑکوں کے خلاف جنگ میں لکھا ہے کہ ''امریکی وزارت تعلیم و تربیت نے یہ پیشین گوئی کی ہے کہ یونیورسٹیوں میں داخلہ لینے والے لڑکوں کی تعداد میں کمی ہوتی جارہی ہے۔ لیکن ان واقعات کا اس نظریہ پر کوئی اثر نہیں ہوا کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان انصاف قائم کرنے میں مدارس شکست کھا چکے ہیں اور آج بھی لڑکیوں کی تعلیمی ترقی کے پروگرام مرتب کئے جارہے ہیں اور لڑکوں کی تعلیمی ترقی کی فکر کسی کو نہیں ہے۔

امریکہ کی طرح برطانیہ اور آسٹریلیا میں بھی لڑکے تعلیمی میدان بالخصوص لکھنے اور پڑھنے میں لڑکیوں سے پیچھے ہیں اور فیل ہونے والے طالب علموں میں لڑکوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ اور اسکول چھوڑ کر بھاگنے والے طلباء میں بھی لڑکوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔

ماں کے رول کی تردید اور بچہ کی تربیت کا مسئلہ

کنونشن کے مقدمہ میں لکھا ہوا ہے'' معاشرہ کی ترقی اور خانوادہ کی خوشحالی میں عورتوں کی غیر معمولی خدمات اب تک پوری طرح منظر عام پر آچکی ہیں اور ماں کی سماجی اہمیت اور خانوادہ، بالخصوص بچوں کی تربیت میں والدین کے کردار سے آگاہی حاصل ہوچکی ہے۔ اور یہ بات بخوبی واضح ہے کہ بچہ کی ولادت میں عورت کو امتیازی سلوک کا نشانہ قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا بچہ کی تربیت کی ذمہ داری مردوں اور عورتوں کے درمیان باقاعدہ طور پر تقسیم کردینی چاہئے۔''

اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کنونشن کی ترتیب و تنظیم سے وابستہ لوگوں کی نظر میں ماں کے کردار کو باعثِ امتیاز قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کردار کی نفی و تردید کو امتیازی سلوک میں کمی کا باعث خیال کرتے ہیں، اور ماں کی ذمہ داری کو'' سماجی'' ذمہ داری کے ذیل میں لاکر خانوادہ میں ماں کے کردار میں کمی سے مکمل موافقت کرتے ہیں۔

کنونشن کی دفعہ 5-B میں اسی مفہوم کو '' ماں ایک سماجی ذمہ داری کی حیثیت سے'' کے ذیل میں دہرایا گیا ہے ۔ درحقیقت ماں کے سلسلہ میں اسطرح کی رائے قائم کرنا درست نہیں ہے۔ ماں بننا عورت کی فطرت میں شامل ہے اور اس کا سماج سے گہرا تعلق بھی ہے۔ اس فطری ضرورت کی نفی و

تردید کا مطلب عورتوں کو خوشحالی کے احساس سے محروم کرنا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ بچے اپنی ماؤں کے لئے معنوی حیات و ذاتی شناخت کا ذریعہ شمار کئے جاتے ہیں۔ اور ماں اور بچہ کے درمیان جو عدیم المثال محبت کا جذبہ پایا جاتا ہے، اس کو سماجی ذمہ داری جیسی نچلی سطح تک گرادینا مناسب نہیں ہے۔ اس طرزِ فکر کا فطری نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ گھر کی اقتصادی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے باپ جو کردار ادا کیا کرتا تھا اس میں کمی واقع ہوگی اور ماں کی جگہ پر باپ کو جو کردار دیا جائے گا، اس کی اہمیت بڑھ جائیگی۔ CEDAW نے اس سلسلہ میں مختلف ملکوں کو خصوصیت کے ساتھ اس طرح لکھ بھیجا:

۲۳ جنوری ۱۹۹۷ میں اس کمیٹی نے اسلووٹی سے سفارش کی کہ والدین کی چھٹی کے سلسلہ میں جس میں باپ کی چھٹی کی طرف خصوصی اشارہ کیا گیا ہے، فوری منظوری جاری کردی جائے۔

۳۱ جنوری ۲۰۰۱ کو اس کمیٹی نے سنگاپور سے اپنی پریشانی یوں ظاہر کی کہ یہ کمیٹی ایک سب سے چھوٹی اکائی کی حیثیت سے خانوادہ کی اہمیت کا اعتراف کرتی ہے لیکن ایشیائی قدروں کے مفاہیم بالخصوص خانوادہ کے سلسلہ میں یہ خیال باعث نگرانی ہے کہ شوہر خانوادہ کا سرپرست ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ بات عورتوں کے خلاف ناروا سلوک میں اضافہ کا باعث بن جائے۔

کمیٹی نے ۲۰ فروری ۲۰۰ عیسوی کو جرمنی سے یہ مطالبہ کیا کہ باپ کے سلسلہ میں جس چھٹی کی تجویز پیش کی گئی ہے اس پر سنجیدگی سے غور وفکر کی ضرورت ہے کہ بچوں کی نگہداری بلکہ بچہ داری کے کام میں مردوں کی تعداد میں اضافہ ہوسکے۔ اسی طرح یہ کمیٹی حکومت سے اصرار کے ساتھ یہ مطالبہ کرتی ہے کہ بچوں کی نگہداشت کے لئے مکان اور دیگر سہولتوں کا زیادہ سے زیادہ انتظام کیا جائے تاکہ خواتین بچہ کی ولادت کے بعد جلد از جلد اپنے سابقہ کاروبار کو دوبارہ سنبھال سکیں۔

عورتوں کے خلاف ناروا برتاؤ کے خاتمہ کے سلسلہ میں کنونشن کا یہ تجزیہ نومولود کے حقوق اور اس کی نفسیاتی ضرورتوں کے برعکس ہے، کیونکہ ولادت کے بعد بچہ کو باپ کے مقابلہ میں ماں کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ یہ بات کنونشن کی دفعہ ۲۰ و بند۔۱ میں حقوق اطفال کے ذیل میں کہی گئی بات کی تردید کرتی ہے۔

''بچہ کو وقتی یا دائمی طور پر خاندانی ماحول اور اس کے فوائد سے محروم نہ رکھنا چاہئے، بلکہ اس کو حکومت کی طرف سے ہر ممکن سہولت حاصل ہونی چاہئے تاکہ بچہ ان نعمتوں سے محروم نہ ہونے پائے''۔

پس ''بچوں کے گہوارہ'' کے نام سے ایسے گھروں کو ہرگز فروغ نہ دینا چاہئے جس کی وجہ سے بچہ وقتی طور پر خانوادہ کی نعمت سے محروم ہوجائے۔ یہ تجویز بچوں کی حقوق سے ہرگز میل نہیں کھاتی ہے۔ نیز اس سے فقط باپ والے خانوادہ، طلاق کی راہ و روش میں اضافہ اور شادی و ازدواج کے بغیر بچوں کی ولادت کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ ان تمام صورتوں میں بچوں کے حقوق کی حفاظت ناممکن ہوجاتی ہے۔ ۲۳ جنوری ۱۹۹۷ کو کمیٹی نے اسلوونی نامی ملک کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے یہ اعتراض کیا تھا کہ تین سال سے کم عمر والے صرف ۳۰ فیصد بچے اور تین سے چھ سال کی درمیانی عمر کے نصف سے زیادہ بچے ''بچوں کے گہوارہ'' نامی جگہ پر پرورش پارہے ہیں اور باقی تمام بچے اپنے گھروں اور خاندان والوں کے ساتھ پل رہے ہیں جس کی وجہ سے احتمال قوی ہے کہ یہ بچے ان سماجی اور تربیتی مواقع سے محروم رہ جائیں گے جو ''بچوں کے گہوارہ'' میں دوسرے بچوں کو فراہم کئے گئے ہیں۔

جنسی تعلیمات اور حقوق اطفال

خانوادہ کی تنظیم کے سلسلہ میں کنونشن کی دفعہ 14-B اور دفعہ 16-E میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن تعلیمات کی فراہمی کے سلسلہ میں کنونشن بالکل خاموش ہے۔ البتہ CEDAW نے نوجوانوں کے درمیان ان تعلیمات کو رائج اور مقبول بنانے کی بات بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کی ہے۔ یکم جولائی ۱۹۹۹ آئرلینڈ نامی ملک سے یہ اصرار کیا کہ ایسے وسائل کی فراہمی کا معقول انتظام کیا جائے جن کے ذریعہ لڑکیوں کو حاملہ ہونے سے روکا جاسکے۔ ان وسائل کو نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں تقسیم کیا جائے اور ایڈس سے نوجوانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے کنڈوم کے استعمال پر تاکید کی جائے۔ یکم جولائی ۱۹۹۹ کو اس کمیٹی نے اسپین سے یہ مطالبہ کیا کہ ابتدائی اور متوسط کلاس کے نوجوان طالب علموں کو جنسی تعلیمات فراہم کی جائیں۔

بعض مصنفین اور دانشوروں کا یہ خیال ہے کہ نوجوانوں کو جملہ جنسی تعلیمات سے پوری طرح باخبر رہنا چاہئے۔ محترمہ شیلٹ اپنی کتاب A Return to Modesty یعنی عفت کی طرف واپسی میں لکھتی ہیں کہ نوجوان حاملہ لڑکیوں کی تعداد میں زیادتی ان کے لئے کوئی عجیب اور پیچیدہ بات نہیں ہے کیونکہ

جنسی مسائل کی تعلیم ایسی تہذیب میں سرفہرست ہوا کرتی ہے جو پوری طرح جنسی ہو۔ یہ نوجوان یہ چاہتے ہیں کہ الگزینڈر سنجر جیسے لوگوں کی نگاہ میں ان لوگوں کو عام خیال کیا جائے اور یہ ثابت ہوجائے کہ جنسی اعتبار سے یہ لوگ سالم ہیں۔

ملی جلی تعلیم اور حقوق اطفال

ناروائی مخالف کنونشن کی دفعہ 10-C [1] میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر سطح پر مردوں اور عورتوں کے قدیم، دقیانوسی اور لکیر کے فقیر والے کردار کے خاتمہ کے لئے ملی جلی تعلیم اور دیگر قسم کی تعلیم کو رائج اور مقبول کیا جائے۔

کنونشن نے معاشرہ اور خانوادہ میں مردوں اور عورتوں کے روایتی اور قدیمی کردار میں تبدیلی کو مساوات حاصل کرنے کا مؤثر ذریعہ قرار دیا ہے۔ اگرچہ خواتین کے کردار کی حدود کا صحیح اندازہ نہیں ہے پھر بھی ماں، بیوی اور گھر کے اندر کی دیگر ذمہ داریاں عورتوں کے حصّہ میں آتی رہی ہیں اور زندگی کے جملہ اسباب و وسائل کی فراہمی مردوں کی ذمہ داری ہوا کرتی ہے۔ عورتوں کے سنتی اور روایتی کردار سے انکار کا مطلب مادری اور ازدواجی کردار کی مکمل تردید کے برابر ہے کیونکہ کنونشن نے اس سلسلہ میں کسی استثناء کا ذکر نہیں کیا ہے۔ کنونشن نے ''روایتی کرداروں کی تردید'' پر مشتمل اس راہ و روش کی ایجاد کے لئے ثقافتی یکسانیت کی ترویج کی بات کہی ہے۔ یہ ثقافتی یکسانیت درحقیقت ثقافتی فرق و اختلاف کی تردید کے بعد حاصل ہوسکتی ہے۔ واضح رہے کہ ثقافتی کثرت اقوام عالم پر جدید سرمایہ داری کے تسلط کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ رہی ہے۔ اقتصادی تسلط پر مبنی نظام میں اب انسان زن و مرد نہیں رہ گیا ہے، بلکہ اب تو یہ مزدور، مارف (Consumer) تولید کنندہ اور ٹھیکیدار ہو کر رہ گیا ہے۔ دوسری عبارت میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اقتصادی بالادستی اور سرمایہ دارانہ نظام میں اب انسان اور انسانی قدروں کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی، بلکہ تمام اقدار معاشی اور اقتصادی کاروبار سے وابستہ ہوکر رہ گئے ہیں۔

قدیم اور روایتی کردار سے علیٰحدگی اور کنارہ کشی کی وجہ سے اب یہ فکر کرنا ضروری ہوگیا ہے کہ وہ کیا بن سکتے ہیں؟ اس سے زیادہ اہم بات تو یہ دیکھنا ہے کہ روایتی کردار کی علیٰحدگی اور مخلوط و ملی جلی تعلیم کے درمیان کیا ربط پایا جاتا ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ عین وہی تعلیم جو مردوں کو دی جارہی

1- The Elemination of any Stereotype Concept of Men and Women at all Levels and in all Forms of Education by encouraging Co-education and other types of Education

ہے، عورتوں کو بھی علیحدہ طور پر فراہم کی جائے؟ اس میں جو چیز سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے وہ طالب علموں تک علمی اور عملی مہارتوں کا منتقل کرنا ہے، چاہے وہ لوگ الگ الگ ہوں یا مختلط اور ایک دوسرے کے ساتھ ہوں، علیحدہ نہ ہوں۔ آج کل دنیا کے اکثر ممالک میں مختلط تعلیمی نظام (Co-Education System) رائج ہے اور اس کے منصوبہ سے قبل مختلف کن ونشنوں میں بھی اس پر عمل درآمد ہو چکا ہے۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ کیا اب تک ان کن ونشنوں کو اپنی خواہش کے مطابق کامیابی حاصل ہوئی ہے؟

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آج مغربی دنیا اس تجویز پر غور وفکر کر رہی ہے کہ لڑکوں کی تعلیمی ترقی کے لئے یہ بہتر ہوگا کہ ان کی کلاس لڑکیوں سے الگ ہو۔

۱۸ جنوری ۱۹۹۸ کی ایک رپورٹ میں لکھا ہے کہ پورے انگلستان کے مختلط اسکولوں میں لڑکوں کی الگ کلاس کا تجزبہ کیا جارہا ہے اور اکثر اساتذہ نے یہ اطلاع دی ہے کہ علیحدہ کلاس سے بہتر نتائج حاصل ہوئے ہیں۔

اس کنونشن نے لڑکوں اور لڑکیوں کی مختلط اور ملی جلی تعلیم کی تجویز و سفارش تو کردی ہے لیکن جنسی سن بلوغ میں ہونے والی کمی، تعلیمی ماحول میں نازیبا ہے۔ جنسی استفادہ اور لڑکیوں پر ہونے والے جنسی تجاوزات کی کوئی پرواہ نہیں کی گئی ہے۔ مشہور ماہر نفسیات محترمہ میری پائیفر اپنی کتاب ''دوبارہ زندہ ہونے والی اوفلیای'' میں لکھتی ہیں'' ادھر میری ملاقات ایسی لڑکیوں سے ہورہی ہے جو اپنا اسکول چھوڑنا چاہتی ہیں۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ مدرسہ میں ہم لوگوں پر جو گزر رہی ہے، اسے ہم بیان نہیں کرسکتے ہیں۔''

اطفال اور ملازم و حاملہ خواتین کی حمایت میں کمی

اگرچہ کنونشن کی دفعہ ۱۱ بند ABCD میں حاملہ عورت کی ملازمت سے عدم علیحدگی، مادرانہ تعطیلات، طفلانہ مراقبت و دیکھ بھال اور پیچیدہ مشاغل میں حاملہ خواتین کو فراہم کی جانے والی خصوصی مراعات پر کافی زور دیا گیا ہے، لیکن ناروائی مخالف کمیٹی نے ۲۰۰۰ میں بلاروس نامی ملک سے بڑے اصرار کے ساتھ یہ مطالبہ کیا کہ ملازمت اور حفاظت سے متعلق قوانین اور معیاروں میں تبدیلی کی جانی چاہئے کیونکہ اس ضمن میں لوگوں کو جو حمایت فراہم کی جاتی ہے اس سے عورتوں کے خلاف سلوک کی نشاندہی

ہوتی ہے۔ اورخصوصیت کے ساتھ حاملہ عورتوں کے سلسلہ میں برتی جانے والی لاپرواہی کا تجزیہ اور نقصان کی تلافی لازمی ہے۔ ۱۹۹۸ میں جمہوری چک نامی ملک کی حکومت پر تنقید واعتراض کرتے ہوئے حاملہ خواتین اور زچگی کے دور سے گزرنے والی خواتین کے لئے لازمی حمایت میں اضافہ کا مطالبہ کیا گیا اور عورتوں کی سبک دوشی کی عمر میں کمی پر شدید اعتراض ظاہر کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ کمیٹی نے یہ بھی یاددلایا کہ خانوادہ میں عورتوں کے کردار کی ثقافتی ستائش منفی نتائج کی حامل ہوسکتی ہے اور اقتصادی بہانہ بازی کے ذریعہ حاملہ خواتین کو دی جانے والی حمایت میں کمی واقع ہوسکتی ہے۔ درحقیقت حاملہ خواتین کی حمایت میں کمی قبل از وقت ولادت یا کمزور و لاغر بچوں کی ولادت کا سبب بن سکتی ہے جس کا مطلب حقوق اطفال کی پامالی وخلاف ورزی ہوگی۔ یہ حقیقت سب کومعلوم ہے کہ ملازم حاملہ خواتین کی حمایت میں کمی ان کے مالکوں کے فائدہ میں اضافہ کا باعث ہوگی۔

جیمس کیڈوویلس اپنی کتاب ''مسائل ازدواج'' یعنی The Marriage Problems میں لکھتے ہیں کہ کام کرنے والی خواتین چونکہ زیادہ وقت اپنے بچوں سے دور رہتے ہوئے زندگی گزارتی ہیں لہٰذا ممکن ہے کہ وہ مشکل میں مبتلا ہوجائیں۔ ایسی صورت میں یہ ہوسکتا ہے کہ عورتوں کے کام کی مدت میں قدرے کمی کردینے سے ازدواجی تعلقات کی تقویت پہونچائی جاسکتی ہے۔ جب مرد وعورت دونوں ملازمت کرتے ہیں تو وہ اپنے بچہ کو'' گہوارۂ اطفال'' کے حوالہ کردیتے ہیں یا بڑی دشواریوں کے ساتھ اپنے اوقات زندگی کی ترتیب وتنظیم کچھ اس انداز میں کرتے ہیں کہ تھوڑا سا وقت اپنے بچوں کے ساتھ گزارسکیں۔ اس بات سے پتا چلتا ہے کہ ملازمت میں عورتوں کی تعداد میں اضافہ نے بچوں کی تربیت پر برا اثر ڈالا ہے۔ اکثر خواتین اس بات سے بے حد پریشان ہیں کہ دفتر کی ذمہ داریوں کی وجہ سے وہ اپنے بچوں کی طرف زیادہ توجہ نہیں دے پاتی ہیں۔ یہ ملازمت کرنے والی خواتین اب یہ محسوس کرنے لگی ہیں کہ وہ انگنت جھمیلوں میں پھنس کر رہ گئی ہیں، اور اب ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک ہی وقت میں وہ ماں، بیوی، ملازم خاتون اور تجارتی ادارہ کی سرپرست کی ذمہ داریوں کو کیسے نبھائیں؟ کیونکہ ان میں سے ہر ایک ذمہ داری کے لئے مستقل وقت اور توجہ درکار ہے۔ پس یہ کہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ عورت ومرد ایک دوسرے کی جانشینی قبول کرسکتے ہیں۔ اور دونوں کے درمیان فقط کچھ جنسی خصوصیات کا فرق ہے اور دونوں میں سے کسی کو بھی بچوں کی دیکھ

بھال اور دوسرے اہم کام کی ذمہ داری سونپی جاسکتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ اکثر زن و مرد اس طرح سوچتے ضرور ہیں، لیکن حقیقت کچھ اور ہے۔ جسمانی ساخت کے اعتبار سے ماں ہونا درحقیقت باپ ہونے سے بالکل مختلف ہے۔ ماں بچہ کو اپنے شکم کے اندر حمل کرتی ہے اور اپنے شیر سے اس کے لئے غذا فراہم کرتی ہے۔ مرد اور عورت دونوں بچہ کو عزیز رکھتے ہیں، لیکن دونوں کی محبت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ دنیا کے اکثر معاشروں میں خواتین ہی اپنے بچوں کی نگہداری کرتی رہی ہیں اگرچہ ان پر دیگر ذمہ داریوں کا بھاری بوجھ بھی ہوا کرتا ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ CEDAW نے حاملہ خواتین کی حمایت میں کمی کی سفارش کیوں کی ہے؟

ناروا سلوک کو دور کرنے والی کمیٹی تو ماں کے معنوی احترام کو بھی تنقید کا موضوع بنادیتی ہے۔ یہ کمیٹی ۲۱ جنوری ۲۰۰۰ کو لکسمبرگ حکومت پر اعتراض کرتے ہوئے یہ شکایت کرتی ہے کہ وہ مردوں کو خانوادہ کا سرپرست اور عورتوں کو ماں اور گھریلو خاتون کی حیثیت سے کیوں قلمبند کرتی ہے۔ دوسری طرف یہی ۳۱ جنوری ۲۰۰۰ کو حکومت بلاروس پر یہ اعتراض کرتی ہے کہ روایتی راہ و روش کی پیروی کرتے ہوئے وہ ہر سال ''یومِ مادر'' کیوں مناتی ہے اور عورتوں کو تمغۂ افتخار کیوں عطا کرتی ہے؟ یہ کمیٹی اعتراض کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتی ہے کہ اس قسم کی حرکتوں سے عورتوں کے روایتی کردار کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ ۳۱ جنوری ۲۰۰۱ کو لکھے گئے اپنے مکتوب میں کمیٹی حکومت ہالینڈ سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ وہ خواتین کو فراہم کی جانے والی سہولتوں کو اور بہتر بنائے تاکہ خواتین آدھے دن کی ملازمت کے بجائے پورے دن کام کرنے کے لئے راضی ہوجائیں۔

نتیجہ: موجودہ تجزیہ سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ کنونشن ہر قسم کے امتیازات کو ختم کرنے اور مرد اور عورت کے درمیان مساوات کا نعرہ لگانے کے باوجود عورت کو موجودہ زندگی کے تناؤ اور دباؤ سے نجات نہیں دلاسکا۔

عورتوں کے لئے انصاف: مردمحوری اور مرد سالاری کے بوجھ سے نجات حاصل کرنے کا بہترین حل یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کی برابری کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ وہ خود باوری اور خود اعتمادی کی خواہاں ہیں اور اپنی طاقت پر بھروسہ کرنا چاہتی ہیں اور گھریلو زندگی میں اپنے شوہر اور اپنے بچوں

کی شرکت کے ذریعہ اپنی زندگی مستحکم اور پرسکون بنانا چاہتی ہے۔ انھیں مساوی سماجی عہدہ و مرتبہ حاصل کرنے کے لئے پرہیز سے کام لینا چاہئے اور اپنے فطری حق کا استعمال کرتے ہوئے انسانیت کی سربلندی کا درجہ حاصل کرنا چاہئے۔ مردوں سے کہیں زیادہ بچوں اور عورتوں کو اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ انصاف اور سکون حاصل کرنے کے لئے عظیم اخلاقی قدروں کی پیروی کریں تاکہ انسانی معاشرہ تشدد اور جنسی جرائم سے پاک رہے اور معصوم بچوں کی تربیت کے لئے مناسب ماحول پیدا ہوسکے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کن ونشن اور ناروائی مخالف کمیٹی عورتوں کے لئے انصاف فراہم کرنے میں کامیابی حاصل نہیں کرسکا اور عورتوں کی دنیا بالخصوص مشرقی خواتین کا معاشرہ اپنے مخصوص افکار و عقائد اور اپنی اخلاقی و معنوی پابندیوں کی بنیاد پر خواتین کے حقوق کے سلسلہ میں ایک دوسری ''سند'' کا خواہاں ہے تاکہ بیرونی دباؤ سے دور رہتے ہوئے خواتین ہر طرح کی ناروائی سے نجات فراہم کرسکیں اور وہ عالمی صلح کے سایہ میں پرسکون زندگی بسر کرسکیں۔

اولویت مرد کی حیثیت اور عورتوں کے انسانی حقوق

قرآن اور عورتوں کے ساتھ ناروائی کے انسداد کی قرارداد کے تناظر میں

ایک معنیٰ خیز جائزہ

فائزہ عظیم زادہ اردبیلی

''عورت، اور اس کے حقوق'' ایک ایسا موضوع گفتگو ہے جو اکثر و بیشتر دانشمندوں اور مفکّروں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ انسانی سماج نے مسلسل عورتوں کی حق تلفی کی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا انسان ہونا بھی لائق بحث جانا گیا ہے، جبکہ ہر سماجی معاشرتی تہذیب و ثقافت میں عورت اور اس کا مقام ہی اصلاً اس معاشرہ میں عورتوں کی قدر و منزلت طے کرتا ہے۔ مذہبی و سیاسی مکاتب فکر عورتوں کے حقوق کے سلسلہ میں مختلف نظریات پیش کرتے ہیں۔ ان ہی مکاتب فکر میں سے ایک انسان ساز اور ہمہ گیر مکتب فکر، اسلام ہے جس کے قوانین کے سوتے سرچشمہ وحی سے ملتے ہیں اور وہ فکر انگیز دلائل کے ساتھ عورتوں کی ناقابل انکار خصوصیات کے پیش نظر، ان کی قدر و منزلت کا قائل ہے۔ گوکہ پیدائشی لحاظ سے مرد و زن میں کچھ فطری فرق ہوتے ہیں مگر ان سے متعلق حقوق و فرائض اپنی اصل صورت میں تقریباً دونوں کے لئے برابر ہیں۔ آیات الٰہی کا تخاطب اصل انسانیت و آدمیت سے ہے، جنسیت و صنف کو اصل مقام نہیں حاصل ہے۔ گوکہ بعض مقامات پر اصل مقصد کو واضح کرنے کے لئے اسے لائق توجہ سمجھا گیا ہے مگر ان میں جنسی فرق کی بناء پر ان کے حقوق کو ہرگز تقسیم نہیں کیا گیا ہے۔ اس سے متعلق قرآن کریم کی متعدد آیات ملتی ہیں :

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاءً [1]

(اے لوگو! اللہ سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی زوجہ پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پیدا کیے)۔

۱۔ نساء، ۱

زیرِ نظر تحریر، قرآنی آیات کی معنیٰ آفرینی اور لفظ قوّام کے فنی تجزیہ پر مشتمل ہے، جس سے عالمی قرارداد اور بین الاقوامی مثالوں میں خواتین کے تئیں مخالفانہ برتاؤ اور ناروا سلوک مراد لیا گیا ہے۔

اہم لفظیں

عورت، عورت کے حقوق، بین الاقوامی اسناد، بنیادی حقوق، تحکّم، جانبداری

آیۂ قوامیت، عورت اور اس کے حقوق سے متعلق آیات میں سے اہم ترین آیت ہے جو اسلامی نقطۂ نظر کو اس طرح پیش کرتی ہے کہ اصول ارتقاء اور اکمال انسان کا راز عورت ہی میں مضمر ہے۔ آیۂ کریمہ کی صحیح تفہیم عورت اور اس کے حقوق کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا اَنْفَقُوا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ [1]

اکثر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ اس آیت میں عورتوں پر مردوں کے تسلط محض کا تذکرہ ہے اور چونکہ یہ تسلط و اولویت گزشتہ ادوار میں اجتماعی اور اقتصادی طرز و تقاضوں کے پیشِ نظر ایک سماجی روش اور واضح حقیقت تھی، لہٰذا حیرتناک نہ تھی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس آیت میں مرد کا عورت کے تئیں حاکم ہونا مراد ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ ہر مقام پر مردوں کی بالادستی مراد ہے۔

آیۂ مذکور کے لفظ قوّام کے سلسلہ میں چند سوالات رونما ہوتے ہیں:

قوامیت سے کیا مراد ہے؟

کیا قوامیت سے مراد، مرد کی برتری ہے؟

کیا مرد کی برتری کا قبول عام وجود عورت کے تئیں سلوک تفاوت کے مرادف ہے؟

کیا مرد سے مراد سارے مرد ہیں؟

قوّام کے معنیٰ و مطالب

قوّام مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا مصدر قیام ہے۔ عربی زبان میں اس کے معنی کھڑے ہونے کے ہیں، یاد رہے کہ قیام کے مشتقات سے مختلف معنی مراد ہیں مثلاً ٹھہرنا، مضبوطی، کسی حکم کو مستقلاً عمل میں لاتے رہنا جیسے آیہ "يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ"، برابری و مساوات، رعایت و عدالت، جیسے قرآن کریم کی یہ آیت

۱۔ نساء، ۳۴

''' وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا''، خوش اخلاقی، کسی چیز کی بنیاد اور اصل نظام (قوام الامور) اور آیۂ "اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ" میں اصلاح و حفاظت مراد ہے،[۱] تفسیر کی بعض کتابوں میں لفظ کن ونشوں کو صیغۂ مبالغہ سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے کسی شخص کا کسی چیز کی توجہ و انہماک کے ساتھ حفاظت کرنا۔

قوّامیت کے مبینہ مطالب کے سلسلہ میں مختلف نظریات ہیں۔[۲] سردست ان میں سے چند نظریات پیش ہیں:

لفظ قوّام جو درمیان آیت استعمال ہوا ہے اس سے مراد معاشرہ کے سارے مرد ہیں یا صرف شوہر؟ اس سلسلہ میں مفسرین کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ متقدمین میں علامہ طباطبائی معاشرہ کے ہر فرد کے مراد ہونے کے قائل ہیں اور نان ونفقہ و دیگر احکام جو آیۂ مذکور میں بیان ہوئے ہیں، اسے جزوی اور فروعی گردانتے ہیں، البتہ اکثر مفسرین نے مخصوص افراد مراد لئے ہیں۔

مسئلہ انفاق کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خانوادہ کے مخصوص افراد کی طرف اشارہ ہے اور ان کے نیک و صالح ہونے کی خصوصیات کہ جو مسئلہ قوّامیت کے بعد تذکرہ میں آئے ہیں دوسرے نظریہ کی طرف ذہن منعطف کرتی ہیں۔ بعض مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ صرف زن وشوہر کی حیثیت سے مرد بعنوان مرد اور بیوی کی حیثیت سے عورت مراد ہے، نیز آیت کے پہلے جملہ کا بعد کے جملہ کے ساتھ تناسب بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ اصل وفروع دونوں برابر ہیں جیسا کہ بظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد کی طرف سے ہونے والے انفاق و عنایت اس کی برتری کو شرعی حیثیت بخشتے ہیں درآنحالیکہ بیرون خانہ انفاق کا تذکرہ نہیں ہے۔ اس دلیل کی بنیاد پر ہر چند مسئلہ انفاق سماجی سطح کے فریضہ کے طور پر بیان نہیں ہوا ہے، مگر عورتوں پر مردوں کی برتری عام سمجھی جائے، قابل قبول نہیں ہے۔

قوّام، قائم کا وہ صیغۂ مبالغہ ہے جو قام یقوم سے لیا گیا ہے۔ قام بغیر حرف جر کے اور ب، ل، فی، من، الیٰ، اور علیٰ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے۔[۳] اس طرح سے قوّام اور قام علیٰ کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں جس کے معنی حفاظت، ہمیشگی، ثبات قدمی، کسی چیز پر کھڑے رہنے، یا کسی چیز پر تکیہ کرنے کے ہوتے ہیں، اس آیت میں پہلے معنیٰ مراد ہیں یعنی عورتوں کے ضروریات و مسائل پر ذمہ

۱۔ ابن منظور ذیل واژہ نقد لسان العرب ۲۔ قرطبی، الجامع الاحکام القرآن، ج ۵، ص ۱۶۷

۳۔ ابن منظور، لسان العرب، ج ۱۲، ص ص ۴۹۶۔ ۵۰۴، مادہ قوم

داری کے ساتھ توجہ رکھنے والا، اس رخ سے اس کے معنیٰ سرپرستی، پرورش، فرض شناسی، پاسداری، حفاظت، خیال رکھنے، نگہبانی، سہولیات مہیا کرانے والے، حمایت و استقامت، مددگاری، مقاومت، تعین، معاونت اور محافظت، کے ہوتے ہیں جیسا کہ بعض تحریروں میں ولایت و تسلط وحکومت، اقتدار، احاطہ، غلبہ اور تکیہ گاہ جیسی تعبیریں بھی مراد ہیں۔ شاید فضل اللہ ان سب تعبیرات پر دلیل ہو، مگر جیسا کہ آگے آئے گا کہ ہرگز سلطنت و اقتدار اس کے معنی کے طور پر قابل قبول نہیں ہوں گے کیونکہ فضل بھی اولوئیت و بیش قیمتی پر دلالت نہیں کرتا۔

قائم، قیّوم، قیم، قیام، قوّام کے آس پاس کے الفاظ ہیں جن میں سے بعض قوّام کے ہم معنیٰ ہیں، باوجود یکہ قیّوم لغت میں نہیں ہے مگر بعض ادبیات و ادعیہ میں ملتا ہے، قیام قیّوم میں نام خدا بھی ہے البتہ قیّم قوّام ہم معنیٰ ہیں۔ بعض کے اس قول کی بناء پر کہ قوّام قیّم کا ہم خانوادہ لفظ نہیں ہے۔ نتیجتاً مرد عورتوں پر حاکم نہیں رہ جاتا ہے، یہ سب لغت سے کم آشنائی کی بنا پر ہے۔ قیّم المراہ'' زَوْجَهَا كَاَنَّهَا يَقُومُ بِاَمْرِهَا وَمَايَحْتَاجُ اِلَيْه'' اس سے قطع نظر کہ مذکورہ فقہی اصطلاح قیّم سے سرپرستی کی ایک قسم مراد ہے جو بیچاروں، بچوں، پریشان حال افراد کے تئیں نظر لطف و عنایت کی طرف اشارہ کرتی ہے یا تصور تحفظ و نظارت کو پیش کرتی ہے، مگر مرد کا عورت پر اس طرح قیّم ہونا مراد نہیں ہے جیسے شوہر کا قیّم ہونا جو کہ اس کے اصل مرتبہ کو واضح نہیں کرتا بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ فقہی اصطلاح میں قیّم لازمی طور پر اپنے مدمقابل کے ہماھنگی کے معنی میں نہیں ہے اور بچوں، مجبوروں پر بھی برتری کے معنی میں لفظ قیّم استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر قیّم سے صرف اور صرف سرپرستی کے فرائض کی انجام دہی ہی مراد لی جاسکتی ہے، البتہ معنیٰ تسلط و عدم تسلط کے لئے کوئی اور عامل درکار ہوگا جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ قوّام قام سے ماخوذ ہے جس کا مصدر قوم، قوام، قومہ، قامہ ہے۔[1] اس بنا پر مصادر جو قومیت یا قوّامیت کے قبیل کے ہیں اور اکثر بیشتر استعمال ہوتے ہیں مستند نہیں ہیں۔ نتیجتاً کسی کے لئے قیام کرنے کے معنیٰ مراد لینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مذکورہ چار مصادر میں سے کسی ایک مصدر سے استفادہ کیا جائے۔ لیکن اگر توصیفی کلمات یعنی قیّم و قوّام سے مصدر صناعی بنایا جائے تو ضروری ہے کہ کلمات قیامت، قیمیت، قیّومیت اور قوّامیت سے بہرمند ہوں، اس سے قطع نظر کہ قیّومیت اور قیامیت الٰہی اصطلاحیں ہیں اور مرد سے ان کا کوئی سروکار نہیں

[1] لسان العرب، المنجد، مفردات راغب ومجمع الفاظ القرآن الکریم ذیل مادہ قوم

ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قوّام قیّم و قیام سے زیادہ مبالغہ پر دلالت کرتا ہے اور اس کا قیام ایسا ہی ہے جیسے والی کا قیام رعیت پر، اس بناء پر کہ اقتدار غلبہ و قدرت سے متصل ہے جیسے کہ عورت کی زندگی ایک مرد پر منحصر ہوتی ہے اور اس کی ضرورت مند ہوتی ہے۔[1]

اس طرح کی کسی بھی سند کی تعبیر نہیں ملتی بالاخص اس تعبیر کی کہ قیام کو لغت میں خدا کا نام اور اس کی صفت کا درجہ دیا گیا ہے۔ اگر ایسا ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ شوہر کا تسلط اپنے ہمسر پر جیسا کہ گزر چکا ہے، قوّامیت، محافظت و پختگی و مقاومت کے معنی میں ہے اور وہ بھی ان ضروریات کے سلسلہ میں جو عورت کو درپیش آتی ہیں۔ لیکن برتری کا تصور لغت میں نہیں ہے جیسا کہ قوّامیت کے تحقیقی مراد و مطلب کے باب میں اسے بیان نہیں کیا گیا ہے۔ مفسرین نے تعبیرات کے باب میں سکھانا، پرورش کرنا، تادیب و تدبیر کرنا اور عورت کی آمدورفت پر نظر رکھنے اور گھر میں اس کا خیال رکھنے، گھر سے باہر جانے سے منع کرنے کا تذکرہ کیا ہے۔ پس یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ سب کچھ جو عورت کی شخصیت کو تکامل اور اس کی روحی و جسمی ضروریات کو پورا کرنے میں کام آتا ہے اور مرد بالادستی کے نتیجہ میں اہتمام اسباب خانگی سے تعلق رکھتا ہے، سب قوّامیت کے دائرہ میں آتا ہے۔

قوّامیت مبینہ معنیٰ کی رو سے فرض اور ذمہ داری کا نام ہے، ہرگز فضیلت و شرف و امتیاز کا نام نہیں ہے یا اس سے مرد کا عورت پر تحکم مراد نہیں ہے بلکہ برتری کا معیار ہے۔

ولایت وسلطنت یا رعایت و کفالت[2]

نہ قوّامیت داعلیٰ سے اور نہ ہی فضل سے برتری مراد ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ اعلیٰ کے ساتھ قام اکثر ضروریات و فرائض کے معنی میں استعمال ہوتا ہے نہ کہ کسی چیز سے بلندی و برتری کے معنیٰ میں۔ چنانچہ احتمال قوی یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ کو قَوَّامُونَ عَلٰى شُوئُونَ النِّسَاءِ وَحَاجَاتِهِنَّ سمجھا جائے۔

کہتے ہیں کہ مرد کی بالادستی کی شرعی حیثیت کے پیچھے فلسفہ یہی ہے کہ کوئی بھی گروہ یہاں تک کہ دو آدمی کسی بھی اقدام پر نتیجہ خیز نہیں ہوسکتے جب تک کہ ان میں ایک مسئول نہ ہو جیسا کہ تاریخ بھی بتاتی ہے۔

۱۔ طہرانی محمد حسین، رسالہ بدیعہ در تفسیر آیہ الرجال قوامون علی النساء، ص ۷۶

۲۔ شرتونی، اقرب الموارد، مادہ ی قوم

پس اس کلیہ کے پیش نظر گھر میں بھی یہی قانون نافذ ہوتا ہے، چونکہ وہ اہم ترین مقام گروہ افراد ہے۔

علامہ جعفری اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ کسی بھی گھر کی سربراہی میں ان چاروں میں سے ایک شکل ضرور پائی جاتی ہے:

۱۔ گھر کے جملہ امور کی ذمہ داری مرد وزن دونوں پر ہوگی جو کہ ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ اگر دو مرد بھی ایک جگہ ایک ساتھ کسی چیز کے لئے ذمہ دار قرار دے دیئے جائیں تو ٹکراؤ اور اختلاف کی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔

۲۔ تنہا عورت مسئول ہو جبکہ اس صورت میں ممنوع ارتباط کی صورت اور بگڑ جائے گی۔

۳۔ باپ کا حسب دلخواہ رعب و دبدبہ ہوگا جیسا عموماً معاشرہ میں دیکھنے میں آتا ہے، مگر یہ وہ صورت ہے جو اکثر گھر میں بدمزگی پیدا کردیتی ہے اور عورت کے وقار کو مزید کم کرتی ہے۔ جسکے نتیجہ میں بچوں کی زندگی پر غلط اثر پڑتا ہے۔

۴۔ مرد کی سرپرستی میں ایک اجتماعی نظام ہو اس طرح سے کہ اعتدال برقرار ہے، قوام کے معنیٰ بھی یہی ہیں۔ بعض اہل مغرب کا عورت و مرد کے سلسلہ میں برتے گئے اس نظام پر یہی اعتراض ہے کہ اسلام نے مرد کو مختار اور عورت کو مجبور بنادیا ہے اور اس کی وجہ چند اسلامی سماجوں کی روش اور آیۂ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُونَ عَلَیٰ النِّسَاءِ کی غیر صحیح تفہیم ہے۔

ان کا خیال ہے کہ قوّام قیّمفقھی اصطلاح نہیں ہے اور قوّامیت مرد فطری اور طبعی ہے، تحکمی اور تعینی نہیں۔[۱]

مذکورہ اقتباسات کے پیش نظر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مرد کی بالادستی گھر کی ذمہ داریوں کے تئیں ایک قسم کی مسئولیت ہے۔ چنانچہ فرائض کی ادائیگی اور لوازمات کی فراہمی اور اخلاقی تقاضوں کو پورا کرنے کی ذمہ داری مرد کے سر جائے گی۔ انفاق و خوش اخلاقی کا وجوب جو کہ عدل و انصاف کی بنیاد پر ہونا چاہئے، آیۂ قوامین بالقسط اس موضوع جاریہ کو مکمل کردیتا ہے۔ سردست سرپرست خانوادہ کے عام فرائض بیان کئے جارہے ہیں:

۱۔ جعفری، محمد تقی، ترجمہ وتفسیر نہج البلاغہ، ج ۱۱، ص ۲۶۷

مفہوم قوّامیت کے تفسیری نکات

آیۂ اَلرِّجَالُ قَوّامُونَ عَلَیٰ النِسَّاءِ اور معنیٰ قوّام کے سلسلہ میں علماء اہل سنت و اہل تشیع میں بہت اختلاف ہے۔ گہرے تجزیہ و تحقیق کے بعد ان میں سے بعض کے نظریات مختصراً پیش ہیں :

پہلا گروہ اہل خانہ پر مطلق العنان برتری کا قائل ہے۔ جس کے سبب وہ مرد کو حق تادیب بھی دیتا ہے۔ شیخ طوسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اولویت مرد سے حق تدبیر رکھنا مراد ہے، اس طرح کہ مرد اپنی عورتوں کے مسائل میں بالخصوص اطاعت و احکامات الٰہیہ کی ادائیگی و پابندی کے بارے میں بازپرسی کا حق رکھتا ہے۔ صاحب تفسیر جامع البیان بھی تقریباً یہی معنی مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے معاملات پر ان کے مرد بھی جواب دہ اور ذمہ دار قرار پائیں گے۔[۱] بعض دیگر مفسرین مثلاً قرطبی نے قوّام سے مراد مرد کی عورت کے تئیں حمایت سے لی ہے جیسا کہ مختصراً پیش ہے :[۲] انھوں نے مرد کے نان و نفقہ کی ذمہ داری سنبھالنے کو قوّام و برتری سے تعبیر کیا ہے یعنی مرد عورت کی مدافعت اور محافظت کے علاوہ تدبیر، انفاق کا بھی ذمہ دار ہوگا۔[۳]

مفسرین کے دوسرے گروہ نے مرد کی اولویت سے مراد عورت پر مرد کا تحکمانہ حق قرار دیا ہے۔[۴] چند موارد ایسے بھی ہیں جہاں مردوں پر عورتوں کی برتری کا ذکر کیا گیا ہے مگر فی الحال اس کا بیان خلاف احتیاط ہے، جبکہ بیشتر ایسے مواقع ہیں جن سے معاشرہ میں عورتوں پر مردوں کے تسلط و بالادستی کے ثبوت فراہم ہوتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بہت سے معاشرے اس کیفیت سے خالی ہیں، جیسا کہ آج کل کے اجتماعی و اشتراکی طرز و نظام کو دیکھتے ہوئے ظاہر ہوتا ہے۔

آیۂ کریمہ میں برتری علّت ہے یا حکمت ؟

اگر مرد کی برتری و انفاق اس کی قوّامیت کے سبب سے ہے تو پھر یہ ماننا ہوگا کہ ان دونوں اسباب کے نہ ہونے کی صورت میں مرد کو عورت پر حق سرپرستی حاصل نہ ہوگا۔ مثال کے طور پر اگر تدبیر کی رو سے مستقبل کی پلاننگ اور جملہ امور، کہ جو عموماً مردوں کے ہاتھ میں ہوتے ہیں، ان میں مرد عورت سے کمزور ہو یا گھر اور گھر سے باہر کی زندگی و معاملات کے لئے کسی کے یہاں عورت ہی ذمہ دار ہو تو

۱۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۴، ص ۱۱۰ ۲۔ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ج ۵، ص ۱۶۸ ۳۔ ایضاً، ۲
۴۔ فیض کاشانی محسن، تفسیر صافی، ج ۱، ص ۳۵۴، غرائب القرآن و رغائب الفرقان در حاشیہ ی تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۴

مرد کو سرپرستی اور فیصلہ لینے کا حق نہ رہے گا۔ علاوہ ازیں سارے حقوق اس سے چھین لیے جائیں گے۔ لیکن اگر یہ عوامی فلسفۂ قوّامیت کی بنیاد پر ہیں تو برتری زن کی استثنائی صورت میں بھی مرد کا حق سرپرستی محفوظ رہے گا۔[۱]

کیا جملۂ اَلرِّجَالُ قَوّٰامُونَ عَلَی النِّسَاءِ خبری ہے؟

جملۂ الرجال الخ جملۂ خبری ہے انشائی نہیں ہے اور اہل خانہ کو ان کے مرد کی سرپرستی کے بارے میں خبر دے رہا ہے، باوجود اس کے کہ اس زمانہ میں ایسے خانوادے موجود تھے جن میں گھر کی سرپرستی و سربراہی سے لے کر علم وفہم و اقتصاد کے مسائل بھی عورت نے سنبھال رکھے تھے۔[۲]

مرد کی اولویت قانونی مسئلہ یا پیدائشی حق ؟

روایت میں وارد ہوا ہے کہ ایک شخص نے امام باقرؑ سے پوچھا کہ ایک آدمی اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا کہ تجھے اپنے معاملات میں اختیار ہے۔ امام نے فرمایا یہ کیسے ممکن ہے ؟ جبکہ ارشاد خداوندی ہے الرجال قوّامون علی النساء۔ اسطرح ایسا کہنے سے مرد کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہ جاتی۔

قانونی نقطۂ نظر سے بھی سرپرستی و سربراہی کوئی ایسی ذمہ داری نہیں ہے جو چھوڑ دینے یا دوسرے کے سر ڈال دینے کے قابل ہو، بنا برایں شوہر د زوجہ کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ کسی خصوصی قرارداد یا عقد کے شرائط میں اسے ایک شرط قرار دے کر اس شرعی نزاکت کو نظرانداز کردیں یا مرد سے اس کا حق چھین لیں۔[۳]

مرد عورتوں سے برتر ہیں یا شوہر بیویوں سے ؟

اس سلسلہ میں دو نظریات ہیں : بعض اس کے قائل ہیں کہ یہ آیات ساری عورتوں پر سارے مردوں کی برتری کی دلیل ہے اور اس میں کلی طور پر یہی مراد ہے۔ لیکن بعضوں کا یہ خیال ہے کہ باوجودیکہ آیت میں الرجال، النساء جیسے استغراقی الفاظ کا استعمال ہے مگر بعد کے قرائن یہ بتاتے ہیں کہ مرد سے مراد شوہر اور عورت سے مراد بیوی ہے۔[۴]

مذکورہ مباحث سے ایک بات تو بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اکثر مفسّرین کا خیال ہے کہ آیت کا سیاق و سباق مردوزن کے روابط سے متعلق ہے اور مرد کی مسئولیت اور حق سرپرستی اور حمایت و

۱۔ حقوق زن و سرپرستی مرد درنگاہ مفسّران، قرآن، ص ۳
۲۔ ایضاً، ا، ص ۴
۳۔ ریاست مرد در رابطہ زوجیت، ص ص ۱۱۰۔۱۱۱
۴۔ حقوق زن و سرپرستی مرد درنگاہ مفسران قرآنی، ص ۴

حفاظت نیز اہتمام معاش و اقتصاد کو روشن و آشکار کر رہی ہے اور کسی بھی طرح ان آیات سے مرد کی برتری و تسلط کا استخراج و استنباط نہیں کیا جاسکتا۔ قرآنی آیات سے اس قسم کی دریافت ہر اس مقام پر، جہاں اللہ نے انسانوں کی برتری و فضیلت کا ذکر کیا ہے، نقصان دہ ثابت ہوئی ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کسی بھی قرآنی آیت میں انسان کی جنسیت کو معیار فضیلت قرار نہیں دیا گیا ہے، بلکہ اس کی کوشش اور اس کے کام کو ملاک و معیار قرار دیا گیا ہے۔ (لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ) حتیٰ کہ قرآن میں صریحاً ایک آیت بھی ایسی نہیں ملے گی جس سے عورتوں پر مردوں کی برتری ثابت کی جاسکے[۱] اور اسی طرح اکثر فقہاء اور فلسفیوں نے بھی قوامیت مرد سے مراد عورتوں کی ضروریات کی ذمہ داری اور اقتصادی امور میں برتری ہی لی ہے، جبکہ عورتوں کے حقوق کے تئیں ان کے ساتھ برتے جانے والے ناروا سلوک کے پیش نظر دو مین کنونشن (عہد) کا اصل پیغام بھی یہی ہے کہ عورتوں کے ساتھ اقتصادی، سیاسی و اجتماعی معاملات میں کیے جانے والے جانبدارانہ برتاؤ اور بھید بھاؤ کو مٹایا جائے۔ مگر اس عہدنامہ کے تمام تر مطالبات عورت کی جنسیت کی بنیاد پر ہیں۔[۲] انھوں نے قرآن کریم کی ایک آیت کا جائزہ اور لفظ قوام سے سوء استفادہ کیا۔ چنانچہ بعض تو قرآن کریم کے نظریات پر چیں بجبیں ہوگئے۔ ہم نے اس سے متعلق اور قوامیت اساسی مفہوم کے بارے میں گفتگو کی تو معلوم ہوا کہ آیات سے استفادہ کرنے والوں نے سوء تعبیر سے کام لیا ہے جو علوم و معارف دینی میں تحریف و تنقیص چاہتے ہیں اور ان کے ارادے یہ ہیں کہ ایسی تبلیغات سے جوان نسل کو اسلامی نظریات کی اثر پذیری سے روکیں اور ان سے کہلائیں کہ عورتوں کے ساتھ ناروا سلوک قرآنی نظر یہ ہے جبکہ قرآن مجید میں مردوں کی ذاتی و شخصی برتری و فضیلت کے وہم کو باطل قرار دینے کے لئے لفظ قوام کے بعد صنف لطیف کی ان صفات کا ذکر کیا گیا ہے:

وہ عورتیں جو مہذب ہیں، جو مستقل خدا سے اپنا رشتہ جوڑے ہوئے ہیں اور اپنے شوہروں کی غیر موجودگی میں الٰہی قانون کا پاس و لحاظ رکھتی ہیں[۳] (فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ) : پس ثابت ہوا کہ گھریلو نظام کی درستگی میں عورت کا زیادہ اہم کردار ہے۔ چنانچہ اللہ عورتوں کو ان کے بہترین صفات کے ساتھ پہچنوا کے انھیں ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلا رہا ہے۔

۱۔ جعفری، محمد تقی، ترجمہ و تفسیر نہج البلاغہ، ج ۱۱، ص ۲۷۳ ۲۔ کنونشن، بند ۱ ۳۔ ایضاً، ۱

قرآنی آیات و سورہ عورتوں کے بنیادی حقوق پر بہترین دلیل ہیں۔ چنانچہ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کے حقوق کی تاریخ دیکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ دین اسلام نے عورتوں کو بے شمار حقوق و امتیازات دلائے ہیں۔[1]

عورتوں کے بنیادی سیر وقائع کے سلسلہ میں انسانی خلقت سے متعلق آیت اور بعد میں آنے والی تمام آیات میں اس طرح عورتوں کے حقوق بیان ہوئے ہیں کہ عورت کا حق مالکیت،[2] ان کا مردوں کا شریک ہونا، ان کے ساتھ سختی سے پیش آنے کی تردید، اور محبت سے پیش آنے کی تاکید، سب کچھ واضح ہوجاتا ہے۔[3]

قرآن کی رو سے عورتوں کے بنیادی حقوق اور ان سے برتی جانے والی ناروائی پر عالمی قرارداد

مسلم دانشمندوں اور مفکروں کے نقطۂ ہای نظر کے مطابق فطری حقوق کا خیال ذہن انسانی میں اس وقت جاگ اٹھتا ہے جب اس کا فطری شعور اس کے مقاصد کی حصولیابی کے لئے اسے اکساتا ہے۔ فطری صلاحیتیں فطری شعور کا سرچشمہ ہوتی ہیں۔ اہل خانہ کے حقوق کی بنیاد کو بھی جملہ حقوق طبعی و فطری پر ہی سمجھنا چاہئے اور پھر مردوزن کے فطری تقاضوں کی بنیاد پر ہی ان کے حقوق تقسیم کرنا چاہئیں۔ اسلامی نقطۂ نظر سے مردوزن، دونوں ایک سماج کے دو انسان ہیں اس لئے انھیں اپنے بنیادی حقوق کے سلسلہ میں برابری کی رعایت برتنی چاہئے، گوکہ ان کے جنسی فرق اور طریقۂ زندگی کا تفاوت ان پر عائد ہونے والے فرائض و احکام میں تفریق کو ناگزیر بنادیتا ہے۔ آج اہل مغرب اور ان کے حامی عورتوں سے متعلق بین الاقوامی عہدوپیمان کے ذریعہ مرد وعورت کے درمیان قوانین و ضروریات، حقوق وفرائض کے امتیاز کو یکسر ختم کردینے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کے درمیان کے فطری اور طبعی فرق کو مٹادینا چاہتے ہیں، اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان کی قراردادوں (Agreements) کی بنیاد بھی مردوزن کے فطری حقوق پر ہی ہے۔

دو مین کنونشن کے مشمولات پر تنقید کے باب میں اگر ہم اس میں ذکر شدہ تصور یکسانیت مردوزن

۱۔ نساء، ۱ ۲۔ ایضاً، ۷ ۳۔ ایضاً، ۱۹

سے قطع نظر، کشادہ دلی سے غور کریں تو ہم پائیں گے کہ اس میں بنیادی فکر وہی ہے جو حقوق الناس کے منشور میں ہے۔ نیز اس میں مذہبی قدروں اور اسلامی ممالک کے اصولوں کی اندیکھی صاف ظاہر ہوتی ہے۔[۱] تمام مرد وزن کے حقوق میں مساوات برتنے سے مراد یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو اپنے حقوق طبعی کو اپنے طور پر حاصل کرنے کا حق ہوگا، درآنحالیکہ ان میں بعض مشترک ہیں اور بعض ایک خاص جنس سے مخصوص ہیں۔[۲] مغربی ممالک میں اس صدی کو اسکے آخیر میں 'عورتوں کے حقوق کی یکسانیت و برابری کی جیت کی صدی' کے طور پر منایا گیا۔ جس میں کم و بیش عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ دکھائی دیں مگر درحقیقت عورت اپنے فطری تقاضوں اور روحی وجسمی ضروریات کے پیش نظر ہرگز مردوں کے حقوق سے مشابہت اختیار نہ کرسکیں۔ پس اگر ہم چاہیں کہ عورت کی منزلت اور اس کے حقوق کو مردوں کے برابر لائیں تو صرف ایک ہی مناسب راستہ ہے کہ حقوق میں مشابہت نہ برتی جائے، عورت کو اس کے مناسب حقوق اور مرد کو اس کے مناسب حقوق دیئے جائیں۔

یہ وہی چیز ہے جسے اسلام نے فطری اور طبعی حقوق کے نام سے یاد کیا ہے۔ مردوزن کے حقوق کی فطری عدم یکسانیت طبعی اور عادلانہ تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہے اور گھر نیز خاندان میں بہتر توازن بھی پیدا کرتی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بعض مغربی مفکرین بھی اس کے معترف ہیں کہ حقوق الناس کے باب میں قرآنی آیات بھی عالمی عدلیہ کے اصولوں کے مطابق ہیں۔[۳]

جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ اسلام عورتوں کے حقوق کے سلسلہ میں فطرت کو بنیاد قرار دیتا ہے نیز شریعت وطبیعت کو بھی مردوزن کے تقسیم حقوق کے سلسلہ میں اساسی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ اس کے سارے احکام وفرائض فطرت وطبیعت کی بنا پر انسان پر عائد ہوتے ہیں۔ وہ تمام اعمال کہ جنہیں انسان انجام دیتے ہیں، اس کے فطری تقاضوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ فطرت جن اجتماعی حقوق کا مطالبہ کرتی ہے، وہ سب فطری اور طبعی ہونے کے سبب مساوی اور مشابہ ہوتے ہیں۔ مگر مساوات کے تقاضے کہ جو اجتماعی احکام کے سلسلہ میں نافذ ہوتے ہیں، ایسے نہیں ہیں کہ ہر فرد پر ہر جگہ لاگو ہو

۱۔ مزید معلومات کے لئے عالمی حقوق بشر کا اعلانیہ سے رجوع کریں۔ گلن جانسون جس ص ۸۷۔۱۲۷

۲۔ خواتین سے کیئے جانے والے سلوک سے متعلق ناروائی کے انسداد کے عہد نامہ پر فقہی نظریات جس ۲۲۷

۳۔ اسپنسر کہتا ہے کہ عدالت احساسات کی رو سے عوام الناس کے طبعی حقوق کا نام ہے اور اس عدالت کا خارجی وجود ان حقوق و امتیازات کی رعایت برتنے کی صلاحیت عطا کرتی ہے۔

سکیں۔ چونکہ ہر آدمی اپنے طریقۂ زندگی اور طرزِ عمل کی بنیاد پر الگ الگ حقوق کا متقاضی ہوتا ہے۔[1] اسلام میں مرد وزن فکر، ارادے اور اختیار جیسے معاملات میں خود اپنے ذمہ دار ہیں۔ چنانچہ دونوں ضروریات زندگی کے حصول کے لئے اپنے اپنے طور پر کوشش کر سکتے ہیں۔ ممکن ہے عورت مرد کی طرح ارادہ کرے، عمل کرے اور اپنے کام اور اس کے نتیجہ کی خود ذمہ دار ہو، یہاں تک کہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کی بھی خود ذمہ دار ہو، چنانچہ اسلام نے نعمت آزادی و استقلال سے سرفراز قرآن مجید کے ہر تخاطب میں معیار انجام عمل، انسانوں کی جنسیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اور دونوں کا مکمل طور پر خصوصی تذکرہ بھی موجود ہے۔

اَنِّي لَااُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنكُمۡ مِنۡ ذَكَرَ اَوۡ اُنۡثَى بَعۡضُكُمۡ مِنۡ بَعۡضٍ[2]

مَنۡ يَعۡمَلۡ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثَىٰ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰئِكَ يَدۡخُلُونَ الۡجَنَّةَ وَ لَايُظۡلَمُونَ نَقِيراً[3]

مَنۡ كَفَرَ فَعَلَيۡهُ كُفۡرُهُ وَ عَمِلَ صَالِحاً فَلِاَنۡفُسِهِمۡ يَمۡهَدُونَ[4]

مَنۡ عَمِلَ صَالِحاً مِنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثَىٰ وَهُمۡ مُومِنٌ فَلَنُحۡيِيَنۡهُ حَيٰةً طَيِّبَه،[5]

لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِمَّا اكۡتَسَبُو وَلِلنِّسَاءِ نَصِيۡبٌ مِمَّا اكۡتَسَبۡنَ،[6]

لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِمَّا تَرَكَ الۡوَالِدَانِ وَالۡاَقۡرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيۡبٌ مِمَّا الۡوَالِدُونَ وَالۡاَقۡرَبُونَ،[7]

مذکورہ بالا آیات میں خداوند کریم نے زن و مرد کو بطور انسان خطاب کرتے ہوئے، ان کے حقوق بیان فرمائے ہیں اور پھر ان کے فطری تقاضوں اور فرق کو مدنظر رکھتے ہوئے، ان کے حقوق کا تذکرہ کیا ہے۔ مرد وزن کے حقوق و فرائض کے باب میں اسلامی قوانین نے ان کے طبعی حقوق کی بنیاد کو تسلیم کیا ہے، مگر وہ حقوق جو حقوق الناس اور خواتین سے متعلق انسداد سلوک ناروا بہ زنان کے عہد نامہ کی بنیاد پر ہیں، اس رخ سے ان میں بیان شدہ مساوات حقوق مرد وزن قابل تردید ہیں کیونکہ نہ تو وہ قوانین اسلام سے مطابقت رکھتے ہیں اور نہ ہی خود اسی قرارداد کے بنیادی فارمولوں سے ہماہنگ ہیں جیسا کہ آرٹیکل ب دفعہ ۱۲ میں ملتا ہے کہ تشابہ کی بنیاد پر انتخاب ہمسر کے سلسلہ میں سب آزاد

۱۔ قرارداد کے مقدمہ میں حقوق کے سلسلہ میں رعایت نہ برتنے کی وکالت کی گئی اور کہا گیا کہ جملہ مذہبی معاشروں میں عورت مردوں کے زیر تسلط ہیں۔

۲۔ آل عمران، ۱۹۵ ۳۔ نساء، ۱۲۴ ۴۔ روم، ۴۴ ۵۔ نحل، ۹۷ ۶۔ نساء، ۳۲ ۷۔ نساء، ۷

ہیں۔ گوکہ اسلام انتخاب ہمسر کے سلسلہ میں تشابہ کو قبول کرتا ہے مگر وہ اس معنیٰ میں نہیں بلکہ کچھ مخصوص شرائط وضوابط کے ساتھ اور پھر انھیں کے جملہ کے مطابق کہ جو مرد وعورت ایک مذہب سے نہ ہوں وہ آپس میں شادی نہیں کرسکتے لہٰذا یہاں کچھ ایسا ہونا چاہئے تھا کہ ایک دوسرے کے مذہب کے تئیں احترام برقرار رہے۔

دوسری مثال : آرٹیکل ح، دفعہ ۱۴، ۱۲ آرٹیکل ب، دفعہ ۱۴، آرٹیکل ھ، دفعہ ۱۶ میں حقوق زن کے باب میں لکھا ہے کہ داخلی زندگی اور گھر کے سارے امور کی ذمہ داری عورت کے سر ہوگی۔ اس طرح سارے اجتماعی حقوق کے معاملات میں عورت کا فیصلہ کن ہونا قرار پاتا ہے، علاوہ ازایں اس قرارداد کے کسی باب میں عورت کی پاکدامنی، حیا وحجاب جیسے طبعی حقوق کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے، جبکہ قرآن مجید اور دینی کتابوں میں بار بار اس طرف متنبہ کرایا گیا ہے مثلاً جناب مریمؑ کا تذکرہ، جناب شعیبؑ کی بیٹیوں کا تذکرہ، جناب سیدہ(س) کا تذکرہ۔قرارداد میں عورت کے مرکزی کردار ہونے کے باعث، عورت کو گھر کے جملہ امور میں انفرادی طور پر فیصلہ کن قرار دیا گیا ہے، درآنحالیکہ اسلامی نظریات کے مطابق ان حقوق کے معاملہ میں جملہ ذمہ داران اہلِ خانہ کے حقوق کی رعایت برتنے کو کہا گیا ہے۔

عورتوں سے متعلق سلوک ناروائی کے انسداد کے بارے میں قرارداد میں پیش پیش رہنے والے جوس کلنز (Jus Cogens) کا یہ ماننا ہے کہ اوّل تو یہ واجب العمل نہیں ہے، دوسرے بین الاقوامی نظام حقوق کے مطابق قابل قبول نہیں ہے۔ [1]

خلاصہ

۱۔ قرآن وقوانین دین کی رو سے انسان کی پیدائش اور اس کے حقوق اس کی حیثیت و مقام کے مطابق تقسیم ہوئے ہیں۔ فطری حقوق اور طبعی مطالبوں میں جنسیت کو دخل نہیں ہے۔

۲۔ قوامیت کے تجزیہ وتحلیل کی بنا پر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ آیت شادی شدہ مردوزن سے متعلق ہے۔ مرد کو اس کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتی ہے کہ مرد کو چاہئے کہ اہلِ خانہ کی جملہ ضروریات کی فراہمی اور اقتصاد کی استواری کا خیال رکھے۔ نیز کسی بھی طرح آیت سے مردوں کی

۱۔ قرارداد ۱۹۶۹ء میں پہلی بار اس قسم کے قواعد کا تذکرہ ہوا اور تقریباً ساری دنیا نے اسے قابل قبول جانا، اس طرح سے کہ کسی کو اس پر حرف گیری کا مجاز حاصل نہ تھا۔ اس سلسلہ میں بین الاقوامی روابط سے متعلق کتابوں مثلاً کلیسا، کلود، اکبر، سے استفادہ کیا گیا ہے۔

برتری محض کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ لہٰذا کسی بھی آیت قرآنی سے اس قسم کا نتیجہ نکالنا دیانت داری کے منافی ہوگا۔

۳۔ اہل خانہ میں حقوق مرد وزن کی برابری کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے فطری حقوق کی حصولیابی کے لئے کوشش کرسکتا ہے، باوجود یکہ اس میں کچھ حقوق حسب جنسیت مخصوص ہیں۔

۴۔ وہ فطری حقوق جو قرآن مجید نے بیان کئے ہیں، شرعی اور طبعی تقاضوں سے مطابقت رکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سارے حقوق میں مرد وزن برابر ہیں کیونکہ دونوں کے حقوق ان کی حیثیت و موقعیت کے متقاضی ہوتے ہیں۔

۵۔ عورتوں سے کئے جانے والے سلوک ناروا سے متعلق قرارداد ایک ایسے قانون کی حیثیت رکھتی ہے جو ضوابط دینی کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

منابع

۱۔ الانصاری قرطبی، ابی عبداللہ محمد، الجامع الاحکام القرآن، بیروت، ۱۹۶۵م، دارالحیاء التراث العربی۔

۲۔ ابن منظور، لسان العرب، داراحیأ التراث العبری، ۱۴۰۸ ق۔

۳۔ جانسون گلن، عالمی حقوق بشر کا اعلانیہ اور اسکی تاریخ ج ۲، ترجمہ محمد جعفر پاینده، تہران، ۱۳۷۷، نشر نی،

۴۔ جریر طبری، محمد، جامع البیان فی تفسیر القرآن چ دوم ج ۴، دارالمعرفہ بیروت، ۱۳۹۲ھ ق،

۵۔ جعفری محمد تقی، ترجمہ وتفسیر نہج البلاغہ، دفتر نشر فرہنگ و اندیشہ اسلامی، تہران، ۱۳۶۲ھ

۶۔ عورتوں سے کئے جانے والے مخلفانہ برتاؤ کے سلسلہ میں عالمی قرارداد پر فقہی نظریات، مرکز تحقیقات فقہی قوہ قضائیہ تہران ۱۳۷۷

۷۔ سید قطب، فی ظاالقرآن، دارالفکر بیروت، ۱۴۰۹ ھ،

۸۔ طوسی، التبیان، دارالفکر قم، ۱۳۷۰،

۹۔ طریحی، فخر الدین، مجمع البحرین ج ۲، نشر مرتضوی تہران، ۱۳۶۵

۱۰۔ طہرانی محمد حسین، رسالہ بدیعہ در تفسیر آیۃ 'الرجال قوامون علی النساء' نشر علامہ طباطبائی' مشہد ۱۳۷۶،

۱۱۔عبدہ، محمد، تفسیر المنار، دار الکتب الاسلامیہ، قم ۱۳۷۳،
۱۲۔فیض کاشانی، محسن، تفسیر صافی چ ۶، ج ۱، کتاب فروشی اسلامیہ، تہران، ۱۳۶۲،
۱۳۔قمی نیشاپوری، نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین، غرائب القرآن و رغائب الفرقان، در حاشیہ مجمع البیان، نشر فراہانی، ۱۳۴۹۔
۱۴۔کلیار کلود البر، نہادھای روابط بین المللی، ترجمہ ہدایت اللہ فلسفی، نشر نو، تہران ۱۳۶۸۔
۱۵۔مطہری مرتضیٰ، یادداشت ھای استاد مطہری، صدر اقم ۱۳۸۰۔
۱۶۔مہر یزی مہدی، سرپرستی و ریاست خانوادہ، مجلہ پیام زن، ابان ۱۳۸۰۔
۱۷۔مقدادی محمد مہدی، ریاست مرد در رابطہ زوجیت، فصلنامہ مفید ش ۳۳، بہمن، قم، ۱۳۸۱،

نابرابری کا جواز

فاطمہ دردانہ

عورتوں کی نفسیات سے متعلق گفتگو انتہائی پر پیچ اور دشوار طلب ہوتی ہے اور یہ اس وقت اور بھی دشوار ہو جاتی ہے جب ان سے برتی جانے والی ناروائی کے ساتھ دونوں اصناف کے اخلاقی پہلوؤں پر نظر کی جائے۔

مساوات و برابری اور فرق اور ناروائی کے اسباب کا جائزہ انتہائی اہم مسئلہ ہے کیونکہ صنف قوی اور صنف نازک باوجودیکہ ایک ہیں مگر انسانی نفسیات میں امتیازات کی ناگزیری کے اسباب بھی ہیں، جو اپنے آپ میں انتہائی طور پر قابل غور اور تحقیق طلب ہیں۔ اس طرح عورتوں کے نفسیات کے جملہ پہلوؤں کا اس رخ سے جائزہ لینا ایک انتہائی فنی کام ہے۔ ماہرین و مفکّرین چاہتے ہیں کہ اس میدان میں قدم رکھیں اور اپنی کاوش و تحقیق کے ذریعہ اسباب امتیازات کا تعین کریں گو کہ اس پر کچھ کام ہوا ہے، کتابیں منظر عام پر آئی ہیں مگر اسے مزید فروغ دینے کی ضرورت ہے، نیز مسلم دانشمندوں کو چاہیئے کہ اسے اسلامی تعلیمات کی سطح پر لائق توجہ جانیں۔اس قسم کے فکر انگیز تحقیقی کارناموں کے ذریعہ حقوق شناسوں اور معاشرہ کے ماہرین کو عورت کے مقام، منزلت سے متعلق کج فکری و افراط و تفریط سے محفوظ رکھا جا سکا ہے جسکا پہلا باب اختلاف و دوگانگی کی ناقابل قبول تردید کی حقیقت کا جائزہ ہے، جسکو مرد و زن کے خارجی وجود کی یکسانیت اور علمی تجزیہ کی روشنی میں بآسانی ثابت کر سکتے ہیں، صرف اس رخ سے کہ مرد و زن دو مختلف جنس، نر و مادہ، ہیں جو اپنے حقوق کے سلسلہ میں جملہ نظریات افراط و مساوات کے برخلاف اپنی کارگزاریوں اور طریقۂ زندگی کے پیش نظر، ایک دوسرے سے مختلف ہیں جیسا کہ آج کے ماہر نفسیات نر و مادہ کی دو الگ الگ جسمانی ساخت کی تقسیم کے ساتھ ساتھ دونوں کے متضاد اخلاقی پہلوؤں کے قائل ہیں۔

مساوات کے علمبرداروں نے جملہ شعبہ ہائے زندگی میں لڑکوں اور لڑکیوں کے حقوق برابر قرار دیئے ہیں، درآنحالیکہ یہ خود اپنی زندگیوں میں عدم یکسانیت سے انکار نہیں کر سکتے ہیں۔

امریکہ جیسے ممالک میں عورتوں کی 'قدرومنزلت' اور ان کے 'ارتقاء' واضح ترین شکل میں دیکھا جا سکتا ہے، جہاں عام طور پر لڑکے اور لڑکیاں کم وبیش تمام اہم موقعوں پر ایک دوسری کی شریک وسہیم نظر آتی ہیں۔ اس صورت حال کے باوجود اکثر والدین اور پرورش کرنے والے افراد اسکولی لڑکیوں کے درمیان موجود بنیادی فرق کے قائل ہیں۔ علاوہ ازیں وہ لوگ جو طلباء اور طالبات کے درجوں کے ذمہ دار اور انسپکٹر ہیں، دو الگ الگ سماجی دھڑوں کے سلسلہ میں حقوق کے تقابل کی بات کہتے ہیں، کہ اسکو نافذ کیا جانا چاہئے۔ لیکن ایک درجہ کے دو مختلف جنس کے طلاب جو کہ تقریباً ہر شہر میں اسی نظام کے تحت پڑھتے ہیں، انکی اہمیت کے سلسلہ میں مختلف نظریات ہیں۔ مردوں اور عورتوں کے بیچ عقلی اور جسمانی فرق اور انکے اجتماعی نقوش کا امتیاز، جسکا حاصل پیدائشی اعتبار سے مذکر یا مونث ہوتا ہے، بلا کسی شک کے ایک بدیہی امر ہے کہ ہر انسان دونوں جنسوں میں سے بہرحال ایک سے متعلق ہوتا ہے۔ اور یہ بات چاہے سب قبول کریں یا نہ کریں، ہر انسان کی روش، اور معاشرہ سازی اور خانوادہ سازی سے لیکر تعلیم ومعاشیات میں اپنا اثر رکھتی ہے۔

جنسیت صرف انواعی اعتبار سے نہیں، بلکہ وجود مردوزن دونوں میں غیر معمولی تاثر رکھتی ہے اور امتیاز وفرق کا سبب قرار پاتی ہے۔

ترمن کہتا ہے: ''انسانی بدن کا ہر سل اپنی جنس کی نشاندہی کرتا ہے، یکے بعد دیگرے اس کے بدن کے سارے سلز اور اسی طرح سارے اجزائے بدن بالخصوص نروس سسٹم علامات جنسیت کو واضح کرتے ہیں۔''

بلا شبہہ انسانی ارواح اور اسکے بدن کی ساخت میں تاثیر وتناسب پایا جاتا ہے۔ چنانچہ شکل وصورت، قدوقامت، مغز اور دیگر اجزا (قطع نظر جسم وبدن کے اس فرق کے جو دو جنسوں کے درمیان ہوتا ہے) انسانی نفسیات اور طرز تفکر جیسے مسائل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ انسانی قد، وزن، شکل اور بہت سی فزیولوجیکل خصوصیات آدمی کے امتیازات اور فرق کو واضح تر بناتے ہیں۔ علوم نفسیات سے متعلق ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ انسانی بدن کی ساخت کیفیت نفسیات میں غیر معمولی طور پر اثر انداز ہوتی ہے۔ چنانچہ سائکلوجیکل معاملات انواع وصورت کی بنیاد پر طے کیئے جاتے ہیں۔ نیز ماہرین ہر آدمی کے پیٹ، ہڈیوں اور عضو جسمانی کے بالکل الگ اور انکی بلند قدی وکوتاہ قدی اور انکی مستقل ومنفرد ارواح کے قائل ہیں اور ہر ایک اپنی اپنی مخصوص خصوصیات کا مالک ہے،

جو ارتکاب جرم کے وقت، سیکھنے کی صلاحیت، اور فنی ذوق وشوق اور میلان طبع میں اپنا ایک خاص اثر رکھتی ہے۔ علوم نفسیات میں انسان درونگر اور برونگر کی اصطلاحیں اسی قسم کے اعضاء جسمانی کے تجزیہ کے بعد وجود میں آئی ہیں۔

ہماری شکل، ہماری فزیولوجی عادات کی آئینہ دار ہوتی ہے، یہاں تک کہ چہرہ سے انسان کی اندرونی شخصیت اور باطنی کارگزاریوں کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ نیز یہ صرف اسکے عیوب یا فضائل و ذہانت و احساس و عادات ہی کا پتہ نہیں دیتا ہے بلکہ اسکے نفسیات اور متوقع بیماریوں کے تئیں اسکے جسم کی ساخت وحسیت سے بھی باخبر کرتا ہے، چنانچہ قیافہ شناس لوگ صرف چہرہ سے آدمی کے مکمل صفات کا اندازہ لگا لیتے ہیں، بدن کی زیبائش اور مسلس کی مظبوطی کے لئے کی جانے والی غیر ضروری کوششیں جسمانی ساخت پر یقیناً اثر انداز ہوتی ہیں۔ چہرہ کی تھوڑی سی تبدیلی، فزیولوجیکل فنکشن اور نفسیات میں اہم تغیرات کا سبب ہوگا بالخصوص ہماری شکل وعمل وظواہر ہمارے بدن کے صفات کا مظہر اور ہمارے شعور کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ نفسیاتی کارگزاریاں، فزیولوجیکل حرکات سے ہی وابستہ ہیں۔

ذیل میں عناوین کے تحت دونوں اصناف کے کچھ فرق فہرست وار پیش ہیں

ا۔ لڑکے اور لڑکی کی نشو ونما

ماہرین کہتے ہیں کہ لڑکوں کے بہ مقابل لڑکیاں تیزی سے بڑھتی ہیں، اس معنیٰ میں کہ انکی ہڈیاں، دانت اور علامات جنسیت تیزی سے نمو پاتے ہیں اور لڑکوں پر لڑکیوں کی سبقت نمود ایک دو سال کے سن سے لیکر بچپن اور بلوغ تک دکھائی دیتی ہے۔

۲۔ جسمانی قوت و استطاعت

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسانی اور حیوانی جنس نرینہ میں زیادہ طاقت وتوانائی ہے۔ اس رخ سے اگر دیکھا جائے تو سخت ترین اور صبر آزما مراحل میں جنس مذکر ہی اسے سر کرتی نظر آئیگی۔

لڑکے، طرز حیات اور بالخصوص جسمانی قوت کے لحاظ سے سن و سال کے ہر مقام پر لڑکیوں سے بالاتر ہیں (۱۱ سے ۱۴ برس کے لڑکے اور لڑکیاں اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں چونکہ اس دوران ان میں عموماً بہت کم فرق دکھائی دیتا ہے) چنانچہ لڑکیوں کی فعالیت سے لڑکوں کی فعالیت ساری زندگی زیادہ نظر آتی ہے۔

مردوزن کی علامات جنس کی ساخت بھی جداگانہ ہے، دونوں پر الگ انداز میں بقائے نسل انسانی کی ذمہ داری ہے۔ زمانی لحاظ سے بھی تذکیر و تانیث کی کارگزاریوں میں ایک دوسرے سے فرق و امتیاز پایا جاتاہے، علاوہ ازیں موروثی تاثیر اور انسانی عادات و اطوار میں وراثتی خصوصیات بھی حیرتناک حد تک کارفرما ہوتی ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ چیزیں صرف انسانی آفرینش تک اپنے اثرات کو محدود نہیں رکھتی ہیں بلکہ پورے انسانی وجود کی نشو نما میں بھی اپنا خاص اثر رکھتی ہیں۔ اور اسی قسم کے فرق دخصوصیات نوع انسانی کے دو افراد کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دیتے ہیں۔ یہ انسان کے مزاج اور اسکے نفسیات پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں، ذہن و ذہانت (I.Q.) پر بھی ان چیزوں کا اثر پڑتا ہے۔ شخصیت مردوزن پر انھیں چیزوں کا اثر انھیں ایک دوسرے سے ممتاز کرتا ہے۔

ماہرین کہتے ہیں کہ

تناسلی علامات صرف بقاء نسل کا ہی مسئلہ حل نہیں کرتے بلکہ فزیولوجیکل فعالیت اور نفسیاتی و روحانی حرکات میں بھی موثر ثابت ہوتے ہیں۔ عموماً خواجگان کے یہاں فلسفی و دانشمند یا بڑے ظالمین نہیں پیدا ہوتے۔ نطفہ کے اپنے کام ہیں، چنانچہ وہ سب سے پہلے نر یا مادہ بناتا ہے۔ وہ اس طرح سرایت کرتا ہے کہ خون میں شامل ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ ٹشوز یا عضو بدن اور ہمارے شعور میں جنس مردوزن کو ہم پر واضح کر دیتا ہے۔ اور اسی طرح ہمارے جسم کے تمام حرکات وسکنات میں شدت پیدا کر دیتا ہے۔ نطفہ کا نفوذ ہی انسان کے اوصاف بے توفی، جوش وخروش اور غصہ کا سبب بنتا ہے۔ اسکے یہی خصائص جنگی جانور اور کھیت میں کام کرنے والے جانور میں فرق پیدا کرتے ہیں۔ بالکل اسی انداز میں یہ چیزیں وجود زن پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں، البتہ صرف ایک عرصۂ حیات تک فعال ہوتی ہیں اور ایک خاص عمر کو پہونچنے کے بعد کم ہوجاتی ہیں اور کام کرنا بند کر دیتی ہے۔ چنانچہ عالم پیری میں عورت مرد سے کمزور تر دکھائی دینے لگتی ہے۔ مردوزن کے درمیان فرق صرف جنسی نہیں ہے بلکہ تناسلی اعضاء میں سرایت کردہ کیمیکلی مشمولات کے اثرات خون میں نتیجہ بخش ہوتے ہیں۔ اس اہم نکتہ کی طرف غور نہ کرنے کے سبب، حقوق وتعلّی زن کے علمبردار یہ سوچتے ہیں کہ یہ دونوں اصناف (مردوزن) ایک ہی قسم کی تعلیم و تربیت، مشاغل وذمہ داریاں سنبھال سکتی ہیں، جبکہ عورت متعدد جہتوں سے مردوں سے مختلف ہے۔ بیضوی سلز جو ساری زندگی مرد کے جملہ تازہ وموجود سلز کے ساتھ

رہتا ہے، وہی نطفہء استقرار حمل کی شکل اختیار کرتا ہے۔ دوران آفرینش اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مگر عورت نطفۂ استقرار حمل کے بقیہ مواد کے علاوہ وہ تمام اجزاء کہ جو اس نطفۂ مستقر کے لیے لازمی ہیں، فراہم کرتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس رخ سے بچہ کی آفرینش کے بالکل ابتدائی مراحل میں ماں کی ذمہ داری باپ سے اہم ہوتی ہے۔ باپ کی ذمہ داری بچہ کی تولید میں کچھ کم ہے مگر عورت جو کہ ۹ مہینہ اسے اپنے شکم میں رکھتی ہے اور پھر اسکے صاف شدہ خون کے اجزاء سے وہ جنین اصل رحم میں پہونچ کر اپنی غذا اور نمو حاصل کرتا ہے، نیز پیدا ہونے کے بعد بھی بچہ اپنی غذا بشکل شیر اپنی ماں ہی سے حاصل کرتا ہے، اسکے بدن میں کچھ نئے ٹشوز نمود پاتے ہیں۔ دوران حمل ماں بچہ کے زیر اثر رہتی ہے۔ چنانچہ کبھی وہ بچہ ماں کی صحت سلامتی کے لئے خطرہ بھی ثابت ہوسکتا ہے۔ ٹشوز کے ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے سبب جنین کا وجود رحم مادر میں رہتے ہوئے وجود زن کے لئے نقص اثر رکھتا ہے۔ چنانچہ دوران حمل بچہ اسکی فزیکل اور سائکلوجیکل حالت کو قدرے تبدیل کردیتا ہے۔ اعضاء بدن کے سلز مسری مواد کو خون میں اس طرح تحلیل کر دیتے ہیں کہ آدمی کی نفسیاتی اور معنوی کارگزاریوں پر موثر ثابت ہوتا ہے۔ ہارمونس ہماری روحی قدرت و طاقت پر داخلی غدود سے زیادہ اثر رکھتے ہیں۔ شاعروں، فنکاروں اور فاتحوں وغیرہ کی طبیعت میں جنسی میلان زیادہ ہوتا ہے۔ جنسی غدود سے چھیڑ چھاڑ ایک نو بالغ کے نفسیات پر بھی تبدیلی کے اثرات مرتب کرتی ہے۔ عورت کی بچہ دانی نکل جانے کے بعد اسے ضعف ونقص بدن کا احساس رہتا ہے اور فکری اور حسی فعالیت بھی متاثر ہوتی ہے۔ اگر کوئی جراحی کے ذریعہ اپنے بیضہ نکلوا دیتا ہے تو تقریباً اسکی مردانگی ختم ہو جاتی ہے۔ سب تقریباً سبھی بڑے فنکار عاشق مزاج تھے۔ گویا کسی جیت کے لئے جنسی غدود کی فعالیت بھی ضروری ہے، چنانچہ جب عشق ثمر آور نہیں ہو پاتا تو روح کو برانگیختہ کر دیتا ہے، لہٰذا اگر ''دانتے'' ''بحاتریکس'' کی زوجہ بن گئی ہوتی تو کمدی الٰہی کی شکل میں تاریخ کو اتنا بڑا شاعر نہ مل پاتا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ ھارمونس انسانی اخلاق و کردار کی تعمیر میں اپنا اثر رکھتے ہیں، تو محل تعجب نہیں ہے۔ نفسیاتی لحاظ سے نر و مادہ کے صفات صرف منفرد و جداگانہ نہیں ہوتے، بلکہ دونوں اجناس کے مخصوص طبعی میلان کے سبب ان میں بہت سے انفرادی تغیرات دیکھے جاسکتے ہیں۔

رحم کا پہلو

یہ بھی ایک روشن حقیقت ہے کہ مرد وزن میں رحم کی حیثیت الگ الگ ہے۔ عورتیں زیادہ رحم پسند ہوتی ہیں، چنانچہ بہت جلدی حساس اور قابل رحم معاملات سے اثر قبول کر لیتی ہیں اور پریشان ہو جاتی ہیں۔ لطف و عنایت کی حیثیت دونوں اجناس کے لئے انکی نوع و حیثیت کے اعتبار سے مخصوص ہے۔ عورت صنف نازک ہے، تمام انسانی معاملات اور مسائل کو اپنے نقطہء نظر سے دیکھتی ہے جبکہ مرد مردانہ نظر سے جملہ مسائل کو دیکھتا ہے۔ اگر یہ بات مان لی جائے کہ گرچہ مرد اپنی دید و دانش میں ہر چیز کا تماشہ گر اور بازیگر ہے پھر بھی وہ ہر چیز کی اصل و اصالت و رنگ و کیفیت کو محسوس کر لیتا ہے، مگر یہ نظام پیدائش وخلقت کا فلسفہ اور حکمت ہے کہ رحم پسندی کا زیادہ تر مادہ عورت کے حصّہ میں آیا ہے کہ افزائش نسل اور نظام اہل خانہ بخوبی درست کیا جا سکے۔

عقلی پہلو

مرد و زن کے درمیان پہلا فرق و امتیاز انکے مغز کے سلسلہ میں ہے۔ کسی بھی نسل کی عورت کی ظرفیت و ذہن مرد سے کم ہوتی ہے۔ اور اسی طرح ہر نسلی عورت کا قد مرد سے کم ہوتا ہے۔ کسی بھی نسل کی عورت کا مغز عموماً مردوں سے ۱۰۰ سے ۲۰۰ گرام تک کم ہوتا ہے۔ یہ سچائی ہے کہ انسانی زندگی میں دو مختلف جنس کے افراد کے درمیان یہ امتیاز و افتراق پایا جایا ہے۔ اور یہی عین حکمت ہے۔ ان دونوں اصناف میں بہت سی خصوصیات مشترک ہیں۔ اس لیے افزائش و بقا نسل انسانی کی ذمہ داری انھیں کے سر ہے، درآنحا لیکہ کسی مولود کی ساخت اور نمو کے لئے دونوں میں ضروری فرق اور مختلف خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں۔ یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ ماہرین ومفکّرین کا یہ کہنا ہے کہ انسان پورے وجود کے ساتھ سوچتا ہے، تو موضوع مطلوب تک پہونچتا ہے، جبکہ درک و احساس وفکر و تفہیم کا ذریعہ دماغ ہے لیکن دماغ بھی ہرگز پورے اعضاء بدن کی اثر پذیری سے آزاد نہیں ہے۔ ہارمونس ہوں یا تناسلی غدود، ٹشوز ہوں یا کیفیت اندام نہانی، مغز کا وزن ہو کہ بدن کا قد، جملہ فکری و عملی اقدامات کے وقت آدمی کے قوت ارادہ اور احساس وفکر و درک پر غیر معمولی اثر رکھتے ہیں۔

ایک جملہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آدمی اپنے دماغ کے علاوہ اپنے جملہ اعضاء جسمانی کے ساتھ سوچتا ہے محبت، رنجیدگی، تعریف وتنقیص یہ سب پورے بدن کا ریکشن ہوتا ہے۔

پس یہ بات طے ہوگئی کہ مرد وزن کے کیفیات عقلی وفکری میں فرق ہونا چاہئے کیونکہ دماغ، غدود جنسی سے خصوصی ربط اور تاثیر رکھتا ہے، چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر زندگی کے سارے مسائل، اورحساب وکتاب کسی گھر کی ماں کے حوالے کر دیئے جائیں تو اسکے بچہ کی تربیت مادری عنایات کے تلے نہ ہو سکے گی۔

عورتیں عموماً مردوں سے زیادہ موسیقی میں دلچسپی رکھتی ہیں اور اس میں بھی انکی دلچسپی اور سلیقہ کا رول ہے۔ کوئی اس سے صرف دل بہلاتی ہے، کوئی اسے دلچسپی کی علامت قرار دے لیتی ہے۔ نیز یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہے کہ فلسفہ کے بلند مرتبہ پر صرف مرد پہونچے۔ بڑی ایجادوں کے بیشتر حصّوں پر مردوں کا قبضہ ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات قابل انکار نہیں ہے کہ عقلی نشوونما جو انسانی شخصیت کے تکامل کیلئے لازم ہے، عورتوں میں بھی موجود ہے۔ اس رخ سے ان معاملات میں کہ جن میں فکری پختگی اور زود فہمی کو دخل ہے، مردوزن میں فرق نہیں ہے۔ اسی طرح خالص عقلی معاملات میں بھی (جو کہ انکو حیرتناک الٰہی نشانیوں کا انکشاف کراتے ہیں، عقل انسانوں کی ہدایت کرتی ہے انھیں اسکی ہمیشگی اور قیمت واہمیت سے باخبر کراتی ہے) مرد وزن میں فرق نہیں ہے جیسا کہ ہم قرآن کی رو سے دیکھتے ہیں کہ باربار دیندارعورت اور دیندار مرد، عابد وقناعت شعارعورت، متقی عورت متقی مرد سے ایک دوسرے کے ساتھ بھی اور انفرادی طور پر بھی عہد و پیمان لے لئے گئے ہیں اور یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ ایمان و توحید پرستی کے سلسلہ میں مردوزن برابر ہیں۔

مذکورہ اقتباس کے تناظر میں دوموارد:

الف۔ اسلام نے مالی و اقتصادی معاملات میں عقل کی پختگی کو لازم جانا ہے اور اسے ان احکام و مسائل کے باب میں جو جنسی بلوغ اورشعوری پختگی سے تعلق رکھتاہے، بیان کیا ہے۔ شعور کی پختگی اور عقلی بلوغ جنسی بلوغ سے بالاتر ہے۔ قرآن کریم نے جنسی مسائل کی اہمیت کے پیش نظر عقلی تکاملہ اورشعوری پختگی کو بنیادی شرط جانا ہے اور اس امر میں لڑکی اورلڑکے میں کسی قسم کا فرق نہیں بتایا گیا ہے۔ چنانچہ دونوں اصناف، مردوزن، جب بھی منزل شعور کو پہونچ جائیں تو اپنے سرمایہ کو اپنے اختیار میں لیتے ہوئے، اقتصادی معاملات میں فعال ہو سکتے ہیں۔

ب۔ لڑکیوں کے سلسلہ میں باپ اور دادا ولایت وسرپرستی کا حق رکھتے ہیں۔ چنانچہ شادی و انتخاب

ہمسر جیسے معاملات میں ان کی رائے سے استفادہ کرنا چاہئے، البتہ یہ ولایت ایک بالغہ اور راشدہ لڑکی کے لئے لازم نہیں ہے اور باپ دادا اس موقعہ پر جوبی حق ولایت نہیں رکھتے۔ یقیناً یہ ایک غور طلب پہلو ہے کہ نوخیز و بے تجربہ بیٹیوں کے اہم معاملات کو سلجھانے کیلئے باپ کی ولایت وھدایت ضروری ہوتی ہے۔ لیکن ایسی بھی شادیاں ہورہی ہیں جو اہم مراحل یعنی انتخاب همسر جیسے معاملات میں اس حد تک چلی جاتی ہیں کہ خود ہی تشخیص اور ارادہ کرتی ہیں، ہمدرد اور تجربہ کار آدمی کی ضرورت محسوس نہیں کرتیں۔ یہ وہ مسائل ہیں جنکا تفصیلی جائزہ لینا ضروری ہے کیونکہ اس طرح کی مثالیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ اگر سماج میں یہ چلن عام ہوگیا تو سارے حساس مسائل عورتوں کے ہاتھ میں چلے جائیں گے، جس سے معاشرہ کا توازن بگڑ سکتا ہے۔ چونکہ اسلام ہر زمانہ اور ہر سماج کیلئے ہے لہٰذا اس نے ان کیفیات کو اور اس سے متعلق مسائل کو بیان کیا ہے۔

نامناسب نہیں ہوگا اگر یہاں ان مقامات کے علاوہ ایک موقع کا تذکرہ کیا جائے اور وہ ہے حج میں نیابت کا موقع ہے۔ فریضۂ حج سے متعلق مسائل میں نیابت کے موضوع پر احکام ہیں کیونکہ تمام تر شرائط کے باوجود بعض مکلّفین ایسے ہیں جو ارکان حج کو بجا لانے سے قاصر ہوتے ہیں، اس وقت نیابت کا مسئلہ درپیش آتا ہے۔ نیابت کے سلسلہ میں ملتا ہے کہ عورتیں مردوں کی نیابت کرسکتی ہیں، چاہے وہ مرد کا پہلا حج ہی کیوں نہ ہو۔ فی المراۃ تحج عن الرجل العرورہ، فقال: ''ان کانت قد حجت و کانت فقیہ فامراتہ افقہ من رجل'' اس عورت کے بارے میں جو نیابت کرنا چاہتی ہو اور اس سے قبل کوئی حج نہ کیا ہو، امام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی نیابت کرنا چاہتی ہے تو کرے، اسے مذہب شناس اور دین پرور ہونا چاہیئے۔ کوئی قباحت نہیں ہے اس لئے کہ فقیہ عورت عام مرد سے بہتر ہے۔

مذکورہ حدیث امام صادقؑ سے عورت کی دین شناسی و فقہ فہمی کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ ظہور امامؑ کے وقت فقہ و دین شناسی میں عورتیں کس طرح مردوں پر بازی مارلے جائیں گی۔ امام باقرؑ فرماتے ہیں: ''و توتون فی زمانة فی ان المراة تقضی فی بیتها بکتاب الله تعالیٰ و سنة رسول الله'' امام مہدیؑ کے عہد حکومت میں تمام عالم انسانیت علم و حکمت سے لبریز ہوگا۔ عورتیں گھروں میں کتاب خدا اور سنت رسولؐ سے قضاوت کریں گی۔ یاد رہے کہ قضاوت کی لازمی شرط فقہ و احکام پر گہری نظر کو قرار دیا گیا ہے۔

مرد وعورت کے مخصوص کام

مردوزن کی شکل میں انسانی وجود جہاں اتنا آزاد اور خود مختار ہے کہ اپنے ارادے خود کرتا ہے، مختلف صورتوں اور کاموں میں کسی ایک کو منتخب کرتا ہے، وہیں اسے چند جبری قوانین کا پابند بنایا گیا ہے اور ان قوانین وسنت کو اس پر لازم قرار دیا گیا ہے، اس طرح کہ اس نظام حکومت کے تحت رہنے کے بعد ایک قدم بھی آگے یا پیچھے نہیں بڑھا سکتا ہے۔ انسان بھوکا ہوتا ہے تو چند خاص قسم کے مواد تغذیہ اسکی بھوک کو دور کردیتے ہیں۔ اسے ہوا کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ سانس لے لیتا ہے، بیمار ہوتا ہے تو دوا استعمال کرلیتا ہے، ایک وہ وقت آتا ہے کہ وہ سن وشعور کی پختگی کے ادوار سے گزر کر اس منزل پر پہونچ جاتا ہے کہ اسکی طاقت جواب دینے لگتی ہے۔ اور آخرش وہ موت سے ہم آغوش ہو جاتا ہے۔ اس وقت انسانی کوششیں، ارادے، اختیارات سب اپنا اثر کھو بیٹھتے ہیں اور انکے پاس اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں بچتا۔ چنانچہ ہم اس تلخ حقیقت کے پیش نظر اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ حاکم کے واجب العمل احکام لائق تبدیلی نہیں ہیں اور اسکی تبدیلی کی کوشش انسانی وجود کو نقصان پہونچا دیتی ہے۔ حاکم کے واجب العمل احکام آج بھی لاگو ہیں۔ چنانچہ مردوں کو چاہئے کہ اپنے آداب وآثار حیات کو اسی قانون کی نظر سے دیکھیں اور خود کو اس وہم سے دور رکھیں کہ صنف قوی کو صنف نازک کا طرز حیات اور حقوق مل جائیں یا صنف نازک کو صنف قوی کی طرز کی زندگی مل جائے۔ یہی نہیں بلکہ وہ اسکو اپنے لئے باعث شرف اور اپنی شخصیت کے تکامل کا ذریعہ سمجھیں۔ فزیولوجیکل قوانین بھی یہی کہتے ہیں۔ نیز قوانین ستارگان ایسے ناقابل تغیر ہوتے ہیں کہ انسانی طبعی میلان کو وہاں کوئی راہ نہیں ہے۔

پس عناصر سے مرکب انسان کو چاہئے کہ میدان علم وعمل میں خود کو اتارے اور اپنے کو مادّی دنیا کی سطح سے بلند کرے اور مکمل انسان بن جائے۔ اس ضمن میں مردوعورت کے طرز حیات سے متعلق کچھ قابل غور پہلو بھی اجاگر ہوتے ہیں۔

مردوعورت از حیث انسان طبعی قوانین کی بنیاد پر اپنے لئے ایک دستور العمل رکھتے ہیں۔ عورت کی ذمہ داری بہترین عورت ہونا ہے، جبکہ مرد کی ذمہ داری اچھا مرد ہونا ہے یعنی وہ تمام فرائض جو طبعی قوانین کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتے ہیں، انھیں ان پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔

عورتوں کو چاہیے کہ مردوں کی اندھی تقلید وحرص کیے بغیر اپنے طبعی وفطری حقوق وسرشت کی بنیاد پر زندگی گزاریں۔ عورتیں تکمیل بشریت میں مردوں سے اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ نسلی نقطہء نظر سے دونوں جنسوں کی اہمیت برابر نہیں ہے۔ مردوزن کی مساوات، ماموریت اور مسئولیت اس بات کا سبب قرار پاتی ہیں کہ دونوں جنسوں کا طرز حیات اچھے نتائج نہیں دے پاتا اور اس طرح انسانی سماج کا توازن بگڑ جاتا ہے۔ عورتوں کے حقوق کے علمبردار اگر اس روش کو مزید فروغ دینگے اور عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ ہونے کی تبلیغ کریں گے تو گویا وہ انھیں انکے طبعی وفطری حقوق سے باز رکھنے کی کوشش میں ہیں ۔

ایک اور مسئلہ جو مردوزن کو برابری اور عورتوں کو مرد نما بنا دینے کے سلسلہ میں قابل غور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس طرح دراصل مردوں کو اصلی و مرکزی حیثیت دینا ہے (گویا عورتوں کی اپنی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے) کہ عورتوں کو بھڑکائیں کہ وہ خود کو مردوں کے برابر لائیں۔ ایسا بنا دیں کہ انکے پاس بھی مردوں جیسی خصوصیات و احساسات ہوں۔ درحقیقت یہ صنف لطیف کی توہین وتحقیر ہے کیونکہ اصولاً مرد کا محض مرد ہونا اسکے بالاتر ہونے کی دلیل نہیں ہے، جسکی طرف عورتوں کو ورغلایا جا رہا ہے۔ عورت ہونا بھی اپنے آپ میں محل افتخار ہے اور انسانی وجود کی تکمیل وتعلّی کا ذریعہ ہے، جیسے مرد ہونا مردوں کی نظر میں قابل فخر ہے ۔ دونوں جنس الٰہی قانون کی گرفت میں ہیں۔ اس پر عمل پیرا ہونا انکی ذمہ داری ہے، جسکے نتیجہ میں انھیں دنیا وآخرت کی سعادت ملنے والی ہے۔ اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ اپنے صنف مخالف کی برابری کروں تا کہ میری شخصیت مکمل ہوجائے، تو وہ احساس کمتری کا شکار ہے۔

انسانی زندگی میں حرکت وعمل کی حکومت ہے، کہ فزیولوجی کے اصول کے مطابق دونوں اصناف وجود کو احساس تکامل اسی وقت حاصل ہوگا جب وہ اپنے جسمی وفطری تقاضوں کے ساتھ جئیں گے۔ لہٰذا ہر جگہ معیار و ملاک اور قوانین، تعلیم وتربیت اور انکی زندگی کے جملہ مراحل انکی جنسی مناسبت سے ہونے چاہئیں ۔

ماہرین تعلیم وتربیت کو مردوزن کے جسمانی ونفسیاتی فرق کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے۔ اس مضمون میں گنجائش نہیں ہے کہ مختلف ملکوں کے مردوں اور عورتوں کی صورت حال کا جائزہ لیا جائے، جیسا کہ بعض جگہوں پر انتہائی افسوسناک صورت حال ہو چکی ہے اور مزید ہو رہی ہے۔ عورتوں کے حقوق کا مطالبہ کر کے انھیں وہ حقوق دلائے جا رہے ہیں جن سے سماج میں صرف بے راہ روی پھیل رہی ہے ۔

انکی مثالوں میں سے ایک مثال پیش ہے :

اس نئی بدعت اور خجالت آمیز روش سے پہلا نقصان یہ ہوا کہ گھروں کے شیرازے بکھر گئے، جسکا تدارک کوئی بھی نہیں کر سکتا ہے۔ بطور خدمت گار لائی گئی مائیں اور سفارشوں کے ذریعہ اپنائے گئے بیٹے والے نظام سے سب کچھ صاف ظاہر ہے۔ درحقیقت یہ صورت حال زلزلہ تمثیل ہے کہ انسان کہ خانوادگی و سماجی رشتے اتنی بری طرح متاثر ہوئے کہ نہ بچوں کو ماں کا پیار میسر آتا ہے، نہ عورتوں کو شوہروں کی توجہ! غیر ممکن ہے کہ احساس و محبت کا ایک ذرّہ بھی کسی کے ہاتھ آجائے اور وہ بھی ایسے حالات میں؟ یقیناً جب آدمی مشین سمجھا جانے لگے اور اشرف مخلوق کی سطح سے گر کر شی میں تبدیل ہو جائے، اور انسانی گھرانہ ایک مشینی کارخانہ ہو جائے، تو ایسا سوچنا بھی عبث ہے۔ مادہ پرستی و سرمایہ داری سے صرف خود خواہی اور لطف اندوزی کی جاسکتی ہے، جو انتہائی لحاتی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہ افکار و قوانین جو الٰہی اصولوں سے ہٹ کے وضع کئے جاتے ہیں، کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس طرح انسانی فطرت اور ادیان الٰہی کی ہدایت ایک بار پھر خالی پنداروں کو باطل ثابت کر دیگی۔

عورت اقبال کے کلام میں[1]

مولوی شمس تبریز خان

جدیداردو شاعری میں غالباً حالی و اقبال ہی دو ایسے شاعر ہیں جن کے یہاں غزلوں میں صنفی آلودگی، عریانیت اور سطحیت نہیں ملتی، بلکہ اس کے بر خلاف عورت کے مقام واحترام اور اس کی حیثیت عرفی کو بحال کرنے میں ان دونوں کا بڑا ہاتھ نظر آتا ہے۔ اقبال عورتوں کے لئے وہی طرز حیات پسند کرتے تھے، جو صدر اسلام میں پایا جاتا تھا، جس میں عورتیں مروجہ برقع کے نہ ہوتے ہوئے بھی، شرم وحیا اور احساس عفت وعصمت میں آج سے کہیں زیادہ آگے تھیں، اور شرعی پردہ کے اہتمام کے ساتھ ساتھ زندگی کی تمام سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھیں۔

۱۹۱۲ میں طرابلس کی جنگ میں جب اقبال کو اس کا ایک نمونہ دیکھنے کو ملا یعنی ایک عرب لڑکی فاطمہ بنت عبداللہ غازیوں کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہوئی، تو انھوں نے اس کا زوردار ماتم کیا:

فاطمہ! تو آبروئے امتِ مرحوم ہے — ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے
یہ سعادت حورِ صحرائی تری قسمت میں تھی — غازیانِ دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی
یہ جہاد اللہ کے رستہ میں بے تیغ وسپر — ہے جسارت آفریں شوق شہادت کس قدر
یہ کلی بھی اس گلستان خزاں منظر میں تھی — ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی
اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں — بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں
فاطمہ! گوشبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے — نغمۂ عشرت بھی اپنے نالۂ ماتم میں ہے
رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے — ذرّہ ذرّہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
ہے کوئی ہنگامہ تیری تربتِ خاموش میں — پل رہی ہے ایک قوم تازہ اس آغوش میں

انھیں ہنرمندانِ ہند اور ایسے تمام فن کاروں سے شکایت تھی، جو عورت کے نام کا غلط استعمال کر کے ادب کی پاکیزگی، بلندی اور مقصدیت کو صدمہ پہونچاتے ہیں۔ وہ اپنی ایک نظم میں کہتے ہیں:

۱۔ از کتاب نقوش اقبال، تالیف مولانا ابوالحسن علی

چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقامات بلند　　کرتے ہیں روح کو، خوابیدہ بدن کو بیدار
ہند کے شاعر وصورت گر و افسانہ نویس　　آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

وہ ''دخترانِ ملّت'' سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمان خاتون کے لئے دلبری اور بناؤ سنگار ایک معنی میں کفر ہے، بلکہ انھیں تو اپنی شخصیت، انقلابی فطرت اور پاکیزہ نگاہی سے باطل کی امیدوں پر پانی پھیر دینا چاہیے:

بہل ای دخترک این دلبری ہا　　مسلمان را نزیبد کافری ہا
منہ دل بر جمال غازہ پرور　　بیاموز از نگہ غارتگری ہا

وہ کہتے ہیں کہ مسلمان عورت کو پردہ کے اہتمام کے ساتھ بھی معاشرہ اور زندگی میں اس طرح رہنا چاہیئے کہ اس کے نیک اثرات معاشرہ پر مرتب ہوں اور اس کے پرتو سے حریم کائنات اس طرح روشن رہے، جس طرح ذات باری کی تجلّی حجاب کے باوجود کائنات پر پڑ رہی ہے:

ضمیر عصر حاضر بے نقاب ست　　کشادش در نمود رنگ آب ست
جہان تابی ز نور حق بیاموز　　کہ او با صد تجلّی در حجاب ست

وہ دنیا کی سرگرمیوں کو اصل ماؤں کی ذات کو قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کی ذات امینِ ممکنات ہے، اور انقلاب انگیز مضمرات کی حامل۔ جو قومیں ماؤں کی قدر نہیں کرتیں، ان کا نظام زندگی سنبھل نہیں سکتا:

جہاں را محکمی را امہات ست　　نہادِشاں امینِ ممکنات ست
اگر این نکتہ را قومے نداند　　نظام کاروبارش بے ثبات ست

وہ اپنی صلاحیتوں اور کارناموں کو اپنی والدہ محترمہ کا فیض نظر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آداب واخلاق تعلیم گاہوں سے نہیں ماؤں کی گود سے حاصل ہوتے ہیں:

مرا داد این خرد پرور جنونے　　نگاہ مادرِ پاک اندرونے
ز مکتب چشم و دل نتوان گرفتن　　کہ مکتب نیست جز سحر و فسونے

وہ قوموں کی تاریخ اور ان کے ماضی وحال کو ان کی ماؤں کا فیض قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ماؤں کی پیشانیوں پر جو لکھا ہوتا ہے وہی قوم کی تقدیر ہوتی ہے۔

خنک آن ملتے کز وارداتش قیامت ہا ببیند کائناتش
چہ پیش آید چہ پیش افتاد او را توان دید از جبینِ اُنہاتش

وہ ملت کی خواتین کو دعوت دیتے ہیں کہ ملت کی تقدیر سازی کا کام کریں اور ملت کی شام الم کو صبح بہار سے بدل دیں۔ اور وہ اس طرح کہ گھروں میں قرآن کا فیض عام کریں کہ جیسے حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ نے اپنی قرآن خوانی سے ان کی تقدیر بدل دی اور اپنے فن ولہجہ کے سوز وساز سے ان کے دل کو گداز کر دیا تھا:

ز شام ما برون آور سحر را بہ قرآن باز خوان اہلِ نظر را
تو می دانی کہ سوز قرأت تو دگرگون کرد تقدیر عمرؓ را

اقبال معاشرتی اور عائلی زندگی میں ماں کے مرکزی مقام کے قائل ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ خاندانی نظام میں جذبۂ امومت اصل کا حکم رکھتا ہے۔ اسی کے فیض سے نسل انسانیت کا باغ لہلہاتا رہتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جس طرح گھر سے باہر کی زندگی میں مردوں کو فوقیت حاصل ہے، اسی طرح گھر کے اندر کی سرگرمیوں میں عورت اور خصوصاً ماں کی اہمیت ہے۔ اس لئے کہ اس کے ذمہ نئی نسل کی داشت وپرداخت اور دیکھ بھال ہوتی ہے۔ انسان کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہوتی ہے۔ ماں جتنی مہذب، شائستہ اور بلند خیال ہوگی، بچہ پر بھی یہ اثرات اتنے ہی مرتب ہوں گے اور ایک اچھی اور قابل فخر نسل تربیت پا سکے گی:

وہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

اقبال کی نظر میں عورت کا شرف و امتیاز اس کے ماں ہونے کی وجہ سے ہے۔ جو قومیں امومت (حق مادری) کے آداب نہیں بجا لاتیں، ان کا نظام ناپائدار اور بے اساس ہوتا ہے، خاندانی امن و سکون درہم برہم ہوجاتا ہے، افراد خاندان کا باہمی اتحاد و اعتماد ختم ہوجاتا ہے، چھوٹے بڑے کی تمیز اٹھ جاتی ہے، اور بالآخر اقدار عالیہ اور اخلاقی خوبیاں دم توڑ دیتی ہیں۔ ان کے خیال میں مغرب کا اخلاقی بحران اسی لئے رونما ہوا ہے کہ وہاں ماں کا احترام اور صنفی پاکیزگی ختم ہوگئی ہے۔

وہ آزادئ نسواں کی تحریک کے اس لئے حامی نہ تھے کہ اسکا نتیجہ دوسرے انداز میں عورتوں کی غلامی ہے۔ اور اس سے ان کی مشکلات آسان نہیں اور پیچیدہ ہو جائیں گی۔ اور نتیجتاً انسانیت کا سب

سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ جذبۂ امومت ختم ہو جائے گا اور ماں کی مامتا کی روایت کمزور پڑ جائے گی۔ اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ جس علم سے عورت اپنی خصوصیات کھو دیتی ہے، وہ علم نہیں بلکہ موت ہے۔ اور فرنگی تہذیب قوموں کو اسی موت کی دعوت دے رہی ہے:

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگِ امومت — ہے حضرتِ انساں کے لئے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن — کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن — ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت

علم او بارِ امومت برنتافت — برسرِ شاخش یکے اختر نتافت
این گل از بستانِ ما نارستہ بہ — داغش از دامانِ ملت شستہ بہ

اقبال کے خیال میں آزادیٔ نسواں ہو یا آزادیٔ رجال یہ دونوں کوئی معنی نہیں رکھتے، بلکہ مرد وزن کا ربط باہمی ایثار اور تعاون ایک دوسرے کے لئے ضروری ہے۔ زندگی کا بوجھ ان دونوں کو مل کر اٹھانا ہے اور زندگی کو آگے بڑھانا ہے۔ ایک دوسرے سے عدم تعاون کے سبب زندگی کا کام ادھورا اور اس کی رونق پھیکی ہو جائے گی۔ اور بالآخر یہ نوع انسانی کا نقصان ہوگا:

مرد و زن وابستۂ یک دیگرند — کائنات شوق را صورت گرند
زن نگہ دارندۂ نارِ حیات — فطرت او لوحِ اسرارِ حیات
آتش ما را بجانِ خود زند — جوہر او خاک را آدم کند
در ضمیرش ممکناتِ زندگی — از تب و تابش ثباتِ زندگی
ارجِ ما از ارجمندی ہای او — ما ہمہ از نقشبندی ہای او

اقبال فرماتے ہیں کہ عورت اگر علم و ادب کی کوئی خدمت انجام نہ دے سکے، تب بھی صرف اس کی مامتا ہی قابل قدر ہے، جس کے طفیل میں مشاہیر عالم پروان چڑھتے ہیں۔ دنیا کا کوئی انسان نہیں ہے جو اس کا ممنون احسان نہ ہو!

وجود زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ — اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی — کہ ہر شرف ہے اسی درج کا دُر مکنوں
مکالمات فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن — اسی کے شعلہ سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں!

آزادیٔ نسواں کی تحریک سے مرد وزن کا رشتہ جس طرح کٹا اور اس کے جو برے نتائج سامنے آئے، اقبال کی نظر میں اس کی ذمہ دار مغربی تہذیب ہے، ''مرد فرنگ'' کے عنوان سے کہتے ہیں:

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا — مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں — گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور — کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے — ہند و یونان ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال — مرد بیکار و زن تہی آغوش

اقبال پردہ کی حمایت میں کہتے ہیں کہ پردہ عورت کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے، وہ پردہ میں رہ کر تمام جائز سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہے اور اپنے فرائض کی انجام دہی کر سکتی ہے کیونکہ خالق کائنات پس پردہ ہی کارگاہ عالم کو چلا رہا ہے، اس کی ذات تو حجاب قدس میں ہے لیکن اس کی صفات کی پرچھائیاں بحر و بر پر پھیلی ہوئی ہیں۔ مولانا آسی نے خوب کہا ہے:

بے حجابی یہ کہ ہر شہ سے ہے جلوہ آشکار
اس پر پردہ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

اقبال عورت کو مخاطب کرتے ہیں کہ:

جہاں تابی ز نور حق بیاموز
کہ او با صد تجلی در حجاب است

وہ پردہ کے مخالفوں کے جواب میں کہتے ہیں کہ پردہ جسم کا حجاب ہے۔ لہٰذا اسے عورت کی بلند صفات اور پنہاں امکانات کے لئے رکاوٹ کیسے کہا جاسکتا ہے؟ اصل سوال یہ نہیں ہے کہ چہرہ پر پردہ ہو یا نہ ہو، بلکہ یہ ہے کہ شخصیت، اور حقیقت ذات پر پردے نہ پڑے ہوں اور انسان کی خودی بیدار اور آشکار ہو چکی ہو:

بہت رنگ بدلے سپہر بریں نے — خدایا یہ دنیا جہاں تھی، وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں میں نے — وہ خلوت نشیں ہے، یہ جلوت نشیں ہے
ابھی تک ہے پردہ میں اولادِ آدم — کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

پردہ کی حمایت و تائید میں اقبال نے ''خلوت'' کے عنوان سے ایک نظم کہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پردہ کی وجہ سے عورت کو یکسو ہوکر اپنی صلاحیتوں کو نسلوں کی تربیت پر صرف کرنے اور اپنی ذات کے امکانات کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے، اس کے ساتھ ہی اسے سماجی خرابیوں سے الگ رہ کر اپنے گھر اور خاندان کی تعمیر کا سامان میسّر آتا ہے، گھر کے پُرسکون ماحول کے اندر اسے زندگی کے مسائل اور معاشرتی موضوعات کو سوچنے سمجھنے کی آسانیاں ملتی ہیں اور اس طرح وہ اپنے اور دوسروں کے لئے بہتر کارگزاری کرسکتی ہے:

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے — روشن ہے نگہ آئینۂ دل ہے مکدّر
بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے — ہوجاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر
آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے — وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر

خلوت میں خودی ہوتی ہے خود گیر و لیکن
خلوت نہیں اب دیر و حرم میں بھی میسّر

ایک بڑا معاشرتی سوال یہ رہا ہے کہ مرد و زن کے تعلق میں بالا دستی (upper hand) کسے حاصل ہو؟ اس لئے کہ دنیا کا کوئی بھی تعلق ہو اس میں کوئی ایک فریق شریک غالب کی حیثیت ضرور رکھتا ہے اور یہ اس کائناتی حقیقت پر مبنی ہے کہ ہر شہ اور ہر انسان ایک دوسرے کا محتاج ہے اور ہر ہر فرد ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے خصوصاً مرد و زن کے تعلقات میں چند چیزوں میں مرد کو عورت پر فضیلت اور اولیّت حاصل ہے، اور یہ بھی کسی نسلی اور صنفی تفریق کی بنا نہیں بلکہ خود عورت کی حیاتیاتی، عضویاتی فرق اور فطرت کے لحاظ کے ساتھ اس کے حقوق و مصالح کی رعایت کے پیش نظر ہے۔

نگرانی اور ''قوّامیت'' ایسی چیز نہیں جو مرد اور عورت دونوں کے سپرد کر دی جاتی یا عورت کو دے دی جاتی۔ اقبال نے مغرب کے نام نہاد'' آزادیٔ نسواں'' کی پرواہ کئے بغیر عورت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی پر زور وکالت کی اور عورت کی حفاظت کے عنوان سے کہا:

اک زندہ حقیقت مرے سینہ میں ہے مستور — کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد!
نے پردہ، نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی — نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا — اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

یہ نظم درحقیقت حدیث شریف "لن یفلح قوم ولّوا علیھم امراۃ" کی ترجمانی ہے۔ اقبال نے

اپنی دوسری نظم میں فرمایا ہے :

جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منتِ غیر — غیر کے ہاتھ میں ہے جوہر عورت کی نمود
راز ہے اس کے تپ غم کا یہی نکتۂ شوق — آتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرار حیات — گرم اسی آگ سے ہے معرکۂ بود و نبود
میں بھی مظلوم نسواں سے ہوں غمناک بہت — نہیں ممکن مگر اس عقیدۂ مشکل کی کشود

اقبال نے اس حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے کہ ''جنت'' ماؤں کے قدموں تلے ہے۔ انھوں نے امومت کو رحمت کہا ہے، اور اسے نبوت سے تشبیہ دی ہے۔ ماں کی شفقت کو وہ پیغمبر کی شفقت کے قریب کہتے ہیں، اس لئے کہ اس سے بھی اقوام کی سیرت سازی ہوتی ہے اور ایک ملت وجود میں آتی ہے:

آن یکے شمع شبستانِ حرم — حافظ جمعیتِ خیر الامم
سیرت فرزندہا از امہات — جوہر صدق و صفا از امہات
آنکہ نازد بر وجودش کائنات — ذکر او فرمود با طیب و صلوٰۃ
گفت آن مقصودِ حرف کن فکان — زیر پای امہات آمد جنان
نیک اگر بینی امومت رحمت است — زآنکہ او را با نبوت نسبت است
شفقتِ او شفقت پیغمبر است — سیرت اقوام را صورت گر است
از امومت پختہ تر تعمیر ما — در خط سای او تقدیر ما
آب بند نخل جمعیت تویی — حافظِ سرمایۂ ملت تویی
ہوشیار از دست برد روزگار — گیر فرزندانِ خود را در کنار

اخیر میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اقبال حضرت فاطمہ زہرا (س) کو ملت اسلامیہ کی ماؤں کے لئے مثالی خاتون سمجھتے ہیں اور جگہ جگہ ان کی اتباع کی تاکید کرتے ہیں کہ وہ کس طرح چکی پیستے ہوئے بھی قرآن پڑھتی رہتی تھیں اور گھریلو کاموں میں مشکیزہ تک اٹھانے پر صبر فرماتی تھیں۔ اقبال کے خیال میں سیرت کی اسی پختگی سے حضرات حسنینؑ ان کی آغوش سے پرورش پاکر نکلے :

مزرع تسلیم را حاصل بتول — مادران را اسوۂ کامل بتول
آن ادب پروردۂ صبر و رضا — آسیا گردان و لب قرآن سرا

فطرتِ تو جذبہ ہا دارد بلند چشم ہوش از اسوۂ زہرا مبند
تا حسینؑ شاخ تو بار آورد موسمِ پیشیں بہ گلزار آورد!

اقبال مسلمان خاتون کو وصیت کرتے ہیں کہ:

اگر پندے ز درویشے پذیری ہزار اُمّت بمیرد تو نمیری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر کہ در آغوش شبّیرؑی بگیری!

اسلام میں عورتوں کے خاص حقوق

مولانا اخلاق حسین قاسمی

مشہور اصولی علامہ شاطبی نے انسان کے پانچ بنیادی حقوق ۔یعنی

۱۔نسل انسانی کا تحفظ، روٹی، پانی، صحت۔

۲۔انسانی جان کا احترام، قتل ناحق کی ممانعت

۳۔انسانی مال و املاک کا احترام

۴۔مذہب اور رائے کی آزادی کا احترام

۵۔عقل وضمیر کی آزادی کا احترام

میں مردوں اور عورتوں کے مشترک حقوق کا تذکرہ کیا ہے اور اسلامی شریعت میں مردوں اور عورتوں کے درمیان اختلافی حقوق کو نظرانداز کردیا ہے۔

انسانی حقوق کے عالمی منشور میں چوں کہ رائے کی آزادی کے حق میں عورتوں کو مردوں کے ساتھ رشتۂ نکاح سے علاحدہ ہونے (طلاق) کا حق بھی شامل کیا گیا ہے جبکہ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ اختیار علاحدگی صرف مردوں کو حاصل ہے، عورتیں اپنی نسوانی فطرت اور ازدواجی معاملات کی نوعیت کے لحاظ سے قطعی طور پر اس اختیار کی اہل نہیں سمجھی جاتیں ہیں اس لیے اس مسلۂ کی خصوصی نوعیت پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

''رسول پاکؐ کی حیات پاک'' کے مشہور مغربی مصنف مسٹر کارائل نے لکھا ہے کہ رسول اکرمؐ کی بعثت ونبوّت کے وقت عیسائی پادریوں میں یہ بحث چل رہی تھی کہ عورت انسان بھی ہے یا نہیں؟

کئی دن کے بحث و مباحثہ کے بعد عیسائی پادریوں نے عورت کو انسان مان لیا، لیکن یہ فیصلہ کیا کہ عورت مرد کا ایک کھلونا ہے اور دل کا بہلاوا ہے، اس سے زیادہ عورت کی کوئی حیثیت وعزت نہیں۔

یہی حال دنیا کی تمام قوموں کے تصورات کا تھا کہ عورت انسانی سماج میں بے حق اور بے حیثیت چیز ہے۔ اسے مردوں کا غلام اور خدمات گذار سمجھو۔

اس عام تاریک ماحول و معاشرہ میں رسول پاکؐ نے وحی الٰہی کی زبان سے مرد اور عورت کے درمیان قانونی مساوات کا اعلان کیا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ [1]

اور دیکھو! عورتوں کے لیے بھی اسی طرح کے حقوق مردوں پر ہیں، جس طرح کے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں (کہ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں) البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک خاص درجہ دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔

مردوں کا یہ خاص درجہ کیا ہے؟

قرآنِ کریم نے مردوں کے اس خاص درجہ کی وضاحت کرتے ہوئے سورۂ نساء میں کہا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا اَنْفَقُوا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ [2]

ترجمہ: مرد عورتوں کے سربراہ اور کارفرما ہیں، اس لیے اللہ نے ان (مردوں اور عورتوں) میں بعض کو بعض پر خاص خاص باتوں میں فضیلت دی ہے۔ نیز اس لیے کہ مرد اپنا مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں۔ پس جو نیک عورتیں ہیں، ان کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شوہروں کی اطاعت شعار ہوتی ہیں اور اللہ کی دی ہوئی حفاظت کی قوت سے وہ شوہر کے پیٹھ پیچھے (خاص طور پر) شوہروں کے حقوق اور ان کی عزت کی حفاظت کرتی ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ نے اس سوال کے جواب میں کہ افضل ترین عورت کون ہوتی ہے، قرآن کریم کے اسی پیغام کو دہرایا ہے کہ:

بہترین عورت وہ ہے کہ جب اس کا شوہر حکم دے، تو وہ اس کی اطاعت کرے اور جب وہ گھر سے دور ہو تو اس کے مال اور ناموس کی حفاظت کرے اور جب وہ اس کی طرف دیکھے تو اس کو خوش کردے۔

قرآن کریم نے مردوں کے لیے قوّام (قائم) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ عربی زبان میں قوّام اور قیّم (قیام سے) اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جو کسی ادارہ یا کسی جماعت کے معاملات کو درستی کے ساتھ چلائے اور اس کی حفاظت کرے، اور اس کی ضروریات پوری کرنے کا ذمہ دار ہو۔

اس آیت میں فضیلت (فضل اللہ) کا لفظ بزرگی اور عزت کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ بڑائی اور

۱۔ بقرہ ۲۲۸ ۲۔ نساء، ۳۴

ذمہ داری کے معنی میں ہے۔ اور مرد کو اپنے خاندان میں یہی حیثیت حاصل ہے کہ وہ خاندان کا بڑا ہے، ذمہ دار ہے۔

قرآن حکیم کے اردو مترجمین میں شاہ عبدالقادر صاحب نے قوام کا ترجمہ حاکم (حکومت) کیا ہے اور یہی لفظ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی اختیار کیا ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے قدیم مذہبی حلقوں میں مرد کے لیے حاکم اور عورت کے لیے اس کے مقابلہ میں محکوم کا تصور پھیلا، حالاں کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے قوام کا ترجمہ حاکم نہیں کیا ہے بلکہ قوام کے عربی مفہوم کو نہایت معنی خیز الفاظ میں ادا کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

مردان تدبیر کارکنندہ مسلط شدہ اند برزنان''

شاہ ولی اللہ سے پہلے فارسی مترجم عبدالقادر جرجانی نے ''مردان کارگزار انند برزنان'' تحریر کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ کے ایک صاحبزادہ، شاہ رفیع الدین صاحب، نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے:

''مرد قائم رہنے والے ہیں عورتوں پر۔''

ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اردو کا خاص لفظ ''سردھرے ہیں'' تحریر کیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ''سربراہ وکارفرما'' کے دو لفظ تحریر کیے۔

مولانا مودودی صاحب نے قوام کا اردو ترجمہ نہیں کیا بلکہ ترجمہ میں قران کریم کا عربی لفظ ہی باقی رکھا۔

شاہ ولی اللہ کے سامنے رشتۂ نکاح کی وہ حیثیت تھی جو قرآن میں بیان کی گئی ہے۔ فرمایا گیا ہے:

وَمِنْ آيٰتِهٖ اَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُوْنَ[1]

سورۂ روم میں اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی چھ (۶) اہم نشانیاں بیان کرتے ہوئے وَمِنْ آيٰتِهٖ کے موثر اسلوب میں دوسرے درجہ کی نشانیاں یہ بیان کیں کہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں ایک نشانی اور قدرت الٰہی کا ایک عجوبہ یہ ہے کہ اس نے ''اے انسانو! تم ہی میں سے تمہارے جوڑے مقرر کردیے تاکہ تم ان جوڑوں سے آرام و سکون حاصل کرو اور خدا نے تمہارے اور تمہارے جوڑوں (میاں بیوی) کے اندر محبت اور ہمدردی پیدا کردی۔ بے شک خدا کی اس تخلیق اور قدرت کے اس نظام میں

۱۔ روم، ۲۱

بڑی بڑی نشانیاں ہیں، غور وفکر کرنے والوں کے لیے''۔

ازواج (جمع زوج) کا ترجمہ اہل فارسی نے (زنان) عورتیں کیا ہے۔ جوڑے کا لفظ شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب نے تحریر کیا ہے اور یہ لفظ حقیقت میں بہترین ترجمانی کر رہا ہے۔

مذکورہ آیت روم (۲۱) کی بہترین تشریح کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمہ کی تفسیر جلد اول (الفاتحہ، ص ۶۱) کا مطالعہ ضروری ہے۔ مولانا آزاد نے قانون فطرت کے اس اہم گوشہ (قانون زوجیت، قانون تزویج) کو قرآنی آیات کے ذریعہ واضح کرتے ہوئے رشتۂ نکاح میں قانون تزویج کی حکمت پر یہ لکھا ہے:

''یہی قانون فطرت ہے جس نے انسان کو دو مختلف جنسوں یعنی مرد اور عورت میں تقسیم کیا اور پھر ان میں فعل و انفعال اور جذب و انجذاب کے کچھ ایسے احساسات ودیعت کر دیئے کہ ہر جنس دوسری جنس سے ملنے کی قدرتی طلب رکھتی ہے اور دونوں کے ملنے سے ازدواجی زندگی کی ایک کامل معیشت پیدا ہو جاتی ہے۔''

قرآن کہتا ہے:

یہ اس لیے ہے تاکہ محبت وسکون اور دو ہستیوں کی باہمی رفاقت اور اشتراک سے زندگی کی محنتیں اور مشقتیں سہل اور گوارا ہو جائیں۔

محبت میں حکومت کیسی؟ محبت مرزا غالب کے اس حاکمانہ جذبۂ دل پر، اس طرح کہ

میں بلاتا تو ہوں اس کو مگر اے جذبۂ دل — اس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

دہلی کے مشہور استاد شاعر داغ دہلوی نے کہا تھا:

دھمکیاں دیتے ہو تم جذبۂ دل کی، اے داغ — بندہ پرور! یہ محبت میں حکومت کیسی؟

مرزا غالب کے ہم عصر حکیم مومن خان مومن نے جذبۂ دل کو حکومت کرنے اور زور آزمانے سے منع کرتے ہوئے کہا:

جذب دل زور آزمانا چھوڑ دے — پائے نازک کا ستانا چھوڑ دے

طلاق کا اختیار مرد کو، اس کی مصلحت

اسلامی شریعت نے جدائی اور طلاق کا حق مردوں کو دیا،عورتوں کو نہیں دیا۔ اس کی نوعیت ایک امریکن دانشور کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ اس نے امریکن دانشوروں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ قانون بنا کر عورتوں کو حق ملکیت سے محروم کردیں کیونکہ عورتیں جب اپنے کاروباری معاملات میں ترقی کرکے اپنے شوہروں سے زیادہ خوش حال ہوجاتی ہیں تو وہ اپنے کم حیثیت شوہروں کے دباؤ سے آزاد ہوجاتی ہیں اور شوہروں کی اطاعت میں نہیں رہ پاتیں۔ لہٰذا اس کا علاج یہ ہے کہ عورتوں سے ملکیت کا حق چھین لیا جائے۔ (ہندوستان ٹائمز ۲۶ فروری ۲۰۰۱)

اسلام نے عورتوں کے بنیادی حق (حق ملکیت) کو قائم رکھتے ہوئے اس مسئلہ کا یہ مناسب اور فطری حل اس طرح عطا کیا ہے کہ رشتہ نکاح توڑنے کا حق مرد کے ہاتھ میں رکھا، تاکہ عورت اس مذہبی اور اخلاقی دباؤ میں مرد کے ناموس کا احترام قائم رکھے اور ازدواجی زندگی کو محبت اور اقامت کے حسن سے آراستہ رکھنے میں مرد کو مکمل تعاون دے۔

خالق فطرت نے مرد اور عورت کو مکمل طور پر مساوی اور برابر پیدا نہیں کیا، بلکہ دونوں کی جسمانی ساخت اور دونوں کے فطری تقاضے الگ الگ رکھے۔ اسی اختلاف کی بنیاد پر مرد اور عورتوں کے درمیان حقوق وفرائض کے اختلاف کی بناء رکھی گئی ہے۔ احقر نے اپنی کتاب ''معاشرے پر عورت کا احسان'' میں عورتوں پر اسلام کے عظیم احسانات کی تفصیل بیان کی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے عورت کو عزت، عظمت اور شرف انسانیت کے تمام حقوق میں مردوں کے برابر رکھا، البتہ بعض معاشرتی مسائل (طلاق، پردہ اور میراث کے حصہ میں بھائی بہن کے درمیان فرق) میں مردوں اور عورتوں کے حقوق میں اختلاف نظر آتا ہے، اور وہ فطری اور معاشرتی تقاضوں کی رعایت ہے۔

معاشرہ پر عورت کا احسان

اسلام نے عورت کو عزت اور عظمت کا جو رتبہ عطا کیا ہے اس کی مثال دوسرے کسی بھی سماجی قانون میں نہیں ملتی۔

ایک عورت کسی مرد کے رشتۂ ازدواج اور تعلق نکاح میں داخل ہوتی ہے تو اس میں عورت کی

آزادانہ رضامندی شامل ہوتی ہے اور مرد کے ذمہ مہر کے طور پر ایک معقول رقم واجب ہوتی ہے جسے فقہائے اسلام نے حق شرع کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یہ مہر کی رقم کسی چیز کا معاوضہ نہیں ہوتی بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تعبیر کے مطابق مہر کی رقم کا تقرر عورت کی اہمیت اور افادیت کے اظہار کے طور پر بیان کیا جاتا ہے اور مہر کی اس رقم کے تقرر میں عورت کو مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے۔

رشتۂ نکاح میں آ جانے کے بعد عورت کا صرف ایک قانونی فریضہ ہوتا ہے اور وہ ہے وظیفہ زوجیت کی ادائیگی میں مرد کے ساتھ تعاون کرنا۔ اور یہ طرفین کی فطری ضرورت ہے۔ اس قانونی فریضہ کے علاوہ عورت گھریلو زندگی میں جو فرائض ادا کرتی ہے وہ اس عورت کا معاشرہ پر تبرع اور احسان ہوتا ہے۔ مرد کے ذمہ مسلم پرسنل لاء نے جو فرائض و واجبات مقرر کیے ہیں وہ نان و نفقہ ہے۔ نان و نفقہ میں حسب حیثیت کھانا، کپڑا اور مکان تین چیزیں شامل ہیں۔

عورت اگر کھانا پکاتی ہے، کپڑے سیتی ہے اور گھر میں جھاڑو دیتی ہے اور بچوں کو صاف ستھرا رکھتی ہے، تو یہ اس کا احسان ہے قانونی فریضہ نہیں ہے۔

بچہ کو دودھ پلانا بھی عورت کے قانونی فرائض میں داخل نہیں ہے۔ اگر کوئی دودھ پلانے والی عورت نہ ہو اور بچہ کے ہلاک ہو جانے کا اندیشہ ہو تب اسے مجبور کیا جاسکتا ہے، اس کے بغیر نہیں، یہ مرد کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کی پرورش کے لئے دودھ پلانے والی انا کا انتظام کرے۔

وظیفۂ زوجیت کی ادائیگی میں مرد تو آسانی کے ساتھ فطری سکون حاصل کر لیتا ہے لیکن عورت کو مرد کی نسل چلانے کے لیے موت و زندگی کی کش مکش سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور کبھی کبھی وہ جاپے اور جنم کی تکلیف میں خدا کو پیاری ہو جاتی ہے۔ مثل مشہور ہے کہ جننا اور مرنا برابر ہے۔

فقہائے احناف میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک گھریلو خدمت کے لیے ایک خادم یا خادمہ کا انتظام کرنا بھی مرد کے ذمہ واجب ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک دو خدمت گزاروں کا انتظام ضروری ہے۔ ایک بازار کے کام کاج کے لیے اور ایک اندر گھر کے کام کاج کے لیے، شوہر اگر غریب ہے تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اسے اس فریضہ سے سبکدوش رکھتے ہیں لیکن امام محمد ہر حال میں شوہر پر خادم کے انتظام کی ذمہ داری عائد کرتے ہیں۔ یہ نان و نفقہ مرد کے ذمہ واجب ہوتا ہے، خواہ عورت بھی مالدار کیوں نہ ہو۔

یہ عورت کے اخلاق اور باہمی محبت پر ہے کہ وہ اپنی نجی کمائی میں سے اپنے گھر پر خرچ کرے

لیکن شوہر اسے مجبور نہیں کرسکتا۔

رسول اکرمؐ، حضرت عائشہ صدیقہ کے بیان کے مطابق گھر کے کاموں میں اپنی ازواج کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اس اسوۂ رسولؐ میں یہ ہدایت پوشیدہ ہے کہ گھر کا عام کام کاج عورت کے قانونی فرائض کا حصہ نہیں، یہ اخلاقی احسان ہے جس میں مرد کو بھی حصہ لینا چاہئے۔

پھر عورت ان اخلاقی احسانات کے باوجود اپنے آپ کو شوہر کے سامنے ایک خدمت گزار کے طور پر کھڑا رکھتی ہے، کبھی سر نہیں اٹھاتی۔

وہ ساس سسر کی خدمت کرتی ہے اور ساس سسر کو اپنے ماں باپ سے زیادہ قابل احترام سمجھتی ہے۔ وہ شوہر کے بھائیوں کو اپنے بھائی بہن سے زیادہ محبت دیتی ہے۔ وہ نندوں کے طعنے سنتی ہے اور درگذر سے کام لیتی ہے۔ وہ گھر میں محنت مزدوری کر کے شوہر کے گھر کو گھر بناتی ہے۔ ایک شریف کوکھ کی بیٹی شوہر کی عزت اور آرام کے لیے اپنے جذبات کو خاک میں ملا دیتی ہے، البتہ وہ عزت اور سکھ کے ساتھ دو روٹیاں چاہتی ہے، وہ ایک فطری کمزوری رکھتی ہے اور اس کمزوری کو اپنی خدمت کے ذریعہ درگذر کے قابل بناتی ہے۔

عورت کے ان اخلاقی احسانات کی روشنی میں اسلام نے شوہر کو ہدایت کی ہے کہ وہ زندگی کی معمولی معمولی شکایت پر عورت کو پریشان نہ کرے کیونکہ وہ عورت اپنے قانونی فریضہ سے اوپر اٹھ کر بطور احسان یہ سارے کام کاج کرتی ہے۔

کھانا پکانے، رشتہ داروں کے گھر جانے یا اپنی تنخواہ شوہر کے ہاتھ پر نہ رکھنے یا زبان چلانے پر شریعت نے شوہر کو عفو و درگذر کرنے کا حکم دیا ہے۔ طیش میں آ کر عورت پر زیادتی کرنا شوہر کی انتہائی غیر اخلاقی اور قابل مذمت حرکت ہوگی۔ ہاں! جب عورت اپنے ناموس کی حفاظت میں غیر ذمہ دارانہ لاپرواہی کا مظاہرہ کرے تو اب اس جرم پر عورت کو علیحدہ کرنے اور طلاق دینے کی اجازت حاصل ہوتی ہے۔ طلاق دینا مرد کے اختیار میں رکھا گیا ہے تاکہ عورت اس کے خوف سے اپنے ناموس کے تحفظ میں پوری ذمہ داری کا ثبوت دیتی رہے۔ طلاق دینا اگرچہ مرد کا ایک طرفہ اختیار ہے مگر معاشرہ کی عام خرابی کے پیش نظر عورت کو یہ اختیار بھی حاصل ہوتا ہے کہ وہ نکاح کے وقت معاہدہ میں علیحدگی کا اختیار خود بھی حاصل کرے جسے تفویض طلاق کہا جاتا ہے۔ طلاق کے بعد عورت شوہر سے مہر پانے کی حقدار ہوتی ہے اور تین مہینہ تک نان نفقہ اور سکونت کے حقوق اسے

حاصل ہوتے ہیں۔ اور جو سامان اور جہیز وہ ساتھ لائی تھی اور جو زیورات اسے چڑھائے گئے تھے، وہ تمام اپنے ساتھ لانے کی حقدار ہے۔

جو سامان استعمال میں آ گیا وہ تو آ گیا مگر جو سامان، کپڑے، زیورات اور برتن بھانڈہ اب تک محفوظ ہے، وہ اسی عورت کا ہے اور وہ اسے ساتھ لے جانے کی مجاز ہے۔ جدائی کے بعد اب شریعت اسلامیہ عورت کو دوسرا گھر آباد کرنے کی ترغیب دیتی ہے، رسول پاکؐ نے طلاق شدہ خاتون کو اپنے حرم میں داخل فرمایا۔

اسلام نے طلاق کے معاملہ میں اخلاقی تقاضوں کی مکمل رعایت کی ہے۔

عورت کو جدا کرنا اگر مشکل بنادیا جاتا ہے تو پھر عورتیں معلق پڑی رہتی ہیں۔ ساتھ رہنا مشکل، مزاجوں کی ناموافقت اور خاندانی الجھنیں اور ناقابل برداشت شرائط اور پابندیوں کے سبب اس عورت کو آزاد کرنا مشکل۔ یہ صورتیں عورت کے لیے بڑی تکلیف دہ ہوتی ہیں۔

اس کے مقابلہ میں اگر طلاق دینا بالکل آسان ہو تو پھر بات بات پر طلاق شروع ہوجائے، اس لئے شریعت نے درمیانی راہ اختیار کی ہے۔ طلاق کے بعد عورت کا بالکل بے سہارا اور بے سروسامان ہونا بہت نادر اور قلیل ہوتا ہے۔ دو چار مثالوں کو دیکھ کر تاحیات نان ونفقہ کی ذمہ داری شوہر پر ڈالنا، ایک ایسی شرط کا اضافہ کرنا ہے جس سے طلاق کے واقعات تو کم ہوسکتے ہیں لیکن عورت کے لئے درمیان میں لٹکنے کی حالت اس سے زیادہ خوفناک بن سکتی ہے۔ اس صورت حال سے زچ ہوکر ہی عورتیں خودکشی کا حربہ استعمال کرتی ہیں۔

اسلام نہیں چاہتا کہ عورت ازدواجی رشتہ کے بغیر ایک منٹ بھی زندہ رہے، عورت کا فطری تقاضا اور سماج میں اس کی ضرورت، اس امر کو لازم قرار دیتی ہے کہ عورت مرد کے ساتھ سماج کی خدمت کرے۔

تاحیات نان نفقہ سے عورت کے لیے بغیر شوہر کے زندگی گزارنے کا راستہ کھلتا ہے اور یہ راستہ ایک عورت کے لئے اور اس کے ماں باپ اور بھائیوں کے لئے بدنامی کا سبب بنتا ہے۔ طرح طرح کی بدگمانیاں راہ پاتی ہیں، اس لیے شادی شدہ عورت کو قرآن کریم نے محصنہ یعنی قلعہ بند اور محفوظ عورت کہا ہے۔

عدالت کے راستہ مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کا معاملہ بڑا سنگین ہے اور اس کی روک تھام کے لئے مسلم معاشرہ پر کنٹرول کرنا ضروری ہے۔

یہ تحفظ نہ تو حکومت کو للکارنے سے حاصل ہوگا اور نہ اخباری بیانات اور احتجاج سے، بلکہ مسلم معاشرہ میں رشتہ نکاح کی اسلامی روح کو زندہ کرنے سے ہوگا۔ قرآن کریم نے اس رشتہ کو محبت اور مودت کا رشتہ قرار دیا ہے۔ یہ رشتہ قانون سے زیادہ اخلاق پر قائم ہوتا ہے، تب ہی اس میں اسلامی روح پیدا ہوتی ہے اور اس کے لیے علمائے کرام اور مشائخ عظام کو ایک مشن کے طور پر میدان عمل میں نکلنا ہوگا۔

عورتوں کے حقوق
مغربی طرز اور قرآنی احکام کے تناظر میں

پروفیسر شاہ محمد وسیم

جس نے انسان کو خلق کیا ہے، وہی اس کی سرشت، اس کی فطرت اور اس پر عائد کی گئی ذمہ داریوں کو خوب جانتا ہے اور انھیں باتوں سے طے ہوتی ہے اس کی ذمہ داری، اس کا کام اور اس کی مسؤلیت۔ اسی خالق نے، جس نے انسان کو پیدا کیا ہے، یہ بھی کہا کہ اِنّی جَاعِلٌ فی العرض خلیفة (میں روئے زمین پر اپنا جانشین مقرر کرنے والا ہوں)۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ خالق حق ہی حق ہے تو انسان کو بھی حق سے محبت ہونی چاہئے، وہ عادل ہے تو انسان کو بھی عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہئے۔ مختصر یہ کہ اسے نیکی وصدق دل کے ساتھ بندگی کے تمام اعمال بجالانا چاہئیں۔ یہ بات مرد اور عورت دونوں پر صادق آتی ہے کیونکہ خدا نے دونوں کو ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے۔

ارشاد ہورہا ہے اَلَّذِی خَلَقَکُم مِّنْ نَفْسٍ وَّاحِدَہ[1] اور یہ کہ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْکُنَ اِلَیْهَا[2] (وہ خدا ہی تو ہے جس نے تم کو ایک شخص (آدم) سے پیدا کیا اور اس (کی بچی ہوئی مٹی) سے اس کا جوڑا بھی بنا ڈالا تاکہ اس کے ساتھ رہے سہے.....) ان آیتوں کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے سے تعاون کرنے اور مل جل کر رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اور چونکہ جنس میں فرق ہے، اس لئے ذمہ داریوں اور مسئولیت میں بھی ان کے اعتبار سے فرق کا ہونا لازمی ہے۔ خدا کی مخلوق بن کر، اس کے اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر دنیا و آخرت کی کامیابیاں حاصل کی جاسکتی ہیں۔ دونوں کو ایمان وعمل کے ساتھ تَوَاصَوْ بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْ بِالصَّبْرِ، پر عمل کرنا چاہئے۔ اس بات کو قرآن نے یہ کہہ کر اور بھی واضح کردیا ہے کہ:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ

۱۔ النساء، آیت ۱ ۲۔ الاعراف، آیت ۱۸۹

الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ، رَسُولَهٗ ط أُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ط إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

(اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ان میں سے بعض کے بعض رفیق ہیں، لوگوں کو اچھے کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور نماز پابندی سے پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور خدا اور رسولؐ کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر خدا رحم کرے گا۔ بیشک خدا غالب حکمت والا ہے۔)[1]

ظاہر ہے کہ جب ثواب میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں تو غلط کاریوں کی سزا دونوں ہی کو ملنا عین عدل ہے۔ مثلاً یہ کہ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ[2] (زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو (۱۰۰۔۱۰۰) کوڑے مارو)۔

مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ جب عورت اور مرد دونوں پر کارہائے دنیا و آخرت کا بوجھ ڈالا جارہا ہے تو ان کو حقوق بھی ملنے چاہئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک اسلام نے عورتوں کو بھی حقوق سے مالا مال کیا ہے۔ ان کے حقوق ان کی خلقت کے رموز، ان کی ذمہ داریوں اور ان کے مقام و حیثیت کے مترادف ہیں۔

آج صحن عالم میں مغربی تہذیب کے زیرِ اثر جب بھی عورتوں کا اور ان کے حقوق کا ذکر ہوتا ہے تو بلا جھجک برابری (Equality)، مکمل آزادی (Complete Freedom) اور آزادانہ پسند (Free Choice) پر زور دیا جاتا ہے، جیسے کہ ان کا کوئی واسطہ اپنے مذہب، اپنی ثقافت، اپنے خاندان اور اپنے معاشرہ سے نہیں ہے!

مندرجہ بالا بیان کی روشنی میں ہم عورتوں کے حقوق کا ذکر مغربی تہذیب اور اسلام کی رو سے کریں گے:

مغرب اور عورتوں کے حقوق:

بقول Will Durant ''انیسویں صدی یا اس کے آس پاس (کے زمانہ) تک عورتوں کو شاید ہی وہ حقوق میسر تھے، جن کا قانون کی رو سے عزت کرنا مردوں پر لازم تھا۔''[3]

۱۔ التوبہ، آیت ۷۱ ۲۔ النور، آیت ۲

3. Until 1900 or so a woman had hardly any rights which a man was legally bound to respect.
The Pleasures of Philosophy, New York, 1953, p.131

عورتوں کی حالت میں بہتری اپنے انداز میں صنعتی انقلاب کے ساتھ ساتھ نمودار ہوئی اور وہ اس طرح کہ ''یہ (عورتیں) مردوں کے مقابلہ میں سستی کارگر (cheap labour) تھیں۔ نوکری دینے والے انھیں بمقابلہ مردوں کے جو زیادہ گراں اور نافرمان ہوتے تھے، نوکر رکھنے کو ترجیح دیتے تھے۔'' اس طرح جبکہ مردوں کے لئے اسامیاں کم یا مفقود تھیں، انھیں مردوں سے کہا جاتا تھا کہ وہ اپنے بچوں اور عورتوں کو نوکری پانے کے لئے فیکٹریوں میں بھیج دیں۔ لہٰذا عورتوں نے کمائی تو شروع کردی، مادّی وسائل بھی بڑھ گئے مگر خاندانوں پر، جو خوش حال اکائیوں کی طرح تھے، ضرب لگنے لگی۔ پھر بات آگے بڑھی۔ زن و شو، عورت اور مرد کے حقوق کی بات نے یہ صورت اختیار کی کہ ۱۸۸۲ میں انگلستان میں قانون پاس ہوا کہ عورتیں جو پیسہ خود اپنی محنت سے کمائیں گی، اسے اپنے پاس رکھ سکیں گی۔[1] بقول Will Durant انگلستان میں مل مالکوں نے اپنی مشینوں پر کام کرنے والی عورتوں کی خدمات حاصل کرلیں اور اسطرح انھیں منافع کمانے کی غرض سے ''گھر کی جان کنی سے نکال کر کارگاہ کی غلامی میں ڈال دیا۔''

پھر اسی منافع کی ہوس کے تحت اشتہارات پر نظر کیجئے: ٹیلیویژن پر نگاہ کیجئے اور عریانیت اور نیم عریانیت پر آنکھ بند کیجئے اور سوچئے کہ یہ کون سا نظریۂ حقوق نسواں ہے؟ ایسی حالت میں اگر عورت یہ نہ کہے کہ ہمیں وہیں پہنچا دیا جائے جہاں ہمیں عورت کہا جائے، تو تعجب کی بات ہے؟

انھیں Will Durant نے لکھا ہے کہ اگر ہم اپنے آپ سے سوال کریں کہ بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی میں انسانی واقعات کا سب سے واضح پہلو کیا تھا، تو ہم دیکھیں گے کہ یہ نہ تو جنگ عظیم تھی، نہ روسی انقلاب بلکہ عورتوں کے رتبہ میں تبدیلی تھی۔ تاریخ نے اتنی دھلا دینے والی تبدیلی، اتنے کم عرصہ میں شاید ہی کبھی دیکھی ہو۔ ''پاک گھر'' ہمارے سماجی نظام کی بنیاد تھا، شادی کی رسم جو آج آدمی کی شہوت اور غیر مستقل (مزاجی) کے لئے ایک باندھ کی صورت میں تھی، پیچیدہ اخلاقی ضوابط جو انسان کو حیوانیت سے تہذیب اور فروتنی کی طرف بلند کرتے تھے، سب بظاہر اس ہیجانی تبدیلی میں کھو گئے، جو ہمارے اداروں، ہمارے تمام وسائل زندگی اور ہماری تخیل پر چھا گئی ہے۔

---

[1] قرآن میں اعلان موجود ہے لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (مردوں کو اپنے کئے کا حصہ اور عورتوں کو اپنے کئے کا حصہ) النساء، آیت ۳۲

اور یہ سب ایک سوچی سمجھی مادّیت پرستی کا نتیجہ ہے۔ خاندان، اس کا نظم ونسق اور نسوانیت سب پر ضرب عورتوں کو ان کے حقوق دلوانے کے نام پر لگتی گئی۔ عورتوں کے ساتھ ہر طرح کی ناروائی رہبید بھاؤ کے انسداد کی قرار داد (Convention on the Elimination of all Forms of Discrimination against Women) پر نظر کیجئے تو آپکو معلوم ہوگا کہ یہ قرارداد جنسیت کے علامات کو کالعدم قرار دیتی ہے، اس کی تمام تر توجہ حقوق پر ہے، ان حقوق کی ذمہ داری سے مطابقت کئے بغیر۔ اسی طرح وہ بے روک (Liberal) آزادی کی بات کرتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ (اپنی مرضی سے) عصمت فروشی، لازمی جنسی تعلیم، کنٹراسیپٹیو (Contraceptive) برائے ضبط حمل کی عام فراہمی، وغیرہ کی بات بھی کرتی ہے اور یہ سب عورتوں کے حقوق کے نام پر۔

آج صورت حال اور بھی بگڑ گئی ہے۔ خاندان ٹوٹ چکے ہیں، شادی رسم فرسودہ قرار دے دی گئی ہے، شاید اس لئے کہ عورت اور مرد کو ذمہ داریوں کا بوجھ نہ اٹھانا پڑے۔ اسی لئے یک وتنہا ماؤں (Single Mothers) اور غیر شادی شدہ جوڑوں (Unmarried Couples) نے گھروں، کو 'آباد' کر رکھا ہے۔ ماں بننے سے انکار کی صورت بھی ہے۔ سوال یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں اولاد سے جو محبت ودیعت کی گئی ہے، اس کا کیا ہوگا؟ بے راہ روی، ایڈس (Aids)، ٹوٹ چکے اہل خاندان انسانی معاشرہ کے لئے خطرہ ہیں کہ نہیں؟ مغرب کے ترقی یافتہ ملکوں سے سوال کیا جاسکتا ہے؟

جہاں تک عورتوں کے حقوق کا سوال ہے، بیسویں صدی کے اوائل تک مختلف مغربی ممالک نے اس پر کوئی توجہ نہ دی تھی۔ ۱۹۱۸ء میں انگلستان میں اور اس کے بعد ۱۹۲۰ میں امریکہ میں پہلی بار انھیں حق رائے دہندگی اور انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت دی گئی۔ اس کے بعد ۱۹۴۸ء میں عالمی اعلامیہ برائے انسانی حقوق (Universal Declaration on Human Rights) عورتوں کے ساتھ ہر طرح کی ناروائی رہبید بھاؤ کے انسداد کی قرارداد (Convention on the Elimination of all Forms of Discrimination against Women) ۱۹۸۱ میں منطبق ہوئی۔

پھر عورتوں کے حقوق کی محافظت کے سلسلہ میں اقوام متحدہ نے متعدد کانفرنسوں کا انعقاد بھی کیا ہے: میکسیکو سٹی کانفرنس، ۱۹۷۵ء، کوپن ہاگن کانفرنس، ۱۹۸۰ء، نیروبی کانفرنس، ۱۹۸۵ء، بیجنگ کانفرنس ۱۹۹۴ء اور نیویارک کانفرنس ۲۰۰۰۔ مگر اس کے باوجود خود مغرب یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ

وہاں عورتوں کو ان کے تمام حقوق باعتبار جنسیت خاطر خواہ طور پر مل رہے ہیں۔‘‘ ایک غیر سرکاری عورتوں کی تنظیم نے جسے امریکی مدرس آرگنائزیشن (American Mothers' Organisation) کہا جاتا ہے، اپنے ویب سائٹ (Website) پر کہا ہے: ’امریکیوں کو آگاہ ہوجانا چاہئے کہ ماں بننے، اور مذہب اور ملکی سالمیت پر خطرہ خود ان کے گھروں تک آن پہنچا ہے۔‘‘[۱]

اس کے برخلاف اسلام نے عورتوں کو ان کے حقوق عین مطابق فطرت، جنسیت کے اعتبار سے ان کی ذمہ داریوں، ان کی نشوونما اور ترقی کے پیش نظر عطا کئے ہیں۔

سب سے پہلے تو حقِ زندگی ہے کہ آج آلات (Ultrasound) کے ذریعہ جنس کا تعین ہوتے ہی لڑکی ہونے کی صورت میں حمل کو ضائع کردیا جاتا ہے۔ ایام جاہلیت میں عرب بھی انھیں مار دیتے تھے لہٰذا قرآن نے اس گناہ کو اسطرح بیان کیا کہ:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۙ بِاَیِّ ذَ م نْبٍ قُتِلَتْ [۲]

جارج جرداق (George Jordac) نے اپنی کتاب صوت العدالة الانسانیه (ندائے عدالت انسانی) میں لکھا کہ ’’اے لوگوں! لڑکیاں ہی تمہاری طرح کی مخلوق ہیں، انھیں زندہ درگور کیوں کرتے ہو؟ یہ محمدؐ کی آواز تھی‘‘۔ اس طرح پیغام خداو رسولؐ لڑکیوں اور عورتوں کو حق زندگی کی ضمانت دیتا ہے۔

پرورش کی منزل میں، چاہے لڑکی ہو یا لڑکا، والدین کو ذمہ دار قرار دیا گیا ہے، یہاں تک کہ جیسا کہ حضرت علیؑ نے کہا ہے، کہ انھیں ایک خوبصورت نام دینے کے لئے بھی۔

پھر شادی کی منزل میں عورتوں کے حقوق کا تحفظ اس طرح کیا گیا ہے کہ قرآن اعلان کر رہا ہے کہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ لَایَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا [۳] (اے ایمان والوں! تم کو یہ جائز نہیں ہے کہ عورتوں سے زبردستی (نکاح کرکے) وارث بن جاؤ) اس کا مطلب یہ ہوا کہ عورت پر ذمہ داری بھی عائد ہے اور اسے حق بھی دیا گیا ہے کہ وہ اپنا فیصلہ سوچ سمجھ کر کرے کیوں کہ اسے ایک خاندان کی نشوونما بھی کرنی ہوگی، تہذیب انسانی اور اقدارِ اعلیٰ کے تحفظ کے لئے۔ اس طرح عورت سے بغیر اس کی مرضی کے شادی کرنا ممکن نہیں ہے۔

۱۔ دیکھئے طوبیٰ کرمانی کا مضمون ’’Convention on Elimination of all Forms of Discrimintion against Women‘‘

۲۔ التکویر، آیات ۸۔۹ (اور جس وقت زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے بدلے ماری گئی؟)

۳۔ النساء آیت ۱۹ (قبل اسلام عرب اس بیہودہ رسم پر کاربند تھے کہ جب ان کے یہاں لڑکی پیدا ہوتی تھی تو مفلسی کے ڈر سے یا پھر شرم سے وہ اسے یا تو مار ڈالتے تھے یا پھر پشمینہ کا لباس پہنا کر ریوڑ چرواتے تھے، یا زندہ درگور کر دیتے تھے۔ یہ آیات اسی مظلوم لڑکی کو مدعیہ بنا کر اس رسم سے باز آنے اور صنف نازک کی اہمیت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

پھر اس کی زرّی اور معاشی فلاح و بہبود کا سوال آتا ہے: قرآن نے عورت کو حق مہر دے دیا، یہ کہہ کر کہ:

وَاٰتُوا النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ط فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا[1]

(اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی خوشی دے ڈالو پھر اگر وہ خوشی خوشی تمہیں کچھ چھوڑ دیں تو شوق سے نوش جان کھاؤ پیو)

اور یہ مہر اسی کا ہے، اس پر کسی دوسرے کا حق نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس کے مربی اور والدین میں سے بھی کسی کا اس پر حق نہیں ہے۔

جہاں تلک میراث کا سوال ہے، قرآن نے اس میں بھی عورتوں کا حق رکھا ہے۔ قرآن کا اعلان ہے کہ .....وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ط نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا[2]

(اور ماں باپ اور قرابتداروں کے ترکہ میں کچھ حصہ خاص عورتوں کا بھی ہے، خواہ ترکہ کم ہو یا زیادہ، حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔)

اب یہاں پر دوسری آیتوں میں ترکہ میں لڑکیوں اور عورتوں کے حصہ کے مردوں کے مقابلہ میں نصف ہونے کو لے کر حقوق زن میں کمی کی آواز اٹھائی جاتی ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ اسلام شادی پر زور دیتا ہے۔ اس طرح ہر خاندان سے بیاہ کر جانے والی کا اتنا ہی حصہ ہوتا ہے۔ جتنا دوسرے خاندان سے بیاہ کر اس خاندان میں آنے والی کا حصہ۔ اور ہر خاندان میں مرد کی ذمہ داری، اس کا خاندان سے رشتہ اور مالی ذمہ داریاں، یہ سب اس پر عورت کے بمقابل زیادہ معاشی ذمہ داریوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ قرآن نے ترکہ میں وارثوں میں سے سب کے حصے تفصیل سے طے کر دیئے ہیں، ان میں لڑکیاں اور عورتیں بھی شامل ہیں۔

یہ بھی حکم ہے کہ "جب (ترکہ کی) تقسیم کے وقت (وہ) قرابتدار (جن کا کوئی حصہ نہیں ہے) اور یتیم بچے اور محتاج لوگ آ جائیں، تو ان کو بھی کچھ اس میں سے دے دو، اور ان سے اچھی طرح بات کرو۔"[3]

۱۔ النساء، آیت ۴۔ ۲۔ ایضاً، آیت ۷۔

۳۔ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ○ (النساء، آیت ۸)

زندگی کے مختلف موڑوں پر انسان سے اس کے فیصلوں میں غلطی ہوسکتی ہے۔ مگر زندگی میں بعض موڑ ایسے آتے ہیں جہاں فیصلے بہت ہی سوچ سمجھ کر لینے چاہئیں، انسان کی زندگی میں مسئلہ شادی بھی اسی نوعیت کا ہے۔ مگر غلطی تو ہو ہی جاتی ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ باوجود تمام کوشش کہ مذہب کی رو سے خیالات و جذبات میں ہم آہنگی نہ ہو! لہٰذا خالق نے طلاق کی اجازت دی ہے۔ لیکن ساتھ ہی طلاق سے کراہت کا اعلان ہے۔[۱] اور طلاق کی شرائط بھی سخت ہیں کہ پہلے میل جول کی کوشش کرنا چاہئے۔ پھر اگر بات نہ بنے تو دو بار طلاق دیا جاسکتا ہے، اور ہر بار رجوع کیا جاسکتا ہے لیکن اگر تیسری بار طلاق دے دیا تو بغیر حلالہ کے نکاح نہیں ہوسکتا۔ مندرجہ ذیل آیت میں عورتوں کو بھی حق ہے کہ خلع حاصل کرسکتی ہیں۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ص فَاِمْسَاكٌ ۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ ۢ بِاِحْسَانٍ ط وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ط فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ط تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ لا فَلَا تَعْتَدُوْهَا ج وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۲

(طلاق (رجعی جس کے بعد رجوع ہوسکتی ہے) دو ہی مرتبہ ہے اس کے بعد یا تو شریعت کے موافق (عورت کو) روک ہی لینا چاہئے یا حسن سلوک سے (تیسری دفعہ) بالکل رخصت (کردینا چاہئے) اور تم کو یہ جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انھیں دے چکے ہو، اس میں سے پھر کچھ واپس لو مگر جب دونوں کو اس کا خوف ہو کہ خدا نے جو حدیں مقرر کر دی ہیں ان کو دونوں (میاں بیوی) قائم نہ رکھ سکیں گے تو پھر اگر تمہیں (اے مسلمانوں) یہ خوف ہو کہ یہ دونوں خدا کی (مقرر) کی ہوئی حدوں پر قائم نہ رہیں گے تو اگر عورت مرد کو کچھ دے کر اپنا پیچھا چھڑائے (خلع کرائے) تو اس میں ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ یہ خدا کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ پس ان سے آگے نہ بڑھو اور جو خدا کی مقرر کی ہوئی حدوں سے آگے بڑھتے ہیں، وہی لوگ ظالم ہیں)۔

لہٰذا طلاق ایک مشکل مسئلہ ہے، اجازت تو ہے مگر خدا کو ناپسند ہے، پھر ایک ہی مرتبہ جلدی جلدی تین بار طلاق کیسے دیا جاسکتا ہے (کہ جو امر خدا کو ناپسند ہے اسے اتنی جلدی طے کردینے کی اجازت کیونکر ہوسکتی ہے؟) لہٰذا ایک طرح سے یہ بات بھی عورتوں کے حق میں ہے۔ اب اگر تیسری بار طلاق

۱۔ ملاحظہ ہو الاحزاب کی ۳۷ ویں آیت ۲۔ البقرہ، آیت ۲۲۹

دے دیا تو شوہر مشکل منزل میں آ جائے گا۔ اس طرح پروردگار عالم نے جذبات بے جا پر روک لگائی ہے۔ فیصلہ کرو تو سوچ سمجھ کر اور حتمی ورنہ مندرجہ ذیل آیت میں دیئے گئے حکم کا اطلاق ہوگا:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ ط فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَآ إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ ط وَتِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ [1]

(" پھر اگر تیسری بار بھی عورت کو طلاق (بائین) دے تو اس کے بعد جب تک دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے، اس کے لئے حلال نہیں۔ ہاں! اگر دوسرا شوہر (نکاح کے بعد) اس کو طلاق دے دے تب البتہ ان میاں بیوی پر باہم میل کر لینے میں کچھ گناہ نہیں ہے، اگر ان دونوں کو یہ گمان ہو کہ خدا کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے۔ اور یہ خدا کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں جو وہ سمجھدار لوگوں کے واسطے صاف صاف بیان کرتا ہے۔")

اور اگر طلاق کے بعد باپ اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہے تو اس کے لئے حکم ہے کہ

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ط وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ط [2]

(اور (طلاق دینے کے بعد) جو شخص اپنی اولاد کو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے تو اس کی خاطر سے مائیں اپنی اولاد کو پورے دو برس دودھ پلائیں۔ جس کی وہ اولاد ہے (باپ) اس پر ماؤں کا کھانا کپڑا دستور کے مطابق دینا لازم ہے)۔

عورتوں کے حقوق میں انھیں علم کا بہم پہنچانا اور اس کے لئے سہولتیں فراہم کرنا بھی ہے۔ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ علم کا حاصل کرنا تمام مسلمین و مسلمات پر فرض ہے۔ اور قرآن کا یہ ارشاد هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو جائیں گے؟) علم کی اہمیت پر دلیل ہے۔ اسلام عقل و علم اور عدل و امن کا مذہب ہے، اسی لئے علم کی تلقین کی ہے" جبکہ عرب دنیا میں ترقی ہوئی ہے۔" مگر باوجود خدا و رسولؐ کے علم کو برتری عطا کرنے کے دنیائے عرب میں" ۷۰ میلیون ناخواندہ لوگوں میں سے دو تہائی عورتیں اور بچے ہیں"۔

اسلام نے عورتوں کے حقوق اور ہر طرح کی تقویت پر زور دیا ہے، لہٰذا ہمیں اس ضمن میں ذمہ

۱۔ البقرہ آیت ۲۳۰۔ ۲۔ البقرہ آیت ۲۳۳۔

داری سے اپنا کردار نبھانا چاہئے۔ دنیا حقوق نسواں کی بات کر کے اسکے حصول کے لئے اپنی تمام تر کوششیں کرتے ہوئے، اس بات پر اپنا تمام تر زور صرف کر رہی ہے، کہ عورت کو اسکا حق ملے۔ اس سمت میں سرگرم افراد کو مرد و عورت کی خلقت،اور جنسیت کے اعتبار سے ان میں فرق کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔

عورتوں کے مقام و منزلت پر اقوام متحدہ کمیشن کے پچاسویں اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے U.N.O. کی ڈپٹی سکریٹری جنرل، Louise Frechette نے کہا کہ ''آج عالمی برادری آخرش اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ سارے عالم کی لڑکیوں اور عورتوں کو طاقت و توانائی عطا کرنا ہی کسی ملک کی ترقی کے لئے مؤثر آلہ کار ہے۔'' یعنی ان کو ان کے تمام حقوق دے کر، نہ کہ انھیں تاجرانہ فوائد اور مادّی حصول کی خاطر برابری (Equality)، ہر طرح کی پوری آزادی (Complete Freedom) اور آزادانہ پسند (Liberal Choice) کے نعروں سے مسحور کر کے اور انھیں ان کی جنسیت، اس کے تقاضوں اور ذمہ داریوں سے ہٹا کر ایک ایسی آزادی کا اسیر کر کے بے دست و پا چھوڑ کر، کہ جس کے آگے بکھری ٹوٹی شخصیتیں اور خاندان اور محبت و شفقت سے محروم جوانوں کی پوری نسل ''عدل'' ''عدل'' کا نعرہ لگاتی ہوئی نظر آئے۔ اور بے راہ روی کا شکار ہو کر گم کشتہ منزل ہو کر رہ جائے اور وہ بھی اس طرح کے تمام انسانی اقدار اعلیٰ اور عظمتوں کو خود پائمال کرتا ہو۔

جمہوری اسلامی ایران میں

خواتین کے حقوق و فرائض کا منشور

خداوند عالم کی ذات پر مکمل ایمان و اعتقاد کے بموجب اور جامع اسلامی شریعت اور اس کے قانونی نظام کے مطابق خواتین کے حقوق و فرائض کے منشور کی تدوین اسلامی جمہوریہ ایران میں کی گئی ہے تاکہ خواتین کو ذاتی اور سماجی اعتبار سے ان کے حقوق و فرائض سے آگاہ کیا جائے اور ان کو اسکا پیروکار بنایا جاسکے۔ اس منشور میں دین مبین اسلام نے عورتوں پر جو ذمہ داریاں عائد کی ہیں اور انہیں جو حقوق فراہم کئے ہیں، ان کو یکجا کردیا گیا ہے۔ یہ دستاویز ایرانی آئین اور اسلامی جمہوریہ کے بانی امام خمینیؒ اور رہبر معظم انقلاب اسلامی آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ای کے اقوال و ارشادات پر مبنی ہے، اور اس میں گذشتہ ۲۰ سالہ اسلامی نظام حکومت کے دوران معاشرہ میں عورتوں کو ان کے حقوق کی بحالی اور فراہمی کے سلسلہ میں نیز معاشرہ میں انہیں عدل و انصاف دلانے کے لئے جو قوانین یا جس سیاسی حکمت عملی سے کام لیا گیا ہے، اس کی جھلک پوری طرح نمایاں ہے۔ اور اس میں جو کمی رہ گئی ہے اس کی طرف بھی واضح اشارہ موجود ہے۔ یہ منشور وسیع النظری کے ساتھ ترتیب دیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اس میں بنیادی اور اختیاری حقوق و فرائض اور حمایتی حقوق نیز تمام انسانوں کے درمیان مشترکہ حقوق کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

ایران کے اسلامی جمہوری نظام میں خواتین کے فرائض و حقوق کا یہ منشور شورئ عالی انقلاب فرہنگی کے فرائض کی دفعات ۱ اور ۱۸ کی بنیاد پر ایک ایسے سند کی حیثیت سے مرتب کیا گیا ہے کہ سماجی اور ثقافتی امور میں سیاسی خطوط اور راہ و روش کا تعین کرتے وقت اس کی طرف رجوع کیا جاسکے۔ یہ منشور ۳ مستقل حصوں، ۵ ابواب اور ۴۸ دفعات کا حامل ہے اور شورئ عالیہ انقلاب فرہنگی نے اپنے اجلاس شمارہ ۵۴۶ مورخہ ۱۳۸۳/۶/۳۱ کے دوران اس کو منظوری عنایت کی ہے۔ تمام متعلقہ اداروں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ عورتوں کے سلسلہ میں وہ جب کبھی کوئی سیاسی حکمت عملی طے کریں یا ان کے لئے کسی قسم کی کوئی منصوبہ بندی کریں یا فیصلہ لیں تو اس منشور میں درج

اصول وقواعد کی پیروی کریں۔ یہ منشور اسلامی جمہوریہ ایران اور بین الاقوامی اداروں میں عورت کے مقام ومرتبہ کے تعین اور تعارف میں بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔

تبصرہ: خواتین کی سماجی اور ثقافتی کاؤنسل کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس منشور کی منظوری کے بعد وہ دو سال میں ایک بار ایرانی خواتین کی موجودہ حالت کا تجزیہ کرنے کے بعد عورتوں کی ترقی کیلئے اٹھائے گئے قدم اور ان کے حقوق کی خلاف ورزی پر مشتمل ایک مفصل رپورٹ شوریٰ عالیہ انقلاب فرہنگی کے پاس روانہ کرے۔

پہلا حصہ: ایران کا اسلامی جمہوری نظام اور عورتوں کے حقوق وفرائض کا منشور

منشور کے بارے میں بعض اہم نکات

۱۔ اس منشور میں حق کا مطلب توانائی، امتیاز اور حفاظت ہے اور ذمہ داری میں وہ فرائض شامل ہیں جو عورت دوسروں کے لئے انجام دیتی ہے۔

۲۔ ایسے امور جن کا تعلق بحیثیت فریضہ سماج کے دیگر افراد سے ہے اور ان فرائض کی انجام دہی کا فائدہ خواتین کو حاصل ہورہا ہے، ان کا ذکر عورتوں کے حقوق کی فہرست میں کیا گیا ہے اور عورتوں کے سلسلہ میں دوسروں کی ذمہ داری اور فرائض کو براہِ راست بیان کرنے سے پرہیز کیا گیا ہے۔

۳۔ اسلامی قوانین میں جہاں کہیں افراد کو خداوند عالم، اپنی ذات، معاشرہ اور کائنات کے سلسلہ میں ذمہ دار قرار دیا گیا ہے وہاں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ خواتین کی ذمہ داریوں کو بھی بیان کردیا جائے۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ فریضہ کی انجام دہی کے سلسلہ میں عام حالات کے فقدان کی (مثلاً عقل، بلوغ ارادہ وغیرہ کی کمی) صورت میں عورتوں پر بھی کوئی ذمہ داری باقی نہ رہ جائے گی۔ اس ضمن میں کلمہ حق یا مسئولیت کے استعمال کے ساتھ متعلقہ مسئلہ سے خواتین کے ارتباط کی نوعیت کو نمایاں کردیا گیا ہے۔

۴۔ کوشش کی گئی ہے کہ خواتین کے تمام حقوق وفرائض جو چاہے عورتوں اور مردوں کے درمیان مشترک ہوں یا صرف عورتوں کے لئے مخصوص ہوں، مکمل وضاحت کے ساتھ پیش کردیئے جائیں۔ اس کی دلیل ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔

الف۔ بین الاقوامی اداروں اور تنظیموں میں عورتوں کے انسانی حقوق کے سلسلہ میں بحث ومباحثہ کا

سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ان اداروں سے وابستہ افراد ان انسانی حقوق کو ثابت کرنے میں لگے ہوئے ہیں جو عورتوں کے سلسلہ میں مغربی نظریہ کے مطابق ہیں اور دوسری طرف دنیا کے مختلف ممالک گوناگوں ثقافتوں کی بنیاد پر عورتوں کے انسانی حقوق کے سلسلہ میں مختلف نظریہ اور طریقۂ کار کے حامل ہیں۔ ایسے حالات میں یہ ضروری تھا کہ اس منشور میں جو ایران کی اسلامی جمہوری حکومت کے طریقۂ کار کا ترجمان ہے، عورتوں کے انسانی حقوق کو اس انداز سے پیش کیا جائے کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان مشترک حقوق کا ذکر اور عورتوں کے خصوصی حقوق کا ذکر الگ الگ ہوجائے تاکہ یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے کہ ایران کی اسلامی جمہوری حکومت خواتین کے لئے کن فرائض و حقوق کی حمایت کرتی ہے؟

ب۔ اسلامی افکار و عقائد کے مطابق خواتین اور مرد اپنے انسانی حقوق میں بالعموم مشترک ہوتے ہیں لیکن جہاں تک اس پر عمل درآمد کا سوال ہے، اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ ناروا برتاؤ اختیار کیا جائے لہٰذا تاکید کے لئے ان حقوق کو حقوق خواتین کی فہرست میں بھی درج کردیا گیا ہے۔

ج۔ چونکہ یہ منشور فقط خواتین کے حقوق کی وضاحت پیش کرنا چاہتا ہے لہٰذا سماج کے دیگر افراد کے حقوق کا ذکر اس میں شامل نہیں کیا گیا اگرچہ تمام قوانین اور سیاست کے عملی مرحلہ میں سماج کے ہر طبقہ کے حقوق کی طرف توجہ دینا بھی لازمی ہوگا۔

۵۔ یہ منشور حقوق کے تعلیمی مرحلہ کی وضاحت پیش کرنے نہیں جارہا ہے لہٰذا یہ بات لازمی ہے کہ مقامی قوانین کے بموجب اس پر عمل درآمد کی ضمانت فراہم کی جائے۔

۶۔ اور چونکہ یہ منشور فقط قوانین کی وضاحت پیش نہیں کرنے جارہا ہے بلکہ اس کا مقصد ایک فرہنگ و ثقافت کی تعمیر و ایجاد بھی ہے لہٰذا بعض ایسے اخلاقی مسائل کو بھی عورتوں کے فرائض و حقوق کی فہرست میں شامل کردیا گیا ہے جن پر عمل درآمد کرنا لازمی ہے۔

۷۔ منشور میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ تاحدِ امکان مجموعی اور بنیادی حقوق و فرائض کا ذکر کردیا جائے اور ان کے مصادیق کے ذکر سے پرہیز کیا جائے لیکن جہاں کہیں بعض حقوق یا فرائض سے وابستہ مصادیق داخلی تہذیب یا بین الاقوامی اختلافات و تنازعات کی وجہ سے لازمی وضاحت کے متقاضی ہیں، وہاں ان کی مکمل وضاحت پیش کردی گئی ہے۔

۸۔ منشور کے ڈھانچہ میں خواتین کے حقوق و فرائض کو استقرائی طور پر مندرجہ ذیل صورت میں تقسیم کر دیا گیا ہے:

انفرادی حقوق، خانوادگی حقوق اور سماجی حقوق : سماجی حقوق کو موضوع کے مطابق حق سلامتی، ثقافتی حقوق، اقتصادی حقوق، سیاسی حقوق اور عدالتی حقوق کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

۹۔ منشور نے خواتین کے سلسلہ میں ایران کے اسلامی جمہوری نظام کے نقطۂ نظر کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے، جو اسلامی جمہوری نظام پر حاکم شیعہ فقہ اور ایران کے اسلامی جمہوری نظام حکومت کے مطابق ہے اور خواتین کے مسائل کے سلسلہ میں اس منشور کو دیگر اسلامی ملکوں سے گفتگو کا محور قرار دیا جاسکتا ہے اور اس گفتگو کے نتیجہ میں ایسی سند کی تالیف و تدوین کے سلسلہ میں موثر قدم اٹھایا جاسکتا ہے جس کو جملہ اسلامی ملکوں کا مکمل تعاون حاصل ہو اور جس کو متفقہ اسلامی منشور کی حیثیت سے بین الاقوامی سطح پر پیش کیا جاسکے۔

۱۰۔ اگرچہ منشور کی تمام دفعات پر اسلامی شرعی اصولوں کی حکومت ہے لیکن اگر کسی حق یا فریضہ کے سلسلہ میں کسی وجہ سے بھی شرعی اصولوں کی پیروی پر تاکید کرنا ضروری معلوم ہوا تو اس عبارت کا ذکر دوبارہ بھی کر دیا گیا ہے۔

۱۱۔ چونکہ یہ منشور فقط خواتین کے حقوق و فرائض کی وضاحت پیش کرنا چاہتا ہے لہٰذا ایسے شخص یا ادارہ کا نام نہیں دیا گیا ہے جو اس کے حق عمل درآمد کا ذمہ دار ہے۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ سند خواتین کے سلسلہ میں قانون سازی، منصوبہ بندی اور سیاست گذاری کی بنیاد قرار پائے گی۔

دوسرا حصہ : بنیادی اصول و عقائد

ایران کے اسلامی جمہوری نظام میں عورتوں کے حقوق و فرائض کا یہ منشور جامع اور معتدل اسلامی شریعت سے الہام کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں معنوی اور مادی پہلوؤں کی متوازن اور ہم آہنگ ترقی کی زمین ہموار کرنے کیلئے تشکیل دیا گیا ہے تاکہ خواتین اپنی انسانی کرامتوں کو ذمہ دارانہ آزادی کی برکتوں اور رعنائیوں کے ساتھ اور حقوق و فرائض کے درمیان تناسب کا خیال رکھتے ہوئے، آگے بڑھا سکیں۔

ایک خالق و مبداء ہستی کی حیثیت سے خداوند عالم کی معرفت اور اس کی ذات پر مکمل اعتقاد و

ایمان پر بھروسہ کرتے ہوئے، شریعت کو اس کی ذات سے مخصوص جانتے ہوئے، اس کی بارگاہ میں سر تسلیم خم کرتے ہوئے، اس کے احکام کی پیروی اور قرآن و سنت اہلبیتؑ کی پیروی اور زمان و مکان کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے عقلی دلائل کے ذریعہ احکام الٰہی کی تفسیر کے ساتھ، اسلام[۱] سے مطابقت نہ رکھنے والی فکری آمیزشوں سے پرہیز کے ساتھ، اور اغیار کے مقابلہ میں ثقافتی خودفروشی، فکری علیحدگی اور دیگر خرافات سے دوری اختیار کرتے ہوئے، اس منشور کی تدوین عمل میں آئی ہے۔ لہٰذا اس میں اسلامی اصول وضوابط کی روشنی میں عورت کے مقام و مرتبہ کو پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ ان اسلامی اصولوں سے ملت اسلامیہ ایران کے گہرے لگاؤ کی جھلک صاف ظاہر ہوتی ہے اور ملت ایران کی دلی خواہش بھی یہی رہی ہے۔

منشور کا بنیادی اصول اس بنیادی ایمان و اعتقاد پر استوار ہے کہ مذہب اسلام میں عورت و مرد فطرت و سرشت ۲، مقصد تخلیق ۳، حصول استعداد و امکانات ۴، اقدار کے حاصل کرنے والے امکان ۵، ارزش و اقدار کی راہ میں پیش قدمی ۶، جنسیت سے قطعۂ نظر نیک اعمال کی جزا ۷ وغیرہ میں خداوند عالم کی نظر میں یکساں ہیں اور فقط علم و دانش کے سایہ میں ہمہ جہت انسانی ترقی ۸، تقویٰ الٰہی اور ایک شائستہ معاشرہ کی ایجاد کے سلسلہ میں ایک دوسرے پر فضیلت و برتری کے حامل ہیں۔

دوسری طرف عورت و مرد جسمانی اور نفسانی خصوصیات کے اعتبار سے تفاوت و اختلاف کے حامل ہیں۔ یہ تفاوت و اختلاف انسانی زندگی کے دوام کے راز کی حیثیت سے خداوند عالم کی حکمت پر مبنی ہیں، جن سے منسجم کلیت کی تشکیل عمل میں آتی ہے تاکہ ان دونوں کے باہمی روابط میں فکری اور جذباتی تناسب برقرار رہ سکے اور معقول انسانی زندگی ممکن ہوجائے اور اس کو دوام بھی حاصل ہوجائے۔ لہٰذا مرد وعورت کے درمیان یہ فطری فرق و اختلاف ہی درحقیقت ان دونوں کو مختلف حقوق کا حامل بنا دیتا ہے جو عدالتِ خداوندی پر مبنی ہے۔ چنانچہ اسکو عورت کی اہمیت میں کمی یا مرد وعورت کے درمیان ظالمانہ سلوک کا باعث قرار دینا بالکل غلط ہے۔ مختلف قسم کے حقوق کی وجہ سے دونوں میں سے کسی ایک کی اہمیت وعظمت میں کمی کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔

۱۔ بقرہ، ۱۲۰، انعام، ۵۷ ۲۔ اعراف، ۱۸۹ ۳۔ ذاریات، ۵۶، ملک، ۲ ۴۔ جاثیہ، ۱۳، نحل، ۷۸، شمس ۸۔ ۷ روم، ۳۰، مایدہ، ۲۰، ابراہیم، ۱ ۵۔ احزاب، ۳۵ ۶۔ تحریم، ۱۱۔ ۱۲، فرقان ۷۴ ۷۔ زلزلہ، ۷۔ ۸ ۸۔ بقرہ، ۲۸۸

انسانی حقیقت کی روشنی میں مرد وعورت کے باہمی اشتراک کی وجہ سے اسلامی نظام حقوق میں اکثر امور و معاملات میں مرد وعورت یکساں حقوق اور فرائض کے حامل دکھائی دیتے ہیں۔ اگر بعض امور میں مرد وعورت کے حقوق وفرائض کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ انمیں سے کسی ایک کو دوسرے پر امتیاز وفضیلت حاصل ہے، بلکہ خاص حقوقی عناوین کی موجودگی میں مرد وعورت کو ان کے مخصوص کردار کی وجہ سے مخصوص حقوق وفرائض سے آراستہ کیا گیا ہے، کیونکہ ان کے درمیان تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ فرق و اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خانوادہ کو سماج کی اصل ترین بنیاد کا درجہ حاصل ہے اور خانوادہ کی مادّی ومعنوی موجودگی اور سلامتی اسی اختلاف کے ذریعہ ممکن ہے، کیونکہ انسان کی پیدائش و پرورش کا حقیقی مرکز یہی خانوادہ ہوا کرتا ہے۔

باب اول: عورتوں کے انفرادی حقوق وفرائض

۱۔ایک عمدہ اور مکمل جسمانی حیات سے مالا مال ہونے کا حق اور ہر طرح کے مظالم،حوادث اور بیماریوں سے اس جسم کو محفوظ رکھنے کی ذمہ داری۔

۲۔ ہر طرح کی عزت وآبرو سے مالا مال ہونے کا حق اور دوسروں کے ساتھ محترمانہ سلوک کرنے کی ذمہ داری۔

۳۔حق آزادی فکر اور ذاتی اعتقاد کی وجہ سے ہر طرح کی عدم سلامتی اور تعرض سے ان کا بچاؤ۔

۴۔ ایمان وتقویٰ کے سلسلہ میں انفرادی حق وفریضہ اور اعتقادوعمل میں ان کے باطنی تکامل کی حفاظت۔

۵۔عورتوں کی جان، دولت اور حیثیت کی حفاظت اور ان کی مخصوص زندگی کے سلسلہ میں غیر قانونی رکاوٹوں کو ختم کرنا۔

۶۔سماجی انصاف سے بذات خود مالا مال ہونے کا حق اور جنسیت کو نگاہ میں رکھے بغیر قانونی عمل درآمد۔

۷۔ انفرادی نام رکھنے کی سہولت اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا حق اور اس طرح ان کے نسب میں بھی کوئی پھیر بدل کو ناممکن بنانا۔

۸۔ ایرانی شہری ہونے کا حق ہر عورت کے لئے لازمی ہے اور وہ اپنی مرضی سے اپنی قومیت کو سلب کرنے کی درخواست دے سکتی ہے۔

۹۔ اسلامی مذاہب کی پیروی کرنے والی خواتین یا سرکاری اعتبار سے شناخت شدہ مذہبی اقلیتوں کو اپنے دینی مراسم وتعلیمات انجام دینے کی آزادی اور قانونی دائرہ میں اپنے مذہب کے آئین کے مطابق

مخصوص ذاتی حالات کی حفاظت کی آزادی کا حق۔

۱۰۔ ایرانی خواتین کو اپنی پسندیدہ پوشاک اور مادری زبان کے استعمال کی آزادی اور ایسے مقامی آداب ومراسم کے انجام دہی کی آزادی جو اخلاق حسنہ سے مغایرت نہ رکھتے ہوں۔

۱۱۔ دوسروں کے حقوق کے اعمال کی توجیہہ کے ذریعہ خواتین کو مادّی اور معنوی نقصانات سے محفوظ رکھنے کا حق۔

۱۲۔ مردوں سے الگ اپنی مختلف نسوانی تخلیقی صفات کی حفاظت کا حق اور فریضہ۔

۱۳۔ سالم ماحول حیات سے استفادہ کا حق اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری۔

۱۴۔ لڑکیوں کو والدین کے ذریعہ شائستہ سرپرستی سے مالا مال رکھنے کا حق۔

۱۵۔ لڑکیوں کو مناسب نان ونفقہ کی فراہمی کا حق جس میں شامل ہے رہائش، پوشاک، مناسب صحت مند غذا اور ان کی جسمانی ونفسانی سلامتی کی ضمانت کے لئے رفاہی سہولتوں کی فراہمی۔

۱۶۔ لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کا حق اور ان کی تخلیقی صلاحیتوں کے فروغ کے لئے زمین ہموار کرنا۔

۱۷۔ لڑکیوں کی جذباتی اور نفسانی ضرورتوں کو پورا کرنے کا حق، والدین کے محبت ولطف آمیز اخلاق سے لڑکیوں کو مالا مال رکھنا اور خاندانی شدت پسندی سے ان کی حفاظت کرنا۔

۱۸۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان کسی طرح کے امتیازی برتاؤ کے بغیر ان لوگوں کو ہر ممکن خاندانی امکانات سے مالامال رکھنے کا حق۔

۱۹۔ بے سرپرست اور بدسرپرست لڑکیوں کی ان کے رشتہ داروں یا کفالت کی خواہش رکھنے والوں کے ذریعہ سرپرستی کا حق اور حکومت کی جانب سے ان لوگوں کی حمایت اور نگرانی کا اہتمام۔

۲۰۔ والدین کے احترام اور ان کے شرعی احکام کی پیروی کی ذمہ داری اور تمام خاندان والوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا فریضہ۔

باب دوم: خانوادہ کی تشکیل اور اس کے دوام میں عورتوں کے حقوق وفرائض

۲۱۔ خانوادہ کی بنیادوں کو مستحکم بنانے میں عورتوں کے حقوق وفرائض، شادی شدہ مرد وعورت کے درمیان اختلاف کی روک تھام اور طلاق کی تعداد میں گراوٹ کے لئے قانونی حمایت اور سہولتوں کی فراہمی۔

۲۲۔ مناسب وقت پر شادی کے لئے ثقافتی، سماجی اور اقتصادی امکانات اور سہولتوں سے فائدہ حاصل

کرنے کا حق اور مرحلۂ ازدواج تک ضبطِ نفس کی ذمہ داری۔

۲۳۔ ازدواجی زندگی کے اصول و قوانین اور میاں بیوی کا اپنے حقوق و فرائض سے بخوبی آگاہ رہنے کا حق۔

۲۴۔ شوہر یا بیوی کے انتخاب کے سلسلہ میں مناسب معیاروں سے واقفیت و آگاہی کا حق۔

۲۵۔ ازدواج کے موقع پر دینی اور قانونی اصولوں کی آگاہی و پیروی کا حق و فرض جیسے زن و شوہر کا دینی اور اعتقادی اصولوں پر مکمل اعتماد اور ان کے درمیان یکسانیت۔

۲۶۔ اپنی پسندیدہ شرطوں کو طے کرنے کا حق۔ جس میں شرعی ضوابط کے دائرہ میں عقد و نکاح اور ان شرطوں کو عملی جامہ پہنانے کی ضمانت ہو۔

۲۷۔ قانونی اور سرکاری اداروں میں ازدواج، طلاق اور رجوع یعنی دوبارہ ازدواج کے اندراج کا حق۔

۲۸۔ زوجیت کے زمانہ میں عورت کو مالی حقوق سے استفادہ کا حق۔

۲۹۔ اپنے قانونی شوہر کے ساتھ پاکیزہ اور صحت مند جنسی تعلقات قائم کرنے کا حق و فرض اور مذکورہ صورتحال کی خلاف ورزی پر قانونی شکایت کا حق۔

۳۰۔ مشترکہ سکونت اور حسن معاشرت کا حق و فرض اور شوہر کے ساتھ تعلقات کے دوران نفسیاتی سکون و سلامتی کی فراہمی اور شوہر کی بدسلوکی کے سلسلہ میں اعتراض اور قانونی چارہ جوئی کا حق۔

۳۱۔ گھر والوں کی حمایت و اعانت کے ساتھ اخلاقی، علمی اور معنوی ترقی حاصل کرنے کا حق و فرض۔

۳۲۔ صلۂ رحمی انجام دینے کا حق و فریضہ۔

۳۳۔ بارداری اور حمل کی تنظیم و ترتیب اور کنٹرول کا حق اور اس سلسلہ میں مناسب سہولتوں اور تربیتوں سے فائدہ اٹھانے کا حق۔

۳۴۔ دوران حمل اور شیر دہی، مادّی اور معنوی حمایت سے فائدہ اٹھانے کا حق۔

۳۵۔ جنین کے حقوق کی فراہمی کی ذمہ داری بالخصوص اس کی زندگی اور نشوونما کی حفاظت کا فرض۔

۳۶۔ بچوں کو جذباتی و نفسیاتی سلامتی اور انھیں معیاری دینی و اخلاقی تربیت فراہم کرنے کا حق و فرض۔

۳۷۔ بچہ کی تربیت میں شوہر کی نگرانی اور شرکت سے فائدہ حاصل کرنے کا حق۔

۳۸۔ سن رسیدگی اور بیکاری کے زمانہ میں ماؤں کو ہر طرح کی مادّی اور معنوی سلامتی کا حق۔

۳۹۔عورت کو اپنی استعداد و استطاعت کے مطابق اپنے محتاج والدین کی نگرانی اور انھیں معاش فراہم کرنے کا حق وفرض۔

باب سوم۔ خانوادہ کے انحلال و انتشار کی صورت میں خواتین کے حقوق وفرائض

۴۰۔ دلیلوں کے ساتھ عدالت سے رجوع کرنے کے بعد موافقت کے فقدان کی صورت میں عورت کو شوہر سے جدائی حاصل کرنے کا حق اور قوانین طلاق کی مکمل پیروی کی ذمہ داری۔

۴۱۔ نامردی اور ملاپ کی صلاحیت سے عاجز شوہر سے علیحدگی کا حق لیکن عدالتی کارروائی اور قابل قبول شہادت وگواہی پیش کرنے کے بعد، اور جدائی کے دوران قوانین طلاق کی پیروی کی ذمہ داری۔

۴۲۔ خانوادہ کے انحلال کی صورت میں عورت کو اپنے مادّی حقوق سے استفادہ کا حق اور جدائی کے وقت شوہر کے نیک سلوک سے فائدہ حاصل کرنے کا حق۔

۴۳۔ بچہ کی تحویل کا حق وفرض اور شوہر کی مالی حمایت سے استفادہ اور بچہ کی تحویل کی مدت کے خاتمہ کے بعد عورت کو بچہ سے ملاقات وگفتگو کا حق۔

۴۴۔ عدّت کے دوران عورت کو اپنے حقوق کے پیش نظر فائدہ حاصل کرنے کا حق اور عدّت کے خاتمہ کے بعد دوبارہ شادی کرنے کا حق۔

۴۵۔ اگر شوہر نفقہ کی ادائیگی، تعمیل عدالت اور دیگر حقوق کی فراہمی کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو عورت کو اس کی دوبارہ شادی پر ممانعت کے لئے اس کے خلاف قانونی کارروائی کا حق۔

۴۶۔ بچہ کی تولیت کے سلسلہ میں والدین کی لاپرواہی کے معاملات میں مدنی اور مجرمانہ ذمّہ داری (Civil and Criminal Responsibility)۔اس کے علاوہ والدین کی یہ ذمّہ داری بھی ہے کہ وہ بچہ کے اپنے والدین سے ملاقات کرنے پر ممانعت نہ لگائیں۔

تیسرا حصہ: خواتین کے سماجی حقوق وفرائض

باب اول ۔عورتوں کی جسمانی ونفسیاتی سلامتی کے حقوق وفرائض

۴۷۔ زندگی کے مختلف مراحل میں عورتوں کی خصوصیات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ذاتی، خاندانی اور سماجی زندگی میں ان کو جسمانی اور نفسیاتی سلامتی سے استفادہ کا حق اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری۔

۴۸۔ حفظان صحت (محل کار و دیگر مقامات پر) اطلاعات اور لازمی تربیت سے استفادہ کا حق۔

۴۹۔ سیاست گذاری، قانون سازی، مدیریت، صحت و معالجات کے میدان میں خواتین کی شرکت کا حق اور ان کی نگرانی و سرپرستی، بالخصوص ایسے معالجاتی و حفظان صحت کے معاملات میں جو خصوصی طور پر خواتین کے لئے ہوں اور وہ خواتین کی شرکت اور سرپرستی کے حامل ہوں۔

۵۰۔ خواتین کے جسمانی امراض اور نفسیاتی خلل کے علاج اور بیماریوں کی روک تھام کے لئے مناسب معالجاتی اور بہداشتی سہولتوں اور پروگراموں سے فائدہ حاصل کرنے کے حقوق۔

۵۱۔ صحت و سلامتی خدمات فراہم کرنے والے فرد یا ادارہ کے انتخاب میں عورتوں کا حق : اسلامی ضوابط اور طبّی و علمی معیاروں کی بنیاد پر ایسے مناسب اطلاعات کی فراہمی جو آگاہانہ انتخاب میں معاون ہوں۔

۵۲۔ خاندانی منصوبہ بندی یا بادوری کنٹرول کے سلسلہ میں کئے جانے والے فیصلہ میں عورتوں کو شرکت اور آگاہی فراہم کرنے کا حق۔

۵۳۔ جسمانی تربیت اور سالم تفریحات کے سلسلہ میں تعلیمی اور ورزشی امکانات تک خواتین کا مکمل اور منصفانہ دسترس کا حق۔

۵۴۔ ورزشی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے اور فروغ دینے کا حق، اور اسلامی اصولوں کی پیروی کے ساتھ قومی اور بین الاقوامی سطح کے کھیل میدانوں میں خواتین کی موجودگی۔

۵۵۔ باروری، حملگی، سالم زچگی، ولادت کے بعد بہداشتی مراقبتوں کے لئے ماہر خواتین کی موجودگی سے استفادہ کا حق، خواتین کے مقاربتی امراض اور اس کے بانجھ پن کا علاج اور خواتین کے سرّی امراض کی روک تھام کا حق۔

۵۶۔ ازدواجی امور میں مرد کی مکمل صحت و سلامتی کے سلسلہ میں اطمینان حاصل کرنے کے لئے طبّی معائنہ و مشاورتی خدمات سے استفادہ کا حق۔

۵۷۔ بے سہارا لڑکیوں، مطلقہ یا بیوہ خواتین، سن رسیدہ اور لاوارث، عمومی بیمہ کی محتاج، تعاونی خدمات، صحت و سلامتی کے شعبہ میں حفاظتی اور معالجاتی سہولتوں کی نیاز مند خواتین کے لئے لازمی سہولتوں سے استفادہ کا حق۔

۵۸۔ جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی اعتبار سے مجروح خواتین اور لڑکیوں کا حق اور ان لوگوں کا بھی جو امداد رسانی اور بازآبادکاری کی فراہمی کے بغیر اس نقصان میں مبتلا ہیں۔

۵۹۔ سالم خوراک سے فائدہ حاصل کرنے کا حق، بالخصوص مدت حمل کے دوران، نومولود کو دودھ پلانے والی مدت کے دوران یا کمسن بچوں کی نگرانی اور انہیں غذا فراہم کرنے والی مدت کے دوران: اس زمانہ میں ماں کے دودھ کو ہر ممکن اولیت اور ترجیح دی جائے۔

باب دوم ۔ خواتین کے معنوی اور ثقافتی حقوق وفرائض

الف۔ عام ثقافتی

۶۰۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنے کردار، حقوق اور اپنی شخصیت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور اسے آگے بڑھانے کا حق وفرض بشرطیکہ یہ تمام امور اسلامی تعلیمات کے مطابق ہوں۔

۶۱۔ دوسروں کی زبانی یا عملی تجاوز و زیادتی سے حفاظت کا حق اور سماج کے دیگر افراد کے سلسلہ میں اپنے قول وعمل کو احترام آمیز بنائے رکھنے کی ذمہ داری۔

۶۲۔ اسلامی لباس میں اسلامی احکام پر عمل کے امکانات سے استفادہ کا حق اور معاشرہ میں عفت و پاکدامنی کی پیروی کی ذمہ اری۔

۶۳۔ انسانی اور دینی نقل وحرکت، افکار وعقائد اور اخلاق وعمل کو فروغ دینے کا حق وفرض اور ثقافتی و اخلاقی نقصانات سے حفاظت کی ذمہ داری۔

۶۴۔ عبادتی، ثقافتی اور سیاسی اجتماعات میں شرکت کا حق۔

۶۵۔ سالم ثقافتی سازوسامان اور پروگراموں کی تولید اور ان سے استفادہ کا حق۔

۶۶۔ عورتوں کی ثقافتی سرگرمیوں کو فروغ دینے اور متخصص ومعتمد خواتین کی دوسری خواتین کے ذریعہ تربیت کے لئے اعلیٰ ثقافتی اور ہنری وفنی تنظیموں کی تشکیل اور ان کی مدیریت کا حق۔

۶۷۔ قومی اور بین الاقوامی شعبوں میں تعمیری ثقافتی ارتباطات اور اطلاعات کے تبادلہ کا حق۔

۶۸۔ اسلامی ثقافت ومعارف کی ترویج واشاعت اور قومی وبین الاقوامی سطح پر نمونہ اور 'مثالی مسلمان خاتون' کو پیش کرنے میں خواتین کے حقوق وفرائض۔

۶۹۔ بین الاقوامی سطح پر عورتوں کے مسائل میں دینی اور اخلاقی روش کے ساتھ باہمی رغبت اور میلان پیدا کرنے میں عورتوں کے حقوق وفرائض۔

۷۰۔ فرہنگی امور بالخصوص خواتین کے سلسلہ میں مرتب امور میں نظارت، قانون سازی اور سیاست

گذاری میں خواتین کی شرکت کا حق۔
۷۱۔ سماجی اور ثقافتی آفتوں سے مقابلہ، اولاد کی پرورش و تربیت، گھر اور خانوادہ کی مدیریت و نظامت میں لازمی مہارت و آگاہی حاصل کرنے میں خواتین کے حقوق و فرائض۔
۷۲۔ فرہنگی محصولات میں خواتین کو انسانی عظمت و فضیلت اور حرمت و شخصیت کی حفاظت جیسے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے عورتوں سے متعلق ثقافتی سرگرمیوں میں ان کی لگاتار نگرانی و نظامت کا حق۔
۷۳۔ اسلامی اصول و ضوابط کی پیروی کرتے ہوئے خواتین کے لئے خصوصی ثقافتی مراکز کے اہتمام کا حق۔ اس سلسلہ میں عورتوں کی روحانی و جسمانی خصوصیات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے محروم و پسماندہ علاقوں کو ترجیح دینے کی ضرورت۔
۷۴۔ سماجی مصیبتوں میں گرفتار اور مصیبت زدہ خواتین کی فلاح و بہبود کے لئے نیز ان کی اور سماج کی ثقافتی اور تعلیمی حالت کو بہتر بنانے کے لئے، مناسب حمایت کی فراہمی کا حق۔
۷۵۔ اپنی ایرانی و اسلامی شناخت و ثقافتی آزادی کی حفاظت اور تعلیمی و ثقافتی سرگرمیوں میں قومی ہم بستگی کی نگرانی میں عورتوں کے فرائض۔
۷۶۔ خواتین کے لئے تعلیمی و تربیتی امکانات کی فراہمی اور عملی ترقی اور عمومی سواد آموزی میں خواتین کا حق۔
۷۷۔ بلند ترین علمی و تعلیمی سطح تک اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا حق۔
۷۸۔ بالاترین سطح تک خصوصی تربیتی پروگرام اور حصول مہارت میں عورتوں کا حق۔
۷۹۔ علمی و تعلیمی امور میں محروم مناطق کی عورتوں اور لڑکیوں کے لئے خصوصی حمایت کی فراہمی کا حق۔
۸۰۔ تعلیمی متون اور درسی پروگراموں کی تدوین میں خواتین کے حقوق و فرائض۔
۸۱۔ تعلیمی اور درسی متون میں خواتین کی شان و مقام و منزلت کو نگاہ میں رکھتے ہوئے مناسب اور ان کے کردار سے میل کھاتے ہوئے مرتبہ کی فراہمی کا حق و فرض۔
۸۲۔ علمی و تعلیمی نظامت اور فیصلہ سازی و سیاست کاری میں خواتین کی شرکت کا حق، اور داخلی و عالمی علمی و ثقافتی اجتماعات میں خواتین کی سرگرم و عملی موجودگی۔
۸۳۔ درخشاں استعداد رکھنے والی عورتوں کی صلاحیتوں کی شناخت و حمایت اور ان سے فائدہ حاصل کرنے کا حق اور ملک کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے سلسلہ میں ان کے فرائض۔
۸۴۔ جسمانی اور ذہنی اعتبار سے معذور خواتین کا، ان کے عذر کو مدنظر رکھتے ہوئے، تعلیمی و علمی حمایت کے

ساتھ ہی ساتھ اعلیٰ تعلیم اور تکنیکی تربیت کی فراہمی کا حق تاکہ ان کی صلاحیتوں کو بروئے کار لایا جاسکے۔
۸۵۔ صداقت، امانت اور سماجی مصلحتوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے تحقیق و تالیف و ترجمہ اور اشاعت کتاب نیز قومی و عالمی رسالوں میں مقالات کی اشاعت کا حق۔
۸۶۔ تحقیق میں سرگرم انسانی طاقت کی تربیت اور عورتوں کے مسائل کے بارے میں تحقیق کے لئے لازمی منابع و ماخذ کی فراہمی اور مختلف شعبوں میں کی گئی تحقیقات کے نتائج کی فراہمی کا حق۔
۸۷۔ عورتوں کی علمی و تحقیقی کتب کو دی جانے والی حمایت اور عورتوں کی نظامت کے ساتھ تحقیقاتی مراکز کی وسعت کے لئے ملنے والی حمایت سے فائدہ حاصل کرنے کا انکا حق۔
۸۸۔ تمام دنیا کو عورتوں کے مسائل میں انجام شدہ مثبت دینی اور قومی نعمتوں اور برکتوں کے سلسلہ میں محقق خواتین کے افکار و عقائد سے مطلع کرنے میں عورتوں کی ذمہ داری۔

باب سوم۔ خواتین کے اقتصادی حقوق و فرائض

الف۔ خانوادہ میں مالی حقوق و فرائض

۸۹۔ دائمی ازدواج کی صورت میں شوہر یا اس کے پدر یا فرزند سے عورت کو اپنی ضرورت اور ان لوگوں کی مالی استطاعت کے مطابق نفقہ حاصل کرنے کا حق۔
۹۰۔ متوفّی کے ترکہ میں اور اسلامی قوانین کے مطابق اس کی مالی وصیت میں عورت کا حق۔
۹۱۔ وقف کرنے، وقف قبول کرنے اور اس کا تجزیہ کرنا۔
۹۲۔ مالی معاملات میں وصایت یا وکالت قبول کرنے کا حق۔
۹۳۔ مہر کی رقم کا تعین اور شوہر سے اس رقم کو حاصل کر کے اس کو اپنے مالکانہ تصرّف میں رکھنے کا حق۔
۹۴۔ قانون یا معاہدہ کے مطابق شوہر، والد یا فرزند کی وفات کی صورت میں وظیفہ یا گزارہ رقم حاصل کرنے کا حق۔
۹۵۔ متوفّی ملازم کی بیوہ عورت کی حیثیت سے حق سبکدوشی (Pension) اور قانونی وراثت حاصل کرنے کا حق۔
۹۶۔ اولاد کی مالی تولیت حاصل کرنے کا حق اور ہر فرزند کے مالی حقوق کی نگرانی کے فرائض۔
۹۷۔ مفلسی، طلاق، معذوری، سرپرستی، لاوارثی کی صورت میں لڑکیوں اور عورتوں کو لازمی حمایت

حاصل کرنے کا حق اور انھیں خودکفیل و مالی اعتبار سے فارغ البال بنانے کے لئے لازمی امکانات کی فراہمی کا اہتمام۔

۹۸۔ مطالبہ کی صورت میں امور خانہ داری انجام دینے کے عوض شوہر سے تنخواہ یا حق زحمت حاصل کرنے کا حق، اور عورت کے گھریلو کام کا خانوادہ کے اقتصاد اور قومی آمدنی پر ہونے والے اثرات کی حمایت۔

۹۹۔ شرعی اور قانونی حدود کی پابندی کرتے ہوئے عورت کا اپنی ذاتی اموال اور املاک پر مالکیت کا حق۔

۱۰۰۔ خواتین کو معاہدہ اور جائز یکطرفہ قرارداد منعقد کرنے کا حق۔

۱۰۱۔ ملازمت کے لئے قانونی عمر تک پہنچنے کے بعد کام کرنے کی آزادی، پسندیدہ شغل کے انتخاب کی آزادی اور انفرادی سرمایہ کاری کا حق اور آمدنی حاصل کرنے اور اس کو خرچ کرنے میں اسلامی اصول وقوانین کی پیروی۔

۱۰۲۔ خواتین کی استخدامی اطلاعات نیز تعلیمی مہارت و تربیتی سہولت حاصل کرنے کا حق اور ان امور میں خودکفیل اور سرپرست خانوادہ خواتین کو ہر طرح کی حمایت حاصل کرنے کا حق۔

۱۰۳۔ عورتوں کو عورتوں کے ذریعہ شغلی اور استخدامی مشاورت حاصل کرنے کا حق۔

۱۰۴۔ مردوں کے برابر کام کرنے کی صورت میں مساوی تنخواہ اور دیگر سہولیات کے حصول کا حق۔

۱۰۵۔ شغلی اور اخلاقی حفاظت اور محل کار کی عفت و پاکیزگی کو قائم رکھنے کی ذمہ داری۔

۱۰۶۔ سخت، خطرناک اور نقصان دہ کام سے عورتوں کو معاف رکھنے کا حق۔

۱۰۷۔ قانون و اصول اور عورت کے خانوادہ کو نگاہ میں رکھتے ہوئے (ماں یا بیوی کی حیثیت سے) سہولتوں سے فائدہ حاصل کرنے کا حق اور ملازمت کے دوران ترقی یا سبک دوشی کے سلسلہ میں خواتین کی ذمہ داری۔

۱۰۸۔ اقتصادی سہولیات اور سماجی ضمانت سے فائدہ حاصل کرنے کا حق۔

۱۰۹۔ اقتصادی حکمت عملی، اقتصادی اداروں کی تنظیم وتشکیل و نظامت میں شرکت کرنے اور اداروں کی رکنیت حاصل کرنے میں خواتین کا حق۔

۱۱۰۔ قوانین وقواعد کی بنیاد پر عورتوں کو خون بہا حاصل کرنے یا ادا کرنے کا حق وفرض۔

۱۱۱۔ تجارت واستحصال سے ممانعت اور غیر قانونی یا غیر شرعی مشاغل سے دور رکھنے کے لئے مناسب و کارآمد قانونی حمایت حاصل کرنے کا لڑکیوں اور عورتوں کا حق۔

باب چہارم ۔خواتین کے سیاسی حقوق وفرائض

الف۔ملکی سیاست میں خواتین کے حقوق وفرائض

۱۱۲۔اسلامی نظام کے استحکام وتحفظ کے لئے اور ملک کے بنیادی مقدرات کے تعین میں مشارکت، نقش آفرینی اور حصول آگہی کے حقوق وفرائض۔

۱۱۳۔سماجی امور میں شرکت اور ان پر نظارت تاکہ اخلاقی فضائل ومحاسن اور معنویت کی طرف معاشرہ کی ہدایت ورہنمائی کی جاسکے اور اخلاقی مفاسد سے سماج کو محفوظ رکھا جاسکے۔

۱۱۴۔اصول وقوانین کی پیروی کے ساتھ قلم، بیان اور اجتماعات کا حق۔

۱۱۵۔سیاسی پارٹی اور دیگر سیاسی اداروں کی تشکیل کا حق، اور ملک کے استقلال کی حفاظت، قومی اتحاد اور اسلامی نظام کے مصالح کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اس کی سرگرمیوں میں شرکت۔

۱۱۶۔انتخابات میں شرکت، پارلیمنٹ یا دیگر مجالس شوریٰ کے انتخاب میں شرکت، سرکاری منصوبہ بندی کی پیروی میں شرکت اور اصول وقوانین کی پیروی نیز بلند انتظامی عہدوں پر تقرری کا حق۔

ب۔ عالمی سیاست میں خواتین کے حقوق وفرائض

۱۱۷۔دنیا بالخصوص دنیائے اسلام کے سیاسی مسائل وحوادث سے آگہی کا حق وفرض۔

۱۱۸۔قومی مصالح اور قانونی اصول وضوابط کی پیروی کرتے ہوئے عالمی اور ایرانی خواتین کے درمیان تعمیری سیاسی اطلاعات کے تبادل اور تعلقات کو وسیع بنانے کا حق۔

۱۱۹۔قانونی ضوابط کی پیروی کرتے ہوئے علاقائی یا عالمی سطح پر منعقد ہونے والے اسلامی اجتماعات بالخصوص خواتین کے مسائل پر ہونے والے مذاکرات میں مؤثر اور سرگرم موجودگی کا حق اور فرض۔

۱۲۰۔مسلمان خواتین اور دنیا کے کمزور و پسماندہ بچوں اور عورتوں کے حقوق کی حمایت کے درمیان تعاون وہم بستگی کو مزید مستحکم بنانے کے لئے لازمی کوشش کی ذمہ داری۔

۱۲۱۔ایران میں پناہ گزیں خواتین کو ان کی حفاظت، صحت اور ان کے وطن واپسی کے امکانات کی فراہمی کا حق۔

۱۲۲۔مقررات ومعاہدات کے بموجب دیگر ممالک کے باشندوں کے مقابلہ میں ایرانی خاتون باشندہ کو سرکاری حمایتوں سے فائدہ حاصل کرنے کا حق۔

۱۲۳۔ اصول وقوانین کی پیروی کے ساتھ ایرانی خاتون کی غیر ایرانی مرد کے ساتھ شادی اور تشکیل خانوادہ کے سلسلہ میں قانونی حمایتوں سے فائدہ حاصل کرنے کا حق:

ج۔ دفاعی اور فوجی امور میں خواتین کے حقوق وفرائض

۱۲۴۔ اپنے ملک و مذہب نیز اپنی جان، ملکیت اور عزت و آبرو کے جائز دفاع میں عورتوں کے حقوق وفرائض۔

۱۲۵۔ عالمی عادلانہ صلح کو مستحکم بنائے رکھنے کے لئے کی جانے والی کوشش میں عورتوں کی شرکت کا حق اور ان کا فرض۔

۱۲۶۔ اپنی جسمانی حفاظت کے لئے خواتین کو لازمی حمایت سے فائدہ حاصل کرنے کا حق اور جنگ و فوجی قبضہ و اسارت کے دوران عورتوں کی بے حرمتی کی روک تھام۔

۱۲۷۔ فوجی حملات سے گھروں اور گھر والوں کی حفاظت کا حق۔

۱۲۸۔ شہداء، جانبازان اور دوران جنگ جسمانی اعتبار سے معذور آزادگان کو اسلامی نظام کی خصوصی حمایتوں سے فائدہ حاصل کرنے کا حق۔

۱۲۹۔ شوہر کی شہادت اسارت یا اس کے مفقود الاثر ہوجانے پر اولاد کی تولیت اور اس کی تربیت و نگرانی میں ماؤں کے حقوق وفرائض۔

۱۳۰۔ تعلیم اور قانون نافذ کرنے والے مشاغل سے فائدہ حاصل کرنے کا حق۔

باب پنجم۔ خواتین کے عدالتی حقوق وفرائض

۱۳۱۔ خواتین کو قانونی تعلیمات سے استفادہ کا حق۔

۱۳۲۔ معاشرہ یا خانوادہ میں عورتوں پر ظلم وستم اور ان کے خلاف مجرمانہ حرکتوں کی روک تھام کے لئے عدالتی حمایت اور قانونی تدبیروں سے فائدہ حاصل کرنے کا حق۔

۱۳۳۔ گھریلو جھگڑوں کے حل وفصل میں سہولت، خانوادہ میں صلح و موافقت کی ایجاد اور گھریلو اسرار ورموز کی حفاظت کی خاطر مخصوص گھریلو عدالتوں سے فائدہ حاصل کرنے کا حق۔

۱۳۴۔ ارتکاب جرم، اتہام یا کسی قسم کے تجاوز کی صورت میں خواتین کا خاتون انتظامی اور عدالتی حکام سے رابطہ قائم کرنے کا حق۔

۱۳۵۔ قانون کے مطابق عدالتی اور قانونی مشاغل حاصل کرنے اور اپنے دفاع کرنے کا حق۔
۱۳۶۔ قانونی اداروں اور عدالتی محکموں میں دعوا دائر کرنے اور اپنا دفاع کرنے کا حق۔
۱۳۷۔ جملہ قانونی اداروں یا عدالت گاہوں میں قانونی مشاور یا وکیل کی خدمات حاصل کرنے کا حق۔
۱۳۸۔ خواتین کے خلاف جرم کی زمین ہموار کرنے والے عوامل اور خواتین کے ذریعہ ارتکاب جرم کے سلسلہ میں عدالتی اداروں کی ہمہ جہتی حمایت سے فائدہ حاصل کرنے کا حق۔
۱۳۹۔ قانونی سزا کے علاوہ مہتم خواتین کی انفرادی یا اجتماعی توہین و بے حرمتی سے حفاظت کا حق۔
۱۴۰۔ مجرمانہ ذمہ داری سے خارج ہوجانے والے معاملات میں عورتوں کی سزا کو معاف کردینے کا حق۔
۱۴۱۔ حکم جاری کرنے یا کسی خاص معاملہ میں حکم کی مطابقت میں تقصیر کی وجہ سے عورتوں کی شہرت کی بحالی کا حق اور خواتین کو ہونے والے مادّی ومعنوی نقصان کی تلافی۔
۱۴۲۔ دوران حمل و زچگی اور بیماری کے دوران سماجی مفاسد میں ملوث خواتین کی توبہ اور ندامت والے معاملات میں سزا کی تعمیل یا معافی کے سلسلہ میں قانونی تخفیف حاصل کرنے کا حق۔
۱۴۳۔ ملک کے قوانین کے مطابق قید خانہ کی زندگی کے دوران عورتوں کو اپنے والدین، شوہر اور بچّوں سے ملاقات کا حق۔
۱۴۴۔ قید خانہ کی زندگی کے دوران خواتین کو صحت اور تعلیمی و تربیتی سہولتوں سے فائدہ حاصل کرنے کا حق، تاکہ یہ ان کی باز آبادکاری اور رہائی کے بعد صحت مند سماجی زندگی کی واپسی میں معاون ثابت ہوسکیں۔
۱۴۵۔ مناسب شرطوں کے ساتھ لڑکیوں کو اصلاحی مراکز سے فائدہ حاصل کرنے کا حق۔
۱۴۶۔ عدل و انصاف کی بالادستی اور اپنے حق کے احقاق کی خاطر سرکاری و عدالتی اداروں اور حکومت کی طرف، سے صادر ہونے والے احکام کے خلاف خواتین کا قانونی چارہ جوئی کا حق۔
۱۴۷۔ قانونی وشرعی اصولوں کے مطابق عدالت گاہوں میں شہادت دینے کا حق وفرض۔
۱۴۸۔ بے صلاحیت قانونی سرپرست وولی نیز ان کے حق پر حملہ کرنے والے دیگر افراد کے خلاف عورتوں کو سرکاری وکیلِ مختار (Attorney General) کے ذریعہ عدالتی حفاظت کی سہولت سے فائدہ حاصل کرنے کا حق۔

قرآن شناسی

قرآن حکیم اور مسائل عرفان

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

اسلام آفاقی مذہب ہے، اس مذہب کی نشرواشاعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں انبیاء ومرسلین کو داعی اور ہادی بناکر مبعوث فرمایا۔سب سے آخر میں خاتم الانبیاء سید المرسلین احمد مجتبےٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔ جب تک ظاہری حیات کے ساتھ یہ انبیاء دنیا میں رہے، خلق خدا کو اللہ تعالیٰ کے معارف اور اس کے اسرار کے حصول کی راہیں بتاتے رہے۔سلسلۂ نبوت ختم ہونے کے بعد انبیاء ومرسلین کی یہ داعیانہ وراثت علماء کو ملی، اور وہ اس لئے کہ سلسلۂ نبوت ختم ہونے کے بعد تاقیام قیامت علم اور ارشاد کے سلسلہ کو جاری وساری رکھا جاسکے۔

قرآن حکیم کتاب ہدایت ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِی أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْءَانُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ۔[1]

(لوگوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں) اس کتاب ہدایت کی بہتر تعلیم کے لئے خود ہادی عالم مبعوث ہوئے اور آپ کی بعثت کا مقصد کتاب وحکمت کی تعلیم اور اس کے ساتھ تزکیۂ نفس قرار پایا، قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر واضح لفظوں میں اشارہ ملتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولاً مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ ءَايَتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ [2]

قرآن حکیم کی اس آیت میں تزکیۂ نفس کو اولیت دی گئی ہے، اور بعض آیات میں تزکیہ نفس کے ساتھ کتاب وحکمت کی تعلیم کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ پورے قرآن حکیم میں چھ مقامات پر تزکیہ نفس کا ذکر ملتا ہے۔ ان آیات میں کہیں تزکیۂ نفس کو مقدم اور کہیں کتاب وحکمت کی تعلیم کے بعد اسے بیان کیا گیا ہے۔ بحث یہاں تقدم وتاخر کی نہیں بلکہ یہ ہے کہ جو کتاب ہدایت اللہ کے نبیؐ پر نازل ہوئی، اس میں کارنبوت میں تزکیۂ نفس پر بھی خصوصی زور کیوں دیا گیا ہے؟ اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ

۱۔ البقرہ، ۱۸۵، ۲۔ ایضاً، ۱۵۱

پہلے انسان کے نفس کا تزکیہ کیا جائے اور دل کو صاف وشفاف کر کے آئینہ بنایا جائے تا کہ ''نور الٰہی'' کی شعاعوں سے انسان کا دل مجلّٰی بن سکے اور بندۂ حق اپنے دل کو دنیاوی خرافات کی آماجگاہ نہ بنا کر ''یاد الٰہی'' سے اسے معمور رکھ سکے۔ اللہ کے وہ بندے جو اپنے دل کو ہمیشہ یادالٰہی سے معمور رکھتے ہیں اور علائق دنیا سے بیگانہ ہوکر اپنی بیش قیمت زندگی عبادت وریاضت میں بسر کرتے ہیں، وہی درحقیقت خدا کے مقبول بندے ہوتے ہیں۔ عبادت وریاضت کے متعدد طریقے ہیں، مگر عبادت کا وہ طریقہ جس میں بندہ یہ تصور کرے کہ میں اپنے رب کے حضور کھڑا ہوں، شریعت اسلام میں ''احسان'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجمع عام میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص پیدل چلتا ہوا خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ ایمان کیا ہے؟ فرمایا ایمان یہ ہے کہ اللہ پر اور اس کے سب فرشتوں پر اور اس کے سب رسولوں پر اور اس کی ملاقات پر اور آخر قبر سے اٹھنے پر ایمان لائے۔

اس نے کہا یا رسول اللہ اسلام کیا ہے؟ ''فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے، اس طرح کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اور نماز ادا کرے اور فرض زکوۃ دے اور رمضان کا روزہ رکھے۔''

اس نے عرض کیا یارسول اللہ احسان کیا ہے؟ فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو پھر اس طرح کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔[1]

یہ حدیث بہت طویل ہے اور علماء کے یہاں حدیث حدیث جبرئیل مشہور ہے۔ اس طویل حدیث میں محل نظر یہی آخری جملہ ہے جس کا تعلق 'احسان' سے ہے۔ شارح بخاری مولانا مفتی شریف الحق امجدی نزھۃ القاری میں حدیث کے اس ٹکڑہ کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''یہی تصوّف کی اصل ہے جس کی شرح میں ہزاروں کتابیں لکھی گئیں اور ہزاروں لکھی جائیں گی۔ ان سب کی تفصیل یہ ہے کہ ایمان اصل الاصول ہے۔ اس کی فرع اعمال ہیں۔ اعمال کی ادائیگی کے اعتبار سے تین درجے ہیں:

۱۔ اول حسب تفصیل فقہ شرائط کے ساتھ ارکان ادا کر لئے جائیں۔ اس سے آدمی فرض سے سبکدوش ہوجاتا ہے۔ یہ عوام کیلئے ہے۔

۱۔ بخاری شریف، جلد اول، حدیث نمبر ۳۴

۲۔عبادت میں کم از کم یہ تصور ہو کہ معبود ہمیں دیکھ رہا ہے۔ یہ خواص کا مقام ہے۔
۳۔عبادت میں یہ حضور وشہود ہو گویا عابد معبود کو دیکھ رہا ہے۔ یہ اخص الخواص کا مقام ہے۔[۱]

عبادت کی روح جسے حدیث جبرئیل میں احسان کہا گیا ہے اگر عبادت سے جدا ہو جائے تو محض ظاہری افعال باقی رہ جائیں گے جن میں نہ ذوق ہوگا، نہ نورانیت اور نہ سکون قلب ہوگا اور نہ روحانیت۔"

بقول ڈاکٹر اقبال:

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام　　میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

احسان کا لفظ کوئی اجنبی اور غیر مانوس نہیں ہے، یہ لفظ کتاب الٰہی اور سنت نبوی میں اپنی تعریف اور تمام شعبہ ہائے ضرور یہ کے ساتھ موجود ہے۔ اور احسان کا جو اصل مفہوم ہے، اسی معنی میں قرآن حکیم میں یہ آیات کریمہ موجود ہیں۔

۱۔إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِينَ ☆ كَانُوا قَلِيلاً مِّنَ الَّيْلِ مَايَهْجَعُوْنَ☆ وَبِالْأَسْحَارِهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ☆وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ☆ [۲]

بیشک وہ اس سے پہلے نیک نیکوکار تھے، وہ رات میں کم سویا کرتے اور پچھلی رات استغفار کرتے اور اس کے مالوں میں حق تھا منگتا اور بے نصیب کا۔

۲. تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ☆ هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ☆ اَلَّذِين يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْأٰخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ☆ أُولٰئِكَ عَلٰى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ☆ [۳]

(یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں جو ہدایت اور رحمت ہیں نیکوں کے لئے اور جو نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور آخرت پر یقین لائیں، وہی اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور انہیں کا کام بنا۔)

حدیث جبرئیل سے یہ بات مکمل طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ احسان اسلام میں کسی غیر ضروری شئی کا نام نہیں بلکہ دین کا تیسرا رکن ہے۔ اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ کوئی شخص اسے تسلیم نہیں کرتا تو گویا کہ اس کا دین مکمل نہیں۔احسان ہی کا دوسرا نام تصوّف اور عرفان ہے۔ اس زمانہ میں یہ احسان اسی

۱۔شریف الحق امجدی، نزہتہ القاری، جلد اول، ص ۳۲۲، مطبوعہ دہلی، ۱۹۸۴ء،
۲۔الذاریات، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹
۳۔لقمان، ۲، ۳، ۴، ۵

نام سے متعارف ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کا بھی یہی خیال ہے۔ وہ ازالۃ الخفاء میں تحریر فرماتے ہیں:

''تصوف بعرف شرع نام او احسان است''[۱] (تصوف کو عرف شرع میں احسان کہتے ہیں)

تصوف ایسا علم ہے جس میں نفس کی بیماری کے علاج اور اس کے اسباب سے متعلق بحث کی جاتی ہے تاکہ سالک کو اس قابل بنایا جاسکے کہ وہ مرتبہ فلاح و کمال تک پہونچ سکے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ[۲]

بیشک مراد کو وہ پہونچا، جو ستھرا ہوا۔

تصوف نام ہے صحابہ، تابعین اور سلف صالحین کے اخلاق کا، جن کی اقتداء کرنے اور جن سے ہدایت حاصل کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ طریقت میں شیخ کامل کی صحبت اور اس کی اقتداء بہت ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ[۳] اور اس کی راہ چل جس نے میری طرف رجوع کیا۔ یہ صحبت اس لئے ضروری ہے کہ اس کے باعث سالک کے نفس سے ہر طرح کی رعونت نکل جاتی ہے۔

طریقت میں انسان کی بصیرت روشن ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی ہمت بھی بلند ہوجاتی ہے۔ اللہ کے علاوہ ہر شخص سے اس کا تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کے علاوہ ہر شخص پر سے اس کا اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

طریقت میں ذکر الٰہی کی کثرت ہوتی ہے۔ اور اس سلسلہ میں صحبت شیخ سے استعانت کی جاتی ہے۔ ذکر الٰہی سے دل مذکیٰ ہوتا ہے اور اسے ایسی طمانیت قلب حاصل ہوتی ہے جو دنیا کے کسی کارخانہ میں میسر نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ[۴]

''سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے'' اور اس ذکر کی کوئی حد نہیں۔ جس قدر ذکر الٰہی کیا جائے گا، بندہ کے حق میں مفید ہوگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝[۵]

''اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بولو''

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کے دوسرے دو ارکانوں کی طرح احسان بھی بڑی

۱۔ ولی اللہ دہلوی، ازالۃ الخفاء، جلد ۲، ص ۱۳۲ ۲۔ الاعلیٰ ، ۱۵ ۳۔ لقمان، ۱۵

۴۔ الرعد، ۱۵ ۵۔ الاحزاب : ۴۲،۴۱

اہمیت کا حامل ہے۔تصوّف کے حاملین کو صوفی کہا جاتا ہے۔ ایک صوفی کے لئے جن بنیادی صفات سے متصف ہونا ضروری ہے، ان میں درج ذیل صفات بڑی اہمیت کی حامل مانی جاتی ہیں:

۱۔ اس کا دل صاف ہو۔

۲۔ اپنے نفس کو وہ ہلاک کر چکا ہو۔

۳۔حرص وہوس اور طمع سے جنگ آزمائی کر کے وہ کامیاب ہو چکا ہو۔

۴۔ متبع سنّت ہو۔

۵۔ جاہ دنیا سے متنفر اور بیزار ہو۔

۶۔تمام رشتے توڑ کر صرف اللہ سے اپنا رشتہ استوار کر چکا ہو۔

۷۔ ہر وقت یادالٰہی میں غرق رہتا ہو۔

یہ وہ اہم صفات ہیں کہ اگر ان میں سے کسی ایک صفت سے بھی صوفی عاری ہو جائے تو وہ صوفی کہلانے کا مستحق نہ ہوگا۔

انہی فضائل ومحاسن کی بنیاد پر امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تصنیف ''المنقذ من الضلال'' میں اس طور وطریق کو احسن وافضل قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں :

''اللہ تعالیٰ کے راستہ پر چلنے والے صوفیائے کرام ہی ہیں اور انہی کی سیرت وعادت سب سے افضل وبرتر ہے، انہی کا طریقہ وراستہ سب راستوں سے سیدھا ہے، ذکرالٰہی کے اخلاق سب اخلاق سے پاکیزہ ہیں۔ جو طریق ایسا مقدّس ہو، اس کی پہلی شرط ماسوی اللہ سے دل کا پاک وصاف ہونا اور اس کا پہلا مرحلہ ذکر الٰہی میں دل کا مستغرق ہونا اور اس کا آخری درجہ بالکلیہ فنافی اللہ ہونا ہے۔[۱]

راہ طریقت کے مسافر کے لئے ضروری ہے کہ اس کے دل میں تقویٰ وخشیت ربانی ہو۔ یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب اسے اپنے رب کی یقینی معرفت حاصل ہو کیونکہ معرفت رب کے بعد دل میں تقویٰ کا ہونا ناگزیر ہے۔ جب دل میں تقویٰ ہوگا تو اس کا اثر اس کے اعمال اور طرز عمل پر ہوگا۔ صفات صوفیاء میں تقویٰ اور خشیت ربانی خشت اول کا درجہ رکھتی ہے، اسی لئے قرآن حکیم میں متعدد بار انسانوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ارشاد ربانی تعالیٰ ہے :

۱۔غزالی ،المنقذ من الضلال، مطبوعہ قاہرہ، ص ۳۳

۱۔ یٰأَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمْ وَاخْشَوْاْ یَوْماً لاَّ یَجْزِیْ وَالِدٌعَن وَلَدِهٖ [1]
اے لوگوں اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس میں کوئی باپ اپنے بچہ کے کام نہ آئے گا۔
۲۔ قُلْ یٰعِبَادِ الَّذِینَ ءَامَنُواْ اتَّقُواْ رَبَّكُمْ [2]
اے میرے بندو جو ایمان لائے، رب سے ڈرو۔
۳۔ یٰأَیُّهَا الَّذِینَ ءَامَنُواْ اتَّقُواْ اللّٰهَ وَقُولُواْ قَوْلاً سَدِیداً [3]
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو۔

اسی طرح قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر التقو کے ذریعہ بندوں کے دل میں خشیت پیدا کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کی نہ صرف تلقین کی گئی ہے بلکہ اس کی طرف واضح لفظوں میں اشارہ کیا گیا ہے۔ جو لوگ صاحب تقویٰ ہوجاتے ہیں وہ اللہ کے محبوب ہوجاتے ہیں، اسی لئے متعدد مقامات پر إِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِینَ [4] اور أَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِینَ [5] جیسے الفاظ سے ان کی ستائش کی گئی ہے۔ تقویٰ کا تعلق براہ راست متقیوں کے قلب سے ہے، اس لئے پاکیزگی قلب پر صوفیاء خصوصی توجہ دیتے ہیں۔

صفائی قلب:

صوفی کے صفات میں صفائی قلب کو بنیادی شرط قرار دی گئی ہے صفائی قلب کی یہ عظیم دولت بندہ کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب سالک کثرت مجاہدہ و ریاضت کے ذریعہ کدورت کو دور کرکے دل کو بالکل آئینہ بنالیتا ہے۔ جب بندہ کو یہ کیفیت ہوجاتی ہے تو پھر انوار الٰہی اور تجلیات ربانی کی شعاعیں براہ راست اس کے دل پر منعکس ہونے لگتی ہیں۔ بخاری شریف میں ہے۔

اِنَّ فِیْ الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّه وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّه اَلَاوَهِیَ الْقَلْب [6]
جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، اگر یہ ٹھیک ہے تو پورا جسم ٹھیک ہے، اگر یہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ سن لووہ دل ہے۔

انسانوں کو دیگر مخلوقات پر جو شرف وفضیلت حاصل ہے اس کا سبب معرفت ربّانی کے حصول کی صلاحیت ہے اور یہ معرفت یعنی اللہ تعالیٰ کو پہچاننا، اس سے محبت کرنا، اس کی تجلّیات کا مشاہدہ کرنا، اس کا قرب حاصل کرنا، یہ سب قلب کے کام ہیں۔ باقی تمام اعضاء قلب کے تابع اور اس کے خادم

۱۔ لقمان، ۳۳ ۲۔ الزمر، ۱۰ ۳۔ الاحزاب، ۷۰ ۴۔ التوبہ، ۴ ۵۔ ایضاً، ۱۲۳
۶۔ الجامع الصحیح للبخاری، جلد اول، رضا اکیڈمی، بمبئی، ص ۱۳

ہیں۔ درج بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ قلب بظاہر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے مگر صوفیہ کے نزدیک یہ ایک لطیفۂ روحانی ہے۔ یہی دراصل روح کی حقیقت ہے اور یہی نفس کی باطنی کیفیت بھی۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم میں قلب کی خصوصی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ [1]

بے شک! اس میں نصیحت ہے اس کے لئے جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو۔ قلب کی اس عظمت کا اعتراف امام احمد رضا قادری نے ان الفاظ میں کیا ہے:

دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان گیا [2]

ہلاکت نفس

دوسری صفت صوفی کی ہلاکت نفس ہے۔ علماء نے نفس کے متعدد معانی بتائے ہیں لیکن صوفیاء نے نفس کے جو معانی بتائے وہ اس سے قدرے مختلف ہیں۔ تمام ارباب طریقت کا اس پر اتفاق ہے کہ نفس درحقیقت تمام شر اور برائی کا سرچشمہ ہے، اسی سے کمینہ خصلتیں اور برے افعال ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کے افعال دو طرح کے ہیں: ایک معصیت (نافرمانی) اور دوسرے کمینہ خصائل جیسے تکبر، حسد، بخل، غصہ اور کینہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ وہ تمام باتیں جو عقل اور شریعت کے نزدیک مذموم اور رکیک ہیں، نفس کے اعمال بد ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ کے نبیؐ نے بعثت کا مقصد بندوں کے نفوس کا تزکیہ قرار دیا۔ انھیں تعلیمات نبوی کی روشنی میں ارباب طریقت بھی نفس کی اصلاح کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کی جڑ اور مجاہدہ کی اصل ہے۔ اس کے بغیر بندہ راہ حق نہیں پاسکتا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

۱۔ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى [3]

اور نفس کو خواہش سے روکا، تو بے شک جنت ہی ٹھکانہ ہے نفس کا۔

۲۔ وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي [4]

اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا۔ بے شک! نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب حکم کرے۔

۱۔ ق، ۳۷ ۲۔ امام احمد رضا، حدائق بخشش، رضا اکیڈمی، بمبئی، ۱۹۹۷ء، ص ۲۷، ۳۔ النازعات، ۴۱، ۴۰ ۴۔ یوسف، ۵۳

اتباع سنّت:

یہ صوفیاء اور مشائخ کے یہاں لازمی جز ہے۔ یہ ایسا وصف ہے کہ لاکھ اس کی ذات سے حیرت انگیز کارناموں کا صدور ہو لیکن اگر وہ متبع سنّت نہیں تو وہ کسی حال میں بھی صوفی نہیں ہوسکتا۔

اسی اتباع رسول کو اللہ تعالیٰ نے اپنے سے محبت کی نشانی قرار دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ[۱]

اور اسی پر بس نہیں بلکہ یہ بھی فرمایا کہ جس نے نبیؐ کی اطاعت کی، وہ میری اطاعت کر چکا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ[۲]

اسی وجہ سے صوفیائے کرام نے خصوصیت کے ساتھ اتباع نبیؐ پر توجہ دی ہے۔ مشہور واقعہ ہے کہ حضرت جنید بغدادی کے پاس کوئی شخص مرید ہونے کی نیت سے گیا اور مسلسل ان کی بارگاہ میں ایک ماہ قیام پذیر رہا۔ جب وہ چلنے لگا تو حضرت جنید بغدادی نے آنے کا سبب دریافت کیا تو اس نے کہا میں تو آیا تھا مرید ہونے کی نیت سے مگر میں نے آپ کے اندر کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جو مجھے متاثر کر سکے۔ تو آپ نے فرمایا: تم میرے پاس ایک ماہ رہے، اس مدّت میں تم نے میرا کوئی عمل سنّت کے خلاف دیکھا؟ اس نے کہا نہیں۔ اس طرح اگر صوفیائے کرام کی پوری زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی کس طرح اتباع سنّت مصطفیٰؐ میں بسر کی ہے۔

ذکر الٰہی:

ذکر الٰہی صوفیائے کرام کی روحانی غذا ہے۔ اس کے بغیر ان حضرات کی زندگی کا تصور ممکن نہیں۔ قرآن حکیم میں متعدد آیات درج ہیں، جن میں کثرت ذکر کی ترغیب دی گئی ہے، خواہ وہ ذکر جلی ہو یا ذکر خفی۔ تمام سلاسل میں ذکر حق کے بغیر سالک کو تصوّف کی چاشنی ہرگز نہیں مل سکتی۔ قرآن حکیم میں ہے۔: ۱۔ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ[۳]

اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔

۲۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ☆ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا[۴]

۱۔ آل عمران، ۳۱ ۲۔ النساء، ۸۰ ۳۔ الجمعہ، ۱۰

۴۔ الاحزاب، ۴۱۔۴۲

اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کرو اور صبح وشام اس کی پاکی کا ذکر کرو۔

صوفیائے کرام کے نزدیک ذکر کثیر وہ ہے جو کسی حال میں فراموش نہ ہو۔ یہ ذکر صوفیاء کی اصطلاح میں ''ذکر'' اور 'یادداشت'' سے بھی متعارف ہے:

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰماً وَقُعُوداً وَعَلىٰ جُنُوبِكُمْ [1]

تو اللہ کو یاد کرو کھڑے بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے۔

جو لوگ اللہ کا ذکر تے ہیں اور یاد الٰہی میں ہمیشہ غرق رہتے ہیں، ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالذّٰاكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيراً وَالذّٰاكِرٰاتِ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُم مَغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيماً [2]

اور اللہ کو سب یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں، ان سب کے لئے اللہ نے بخشش اور بڑا ثواب تیار کررکھا ہے۔

اسی وجہ سے صوفیائے کرام نے اپنے آپ کو ہمیشہ یاد الٰہی میں غرق رکھا اور ہمیشہ ببانگ دہل یہ اعلان کرتے رہے کہ

نہ کسی سے کام، نہ واسطہ — مجھے کام اپنے ہی کام سے
ترے ذکر سے، تری فکر سے — تری یاد سے، ترے نام سے

مراقبہ:

ذکر الٰہی میں صوفیائے کرام ذکر جلی اور ذکر خفی دونوں پر زور دیتے ہیں۔ البتہ بعض سلاسل کے مشائخ نے ذکر جلی اور بعض نے ذکر خفی کو مستحسن مانا ہے۔ ذکر خفی کا ایک طریقہ مراقبہ بھی ہے۔ مراقبہ کے ذریعہ خدا کا تصور دل میں جمانے اور پھر اس کے ذریعہ دنیا سے بیگانہ ہوجانے کا سلسلہ تمام مشائخ کے یہاں صدیوں سے ہے۔ اسی عمل کو صوفیاء کی اصطلاح میں مراقبہ کہا جاتا ہے۔ مراقبہ کے لغوی معنی اونٹ کی گردن پر سوار ہوکر یار کی جانب روانہ ہونا اور اصطلاح تصوّف میں دوست کے حضور گردن جھکادینے اور دوست کو نظر میں رکھنے کے مراقبہ کہتے ہیں:

ہر خیالِ غیرحق را وزد دان — این ریاضت سالکان را فرض دان

۱۔ النساء، ۱۰۳ ۲۔ الاحزاب، ۳۵

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ قرآنی آیات کے لفظ کے مفہوم میں اس طرح ڈوب جانا کہ سوائے اس کے کوئی بھی دھیان میں نہ رہے۔ اور اس میں اصل وہی حدیث ہے جس میں اللہ کے نبیؐ نے فرمایا ہے کہ احسان یہ ہے کہ تو عبادت کرے، اللہ کی اس طرح کہ گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اسے نہ دیکھ سکے تو یہ دھیان کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ قرآن حکیم کی معتدد آیات اور الفاظ ایسے ہیں جن پر مراقبہ کیا جاسکتا ہے۔:

مثلاً قرآن حکیم کے یہ الفاظ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ [1]

یعنی اللہ تمہارے ساتھ ہے، جہاں کہیں تم رہو۔ اسکا تصور سالک کرے۔ مراقبہ کرنے پر قرآن حکیم کی یہ آیات دلیل ہیں:

۱۔ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً [2]

بے شک! اللہ ہر وقت تمہیں دیکھ رہا ہے۔

۲۔ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ رَقِيباً [3]

اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

۳۔ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ [4] بے شک تمہارے رب کی نظر سے کچھ غائب نہیں۔

مندرجہ بالا بیان صاف ظاہر کرتا ہے کہ حق تعالیٰ انسانوں کی آنکھوں سے پوشیدہ رہ کر اس کے ہر ہر اعمال، افعال اور حرکات سے واقف ہے۔ انسان کا کوئی عمل اور حرکت وسکون اس سے مخفی نہیں۔

وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود:

صوفیائے کرام میں وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود دونوں نظریہ کے حامل پائے جاتے ہیں۔ فلسفۂ وحدۃ الوجود کے موجد شیخ محی الدین ابن العربی ہیں، جب کہ نظریہ وحدۃ الشہود کے بانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ بتائے جاتے ہیں۔

۱۔ اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ [5] اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔

۲۔ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ [6]

تو تم جدھر منھ کرو ادھر وجہ اللہ (خدا کی رحمت) تمہاری طرف متوجہ ہے۔

۱۔ الحدید، ۴ ۲۔ النساء، ۱ ۳۔ الاحزاب، ۵۲ ۴۔ الفجر، ۱۴

۵۔ النور، ۳۵ ۶۔ البقرہ، ۱۱۵

۲۔ یَآأَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا۔ [۱]

اے ایمان والو! صبر کرو اور دوسروں کو صبر کی تعلیم دو اور کمریں [جہاد کے لئے] کس لو۔

۳۔ إِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَیْرِ حِسَابٍ [۲]

صابروں ہی کو ان کا ثواب بھرپور دیا جائے گا، بے گنتی۔

۴۔ وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ [۳]

بے شک! جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں۔

قرآن حکیم میں ایک سو چار آیات ایسی ہیں جن میں کہیں صراحۃً اور کہیں کنایۃً صبر کے تعلق سے گفتگو کی گئی ہے۔

توبہ واستغفار:

اصطلاح شرع میں ہر شرعی مذموم سے باز رہ کر شرع محمود کی طرف پلٹ آنے کا نام توبہ ہے اور لغوی اعتبار سے توبہ کے معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ صوفیائے کرام کے یہاں ایسی توبہ جو مکروفریب کے شائبہ سے خالی ہو، بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ قرآن حکیم میں ہے۔

یَآأَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا تُوبُوا إِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوحاً [۴]

''اے ایمان والو! اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو لوگوں کو نصیحت ہوجائے'' میں شاید اسی اہمیت کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اے ایمان والو! اللہ کی طرف اس طرح رجوع کرو کہ وہ مکروفریب کے شائبہ سے خالی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے توبہ کرنے والوں کا ذکر قرآن حکیم میں متعدد جگہ کیا ہے۔

۱۔ إِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِینَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِینَ [۵] بیشک! اللہ پسند کرتا ہے بہت ستھرا رہنے والوں کو۔ [۶]

۲۔ وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَیْهِ [۶] اور یہ کہ اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی طرف توبہ کرو۔

۳۔ وَتُوبُوا إِلَی اللّٰهِ جَمِیعاً أَیُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ [۷]

اے مومنو! تم سب توبہ کرو خدا کے حضور میں تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اس طرح قرآن حکیم میں ستاسی آیات ایسی ہیں جن میں مختلف انداز میں بندوں کو توبہ واستغفار

۱۔ آل عمران، ۲۰۰ ۲۔ الزمر، ۱۰ ۳۔ الشوریٰ، ۴۳ ۴۔ التحریم، ۸ ۵۔ البقرہ، ۲۲۲

۶۔ ھود، ۳ ۷۔ النور، ۳۱

ان دونوں آیتوں سے صوفیائے کرام 'وحدۃ الوجود' اور 'وحدۃ الشہود' اور مخلوقات میں اللہ کی تجلی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

توکل

توکل نام ہے اس احساس وشعور کا کہ اللہ تعالیٰ کو زندگی پر مکمل غلبہ واختیار حاصل ہے اور زندگی کی ساری حرکات وسکنات اسی کے تابع ہیں۔ بالفاظ دیگر تمام امور اللہ کے سپرد کردینے اور تدبیر واختیار کی تاریکیوں سے پاک ہونے کو توکل کہتے ہیں۔صوفیاء اور مشائخ نے اسی لئے توکل پر زیادہ زور دیا ہے۔صوفیائے کرام نے جو توکل اختیار کیا اور متوکلانہ زندگی بسر کی، اس کی اصل قرآن حکیم کی یہ آیات ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ [۲]

اور اللہ ہی پر ایمان والے بھروسہ کریں۔

۲۔ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ [۳]

کہو! اللہ میرے لئے کافی ہے، اسی پر بھروسہ کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں۔

۳۔ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ [۴]

اور جو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے، اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا۔

۴۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ [۵]

اور اللہ سے ڈرو اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہئے۔

۵۔ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ [۶]

بے شک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں۔

صبر وشکر

مثل مشہور ہے کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ یہ صرف مثل ہی نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق حقیقت اور واقعیت سے بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱۔ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ [۷] بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

۱۔ شیخ عبدالقادر جیلانی، غنیۃ الطالبین نئی دہلی، ص ۶۵۱۔ ۲۔ التغابن، ۱۳ ۳۔ الزمر، ۳۸
۴۔ الطلاق، ۳ ۵۔ المائدہ، ۱۱ ۶۔ آل عمران، ۱۵۹ ۷۔ البقرہ، ۱۵۳

کے ذریعہ حق کی جانب رجوع کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

فقر و درویشی:

بارگاہ احدیت میں فقر کا بڑا مقام ہے۔ صاحبان فقر کو اللہ تعالیٰ نے خاص منزلت و رحمت سے نوازا ہے۔ داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''فقر و درویشی کا مطلب ہے کہ اس کے پاس مال دنیا میں سے کچھ نہ ہو اور نہ ہی وہ کسی چیز کا متمنّی ہو یعنی اسباب دنیا کی موجودگی سے نہ وہ غنی ہو، اور نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج، بلکہ اسباب کا ہونا نہ ہونا دونوں اس کی نظر فقر میں یکساں ہوں''[۱]

اللہ کے نبیؐ نے اسی فقر کو' الفقر فخری'' سے تعبیر کیا ہے۔ بعض مستشرقین اور تصوف مخالف حضرات کا کہنا ہے کہ فقر و زہد کے جو عناصر صوفیاء میں پائے جاتے ہیں وہ نصرانیت سے ماخوذ ہیں۔ یہ بالکل بے بنیاد اور لغو بات ہے۔ فقروزہد کا اصل مصدر اسلام ہے، نہ کہ نصرانیت یا مجوسیت۔ قرآن حکیم نے صاف لفظوں میں دنیا سے کم سے کم تعلق رکھنے کی تلقین کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِعْلَمُوْا أَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَلَھْوٌ وَزِیْنَۃٌ وَتَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وَتَکَاثُرٌ فِی الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ[۲]

جان لو! دنیا کی زندگی تو کچھ نہیں ہے مگر کھیل کود اور آرائش اور تمہارا آپس میں بڑائی مارنا اور اولاد اور مال میں ایک دوسرے پر زور زیادتی چاہنا۔

سورہ کہف کی آیت نمبر ۴۵ اور سورہ فاطر کی آیت نمبر ۵ اسی مفہوم کی وضاحت میں ہے جس سے اس بات کا عندیہ ملتا ہے کہ فقر و درویشی خالص اسلامی ہے اس کی اصل کتاب وسنّت ہے۔ صاحبان فقر کو اللہ تعالیٰ نے جس قدر ومنزلت سے نوازا ہے اسکی طرف قرآن حکیم نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ أُحْصِرُواْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَایَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْباً فِی الْأَرْضِ یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ أَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُھُم بِسِیْمٰھُمْ لَایَسْئَلُوْنَ النَّاسَ إِلْحَافاً[۳]

ان فقیروں کے لئے جو راہ خدا میں روکے گئے زمین میں چل نہیں سکتے نادان انہیں تونگر سے بچنے کے سبب تو انہیں ان کی صورت سے پہچان لے گا۔ یہ لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ گڑگڑانا پڑے۔

۱۔ شیخ علی ہجویری، کشف المحجوب، رضوی کتاب گھر، دہلی، ص ۵۱ ۲۔ الحدید، ۲۰ ۳۔ البقرہ، ۲۷۳

سرکار دو عالمؐ کی پوری زندگی اس آیت کریمہ کی مکمل آئینہ دار تھی۔ وہ امارت سے دور اور فقر سے قریب تر تھے۔

محبت الٰہی:

وہ کسی غرض ومقصد خاص کی خاطر عبادت الٰہی نہیں کرتے تھے۔ صوفیاء کرام نے سیرت نبوی کی پیروی کی اور فقط خداوند عالم کی خوشنودی کے لئے عبادت کی، کیونکہ جس عبادت وریاضت میں غرض ومقصد شامل ہو، وہ قابل قبول نہیں۔ وہی عبادتیں بارگاہ الٰہی میں مقبول ہیں جو خالص محبت الٰہی کی بنیاد پر ہیں، جیسا کہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلاً [1]

اور اپنے رب کا نام یاد کرو اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو۔

صاحب عوارف المعارف فرماتے ہیں:

''مودّت ومحبت اور باہمی الفت صوفیوں کے اخلاق کا ایک وصف ہے'' [2] یعنی برادرانہ موافقت اور ترک مخالفت۔ خداوندعالم نے اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں اللہ والوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ [3]

(یہ) کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔

اصل شئی وہی ہے جو خدا کی محبت میں کی جائے۔ ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری نے حضرت رابعہ بصری سے دریافت کیا کہ ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ تو حضرت رابعہ نے جواب دیا:

''میں خدا کی عبادت جہنم کے ڈر سے نہیں کرتی، نہ حقیقت کی امید میں کرتی ہوں اگر میں ایسا کروں تو مجھ سے بڑھ کر بدبخت اور بڑا مزدور کون ہوگا۔ میری عبادت کی بنیاد تو صرف یہ ہے کہ میں اپنے معبود سے محبت کرتی ہوں۔ اسی کے شوق میں جیتی ہوں۔''

حضرت رابعہ بصری کے اس خیال وفکر کی بنیاد قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ ہے:

۱۔ المزمل، ۸ ۲۔ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف دہلی، ۱۹۸۶ء، ص ۲۲۴ ۳۔ الفتح، ۲۹

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِۦ فَسَوْفَ يَأْتِى اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُۥٓ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَٰفِرِينَ يُجَٰهِدُونَ فِى سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَآءُ وَاللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ ۱

(ترجمہ) اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ اُن کا پیارا، مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت، اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے دے۔ اور اللہ وسعت والا اور علم والا ہے۔

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کا نفس ہے، یہی نفس جب اہل وعیال کے ساتھ اس طرح زندگی گزارے کہ فرض کی پکار سے کان بند کر لینے کو ترجیح دینے لگے تو اہل وعیال کی محبت بھی اس شخص کے لئے ہلاکت خیز بن جاتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوٓا إِنَّ مِنْ أَزْوَٰجِكُمْ وَأَوْلَٰدِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۲

اے ایمان والو! تمہاری کچھ بی بیاں اور بچے تمہارے دشمن ہیں تو ان سے احتیاط رکھو۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ انسان اپنے دل سے اپنے اہل وعیال کی محبت محو کر دے، بلکہ وہ اپنے خاندان اور اہل وعیال کے ساتھ اس طرح محبت کرے جو اسے فرض کی ادائیگی سے نہ روکے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاعْلَمُوٓا أَنَّمَآ أَمْوَٰلُكُمْ وَأَوْلَٰدُكُمْ فِتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِندَهُۥٓ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۳

جان لو کہ بیشک تمہاری اولاد اور تمہارے بچے آزمائش ہیں اور بیشک اللہ کے پاس اجر عظیم ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَٰلُكُمْ وَلَآ أَوْلَٰدُكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ الْخَٰسِرُونَ ۴

۱۔ المائدہ، ۵۴ ۲۔ التغابن، ۱۴ ۳۔ الانفال، ۲۸ ۴۔ المنافقون، ۹

اے ایمان والو! نہ تمہارے مال نہ تمہاری اولاد، کوئی چیز تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرے اور جو ایسا کرے وہی نقصان میں ہے۔

آخر میں اس مقالہ کا اختتام عربی کے ان دو اشعار سے کرنا چاہوں گا:

علم التصوّف علم لیس یعرفه　　اخوفطنة بالحق معروف

ولیس یعرفه من لیس یشهده　　و کیف یشهد ضو الشمس مکتوف

(علم تصوّف وہ علم ہے جس کو وہی جان سکتا ہے جو صاحبِ عقل سے مشہود ہو۔ جو اسکا مشاہدہ نہیں کرتا ہے، وہ اسے ہرگز نہیں جان سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آفتاب کی روشنی کا اندھا کیسے مشاہدہ کرسکتا ہے؟)

عقاید شناسی

اسلام میں عقل اور تنقید کی اہمیت

محمد رضا حکیمی

قرآن کی نظر میں :

۱۔اور جب کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈرتو، اسے غرور گناہ پر ابھارتا ہے۔ پس ایسے (کمبخت) کے لئے جہنم (ہی) کافی ہے۔ اور بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔(سورہ بقرہ ،آیت ۲۰۶)

حدیث کی نظر میں :

۱۔حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: تمہارے نزدیک منتخب ترین شخص وہ ہو جو تمہیں راہ رشدوکمال پر لے چلے اور تمہارے عیوب تم پر آشکارا کردے۔(غررالحکم، ۲۵۴)

۲۔ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جوشخص تمہارے عیوب کی طرف متوجہ کرے اس نے تمہارے حق میں نیکی کی ہے اور وہ تمہارا خیرخواہ ہے۔(غررالحکم، ۲۶۵)

۳۔حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا: میں اپنے دینی بھائیوں کے درمیان اس شخص کو بہت زیادہ چاہتا ہوں جو مجھے میرے عیوب سے آگاہ کرتا ہے۔ (مستدرک ۲/ ۶۳)

۴۔حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: جوشخص تمہیں دوست رکھتا ہے (وہ تمہیں برے کام انجام دینے سے) منع کرتا ہے اور جوشخص تمہیں دشمن رکھتا ہے،وہ تمہیں برے کام کی طرف اکساتا ہے۔ (بحار ۷۸/ ۱۲۸)

۵۔حضرت امام کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے، مومن مومن کا آئینہ ہے۔ (نوادر ''راوندی'')

۶۔حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ ''صدیق'' دوست کو اس لئے صدیق کہتے ہیں کہ وہ تمہیں اپنے بارے اور عیوب کے سلسلہ میں (صادقانہ) نصیحت کرتا ہے اور تمہارا خیرخواہ ہے۔ پس جوشخص بھی ایسا ہو اسے دل دے دو کہ وہ تمہارا دوست ہے۔(غررالحکم ۱۳۴)

۷۔حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی شخص تمہیں چاہتا ہے لیکن وہ تمہارے سلسلہ میں

چرب زبانی نہیں کرتا۔ اور کوئی شخص صحیح معنوں میں تمہاری مدح و ثنا کرتا ہے لیکن اس کی بات تم تک نہیں پہنچتی۔ (غررالحکم ۱۳۴)

۸۔ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت علیؑ کا ارشاد گرامی ہے کہ مسلمان مسلمان کا آئینہ ہے۔ لہٰذا تم اگر اپنے کسی بھائی کی کوئی لغزش دیکھو تو اس کو اس لغزش کی طرف متوجہ کرو اور اس کے لئے اپنے جیسے ہو جاؤ، اسے ہدایت و نصیحت کرو، اس کے سلسلہ میں خیر خواہ اور مہربان رہو۔ (بحار ۹۸/۰۔ تحف العقول ۷۷ (باختلاف۔)

نصیحت کرتے وقت سنجیدہ رہنا (حدیث کی نظر میں):

۱۔ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص تمہارے عیوب کو چھپاتا ہے، وہ تمہارا دشمن ہے۔ (غررالحکم، ۲۷۴)

۲۔ حضرت امام جواد علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص تمہاری خوشی کے لئے تم سے راہ راست کو مخفی رکھے، وہ تمہارا دشمن ہے۔ (بحار ۷۸/ ۳۶۴ از کتاب ''اعلام الدین'')

۳۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جو تمہاری تعریف کرتا ہے تمہارا قاتل ہے۔ [منھ پر تمھارے سامنے] (عزرالحکم، ۲۶۶۔۲۶۵)

۴۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص تمہارے عیوب کو چھپائے اور تمہاری غیبت میں تمہارے عیب بیان کرے، وہ تمہارا دشمن ہے۔ اس سے بچو۔ (عزرالحکم، ۲۸۶)

۵۔ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: دشمن کو دشمن اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ تمہارے سلسلہ میں (تعدی یعنی ظلم و ستم اور زیادتی کرتا ہے۔) لہٰذا جو شخص بھی تمہارے عیوب صحیح سمجھے (اور اسے تم سے بیان نہ کرے) وہ تمہارا دشمن ہے۔ (عزرالحکم، ۱۳۴)

تنقید قبول کرنا (حدیث کی نظر میں):

۱۔ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: میرے بارے میں یہ تصور نہ کرو کہ میرے سلسلہ میں جو کچھ کہا جائے اس سے میں کبیدہ خاطر ہو جاؤں یا ایسی بات ہو جو مجھے بڑا شمار کرے۔ اس لئے کہ جب کسی کے سامنے اس کے حق کی گفتگو یا اس کا فیصلہ بیان کیا جاتا ہے تو وہ بوجھ محسوس کرتا ہے، اس پر عمل کرنا اس سے بھی زیادہ دشوار ہے۔ اس لئے حق بات کہنے سے یا عادلانہ اظہار خیال کرنے سے

خود کو نہ بچاؤ۔ (نہج البلاغہ، ۶۸۷، عبدہ ۱/ ۴۶۳)

۲۔ امام ہادی علیہ السلام نے اپنے محبوں میں سے ایک محب سے کہا: فلاں شخص کی تادیب کرو اور اس سے کہو کہ جب خدا کسی بندہ کے لئے خیر چاہتا ہے تو اس کی جو تادیب وتنقید کی جاتی ہے، اسے قبول کرلیتا ہے۔ (''مستدرک' ۲/ ۶۳)

۳۔ حضرت امام جواد علیہ السلام نے فرمایا: مومن خداوند عالم کی توفیقات اور اپنے لئے نصیحت کا بھی محتاج ہے اور جب کوئی اسے نصیحت کرتا ہے، وہ اسے قبول کرتا ہے۔ (''تحف العقول ۳۳۷'')

بیداری اور ہوشیاری (حدیث کی نظر میں):

۱۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ہوشیار رہنا نور ہے۔ (عزر الحکم، ۱۳)

۲۔ حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے: مومن بیدار' ہوشیار' خدا سے ڈرنے والا اور راہ شناس، دو اچھے نتیجوں میں سے ایک نتیجہ ہے۔ (بحار ۱۰/ ۱۱۱) خدا سے ڈرنے والا اور راہ شناس، دو اچھے نتیجوں میں سے ایک نتیجہ ہے۔ (بحار ۱۰/ ۱۱)

☆ دو اچھے نتیجوں میں سے ایک نتیجہ ترحم ہے: ''احدی الخصلتین'' کی یہ تعبیر قرآن کریم کے سورہ توبہ (۹) آیت ۵۲ سے لی گئی ہے۔

شیخ طبرسی نے اس آیت ''قل هل تربصون بنا الااحدی االخصلتین'' کی تفسیر میں لکھا ہے: کہو اے منافقو! کیا تم اس بات کے منتظر ہو کہ ہم دو نیکیوں میں سے ایک نیکی تک پہنچ جائیں گے؟ اس طرح آتا ہے کہ ''معناه، هل تنظرون لنا الا احدی الخصلتین الحمید تین، والنعمتین العظیمتین، واما الغلبة والغنیمة فی العاجل، وامّا الشهادة مع الثواب العادم فی الآجل'' یعنی کیا تم اس انتظار میں رہ سکتے ہو کہ ہم دو فضیلتوں میں سے ایک فضیلت اور دو بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت حاصل کرلیں گے یا اس جہاں میں کامیابی پر کامیابی یا خدا کی راہ میں شہادت اور اس کی جزا اس دنیا میں پالیں گے؟ (مجمع البیان ۵/ ۳۷)

لیکن لفظ ''حسنیین'' کا لغوی مفہوم ''انجام وفرجام'' نہیں ہے بلکہ محل استعمال کے لحاظ سے یہ مفہوم سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے اس کا یہ ترجمہ تفسیری ترجمہ ہے اور اس طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہ یہ لفظ ''حسنیٰ'' کا تثنیہ ہے اور اسم تفضیل ہے، لہٰذا ہم اس سے ترجمہ میں اسم تفضیل مراد لے سکتے ہیں یعنی

یوں کہہ سکتے ہیں کہ دو نیکیوں میں سے ایک نیکی، اور اس سے مقصود یہ ہے کہ ہوشیاری اور بیداری ہوگی تو اپنی زندگی میں دو نیکیوں میں سے ایک نیکی سے گرانقدر نتیجہ حاصل کرے گا۔ یا اپنے ہدف کو حاصل کرنا یا راہ خدا میں جان کی بازی لگا دینا اور بارگاہ خداوندی میں چلے جانا یا ''زندگی کا ہدف'' یا ''موت کا ہدف'' حاصل کرلینا، یہی سب کچھ انسان کی اہم قدر و قیمت اور اس کی حیات کا بہترین مقصد ہے۔

۳۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: دور اندیش جاگا ہوا ہے۔ (غرر الحکم، ۱۳)

۴۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جس کا نفس بیدار و جاگا ہوا ہے خداوند عالم اس کے لئے نگہبان مقرر کرتا ہے۔ (غرر الحکم، ۲۸۶)

۵۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص اپنی ہوشیاری اور بیداری سے مدد حاصل نہیں کرتا اسے اس کے محافظ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ (غرر الحکم، ۲۹۴)

دانائی اور ادراک (حدیث کی نظر میں):

۱۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں عقلمندوں میں سے عقلمند ترین اور بیوقوفوں میں سے بیوقوف ترین شخص کی تمہیں خبر دوں؟ لوگوں نے کہا: ہاں! یا رسول اللہؐ۔ آپؐ نے فرمایا: عقلمندوں میں سے عقلمند ترین انسان وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے اور اپنے مرنے کے بعد کے لئے امور انجام دے۔ اور بیوقوفوں میں سے بیوقوف ترین انسان وہ ہے جو اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرے اور خدا سے اس بات کی امید رکھے کہ وہ اس کی تمام خواہشات پوری کردے۔ (بحار ۷۰/۶۹ از ''تفسیر امامؑ'')

۲۔ حضرت صادق آل محمد علیہم السلام نے ''عقل و جہل کے لشکر والوں'' کی حدیث میں فرمایا (عقلمند کے سپاہیوں میں سے) 'شجاعت و شرافت' ہے، جس کی ضد 'بزدلی' ہے۔ 'معلومات' جس کی ضد 'ناواقفیت' ہے اور 'کند ذہنی' ہے اور 'معرفت' اس کی ضد 'لاعلمی' ہے۔ (اصول کافی ۱/ ۲۲)

۳۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: عقلمند وہ ہے جو اپنے فضائل کو زندہ کرے اور برائیوں شہوت و خواہشات کو نفس کی سرکوبی کے ذریعہ ختم کر ڈالے۔ (غرر الحکم، ۴۸۱)

۴۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: عقلمند وہ ہے جس کی آرزوئیں کم ہوں۔'' (غرر الحکم، ۱۹)

۵۔حضرت علیؑ کا ارشاد گرامی ہے: عقلمند انسان ہر چیز سے نصیحت حاصل کر لیتا ہے۔''(غرر الحکم، ۲۵۲)
۶۔حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: اہم ترین عقلمندی پرہیزگاری اور بدترین اقدام ظلم و بدکاری ہے۔(کشف الغمہ ۱/۵۷۱)
۷۔ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام سے زید بن صوحان عبدی نے دریافت کیا: لوگوں میں سے عقلمندترین شخص کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: وہ شخص جو صراط مستقیم اور راہ ضلالت و گمراہی میں فرق رکھتا ہو اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہو۔(معانی الاخبار/۱۹۰)
۸۔حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: خداوند عالم نے عقلمندوں کے لئے طاعت و عبادت قرار دیا ہے اس حالت میں کہ ادراک و دانائی میں کمزور اسے ضائع کر دیتا ہے (اور اس سے) اس جہان میں اس دنیا کے لئے کچھ فائدہ حاصل نہیں کرتا۔(نہج البلاغہ، ۱۴۴۳، عبدہ ۲/۲۲۳)
۹۔حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اے ہمام مؤمن عقلمند اور ہوشیار ہوتا ہے۔(اصول کافی ۲/۲۲۶)

غفلت سے دوری (حدیث کی نظر میں):

۱۔حضرت صادق آل محمد علیہم السلام نے فرمایا: غافل رہنے سے بچو اس لئے کہ جو شخص غافل رہتا ہے وہ گویا اپنے آپ سے غافل ہے اور خداوند عالم کے حکم کے مقابل سستی سے پرہیز کرو اس لئے کہ جو شخص بھی حکم خدا پر سستی کرتا ہے خداوند عالم روز قیامت اسے ذلیل کرے گا۔(ثواب الاعمال ۲۴۲)
۲۔حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: غفلت سے بچے رہو اس لئے کہ غفلت حسن و ادراک کی تباہی سے نابلد ہوتی ہے۔(غرر الحکم، ۲۷)
۳۔حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے: غفلت ہاتھ سے (کسی چیز یا قیمتی اوقات کا) دے دینا ہے۔(غرر الحکم، ۱۳)
۴۔ امیرالمومنین حضرت علی نے فرمایا:غفلت سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والی دشمن ہے۔(غرر الحکم، ۲۰)
۵۔حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: غافل سونے والا ہے اور غفلت فریب ہے۔(غرر الحکم، ۱۳)
۶۔ امیرالمومنین حضرت علی کے ارشاد ہے: جو دشمن سے مقابلہ کے وقت سو جاتا ہے دشمن کی سازش

اسے بیدار کر دیتی ہے۔ (عزر الحکم، ۲۸۴)

۷۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: تف ہو سونے والوں پر، وہ کتنا زیادہ نقصان اٹھاتے ہیں۔ ان کے عمل کم ہو جاتے ہیں اور اجر بھی کم ہو جاتا ہے۔ (عزر الحکم، ۳۳۵)

باب اول پر ایک نظر:

محترم قارئین! آپ نے ہر باب کے اختتام پر جس طرح کا عنوان ملاحظہ فرمایا اس سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ اگرچہ ہم نے بہت چھان کر کے اور بہت غور و فکر کے بعد ہر باب کو آپ کے سامنے پیش کیا اور اس کی ایک جھلک آپ نے محسوس بھی کی ہے۔

محترم قارئین! ہوسکتا ہے اس اقدام کو آپ پسند فرمائیں اور وہ امور اور وہ مسائل جو بہت کوشش و استنباط کے بعد ہم نے یکجا کئے ہیں، اس میں آپ شریک ہوں۔ ہمارا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ جو کچھ کتاب و سنت میں مسائل کے سلسلہ میں آیا ہے اور ہم نے جو کچھ سمجھا ہے، اسے ہی قارئین کے لئے قطعی اور آخر سمجھ لیں اور اس سے تجاوز نہ کریں اس لئے کہ قرآن و احادیث میں جو کچھ حقائق آئے ہیں وہ اسلامی اور الٰہی حقائق ہیں۔ وہ تمام لوگوں سے متعلق ہیں بلکہ کل نوع بشر سے تعلق رکھتے ہے، اس لئے مفکرین کو چاہئے کہ اس میں غور و فکر کریں اور اپنی عقل و فکر کو اس میں مستغرق کر دیں، جو چیزیں ہیں وہ صرف اس لئے کہ یہ باب اور اس کے موضوعات سے بلحاظ فکر و فہم قریب ہیں۔ لہٰذا ہم نے اسے اپنی فکر و فہم کے مطابق تحریر کیا ہے اور اس کے پرتو نور کو حاصل کیا ہے یعنی جب جب کاموں کی زیادتی سے ذہن میں انعکاس پیدا ہوا ہے، ہم نے اس سے نور حاصل کیا ہے۔ اب ہمارا مقصد یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے حاصل کیا ہے اسے دوسرے قارئین تک پہنچا دیں۔

اشارہ:

کسی بھی چیز سے قبل اس نکتہ کو واضح کر دینا ضروری ہے کہ موجودہ کتاب کے مختلف ابواب میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے، وہ انسان کے بارے میں اسلام کے علمی نظریات کو منعکس کرتا ہے اور اسلام کی تہذیبی و ثقافتی قدروں کو نمایاں کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ اسلام انسان کو تاریخ و اجتماع، حق و عدالت، علم و دانش، اخلاق و کردار اور اقتصادیات کے میدان میں ترقی، حرکت اور پیش قدمی کی منزلیں طے کرتا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔ ایسی حرکت جس میں آزادی ہو اور سعادت و نیک بختی کے ساتھ ساتھ

دوسرے حقائق و مسائل بھی موجود ہوں۔
اب ہم اس باب کے بعض موضوعات پر اجمالی نظر ڈالیں گے:

۱۔شناخت و معرفت اور اس کی بنیادی اہمیت:

ہم نے باب معرفت و شناخت سے جو اس کتاب کا پہلا باب ہے، اس کا آغاز کیا ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات اور انسان کی تربیت و پرورش کے شعبہ میں معرفت و شناخت کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے جس کے ذریعہ اوراس کی تعلیم سے ہمیں دین کی بنیاد کی نشاندہی ہوتی ہے۔

۱۔کسی چیز کی معرفت حرکت و عمل سے وابستہ ہے۔ اسلام میں واجب ہے کہ ہر حرکت و عمل علم و دانش اور معرفت کے ساتھ وقوع پذیر ہو۔ معرفت ہی سے کام کی ابتداء اور معرفت ہی سے اس کا اختتام ہو، ایسا نہ ہو کہ کسی چیز کی اہمیت کا اندازہ نہ ہو جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، "مامن حرکة لوانت محتاج فیهما الی معرفه "۔ (تحف العقول، ۱۹) کوئی حرکت نہیں ہے سوائے اس کے کہ انسان اس میں معرفت و شناخت کا محتاج ہو۔

۲۔علم و معرفت انسان کے قدر و قیمت کی میزان ہے۔

۳۔انسان کے لئے معرفت ایسی ہی ہے جیسے اس کے لئے زندگی، اس نقطۂ نگاہ سے کہ شناخت و معرفت انسان میں انسانی زندگی کا منشاء ہے اور اصل میں زندگی یہی ہے نہ کہ جسمانی یا جانوروں والی زندگی۔

۴۔معرفت عبادت کی بلند ترین قسم اور قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے، یہاں تک کہ ہر عبادت کی قدر و قیمت اور تقرّب منحصر ہے عمل کرنے والے کی علم و معرفت پر۔

۲۔علم حاصل کرنا:

معرفت و دریافت کی اہمیت کے لحاظ سے اگر ہم دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اسلام نے سب سے زیادہ تحصیل علم کے لئے تاکید کی ہے، بلکہ تحصیل علم کو واجب قرار دیا ہے اور علم حاصل کرنے والے کو راہ خدا میں اپنا خون بہانے والے مجاہد کا درجہ دیا ہے۔ جیسا کہ وارد ہوا ہے "اطلبوالعلم ولو یخوض اللجج و شق الهج" علم حاصل کرو چاہے تمہیں دریاؤں کی گہرائیوں میں جانا پڑے اور اس میں جسم سے ہاتھ دھونا پڑے۔ (بحار ۷۸/۲۷۷ از کتاب شیخ سدید الدین سوری "الاربعین")

۳۔ کسی کام کے وقت عقل و اہمیت کو فعال بنانا:

انسان کے بعض کام ایسے ہیں جن پر اس کے نسل کی بقاء اور حیات کی بنیاد ہے۔ اور وہ امور ہیں جن سے طبیعت میں تحریک ہوتی ہے اور اسی سے سرشت میں ادارہ سازی کی قوت آتی ہے۔ یہ طبیعتی تحریک انسان کے شعور و خواہشات پر حکمراں ہے اور اسے اس کی خواہش کی طرف لے جاتی ہے۔ اور یہی ہے جو زندگی کو جوش مارتے ہوئے دریا کی طرح رواں رکھے ہوئے ہے اور نسل انسانی کی بقاء کی ضامن ہے۔ یہی انسان کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ تلاش و جستجو کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انسان اپنی زندگی کی حفاظت اور اس کی بقاء کے لئے کبھی سختی اور کبھی نرمی کا سامنا کرتا ہے اور دشواریوں کا مقابلہ کرتا ہے۔

مندرجہ ذیل حدیث اسی طرف اشارہ کر رہی ہے:

حدیث:

حضرت امام صادق علیہ السلام نے مفضل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے مفضل! وہ امور جو انسان کے لئے قرار دیئے گئے ہیں یعنی کھانا، پینا، سونا اور ہمبستری کرنا اس میں بھی ایک تدبیر رکھی گئی ہے۔ ذرا سوچو تو سہی، ان میں سے ہر ایک کے لئے انسانوں کے لئے محرک پیدا کیا گیا ہے وہ اس کے مقتضی ہیں اور یہ ان امور کے انجام دینے پر اسے برانگیختہ کرتی ہے۔ بھوک کھانہ سے جڑی ہوئی ہے۔ اس سے زندگی استوار ہوتی ہے اور بدن کی ترتیب قائم رہتی ہے۔ تھکاوٹ و نقاہت کا تقاضہ ہے کہ انسان آرام کرے اور سوئے، اس سے جسم انسانی کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ اور اس میں پھر سے طاقت پیدا ہوجاتی ہے۔ شہوت کی زیادتی جماع چاہتی ہے۔ اسی سے نسل انسانی کی بقا وابستہ ہے۔ اگر انسان ایسا ہوجائے کہ بدن کی ضرورت کو پہچانتے ہوئے کھانہ کی طرف راغب ہو، لیکن اس کی طبیعت میں اس کا رجحان نہ پایا جائے اور اس کا رجحان اس طرح نہ ہو، تو اس کا احتمال تھا کہ سستی اور حالات کی سنگینی اسے اس منزل تک پہنچا دیتی کہ اس کا جسم تحلیل ہوجاتا اور وہ ہلاک ہوجاتا..... پھر ذرا غور تو کرو کہ خداوند عالم نے ان میں سے ہر ایک فعل کے لئے جو کہ انسان کے دوام اور اس کی بقاء سے متعلق ہیں، اپنی مصلحت رکھی، اس کی طبیعت کو محرک قرار دیا ہے تاکہ وہ خود ان امور کی طرف راغب ہو اور اسے انجام دے..... (بحار ۳/۷۹۔۷۸)

جانوروں کی بھی خواہشات ہیں کہ ان سے افعال صادر ہوتے ہیں۔ وہ خواہشات وتحریکات مختلف جانوروں میں مختلف ہیں، اور یہی ان کی ایک دوسرے سے الگ پہچان کا ذریعہ بھی ہیں۔ خداوند عالم نے جانوروں کی ہر قسم کو الگ الگ صفات وخصوصیات دے کر پیدا کیا، جس کے ذریعہ ایک دوسرے سے ان میں فرق نمائیاں ہوسکے۔ یہ ان خصوصیات سے بالکل الگ ہیں جو عموماً ہر جانور میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن اس کے درمیان انسان کے لئے فعل وکردار میں ایک دوسرا گوشہ ہے جس کا سرچشمہ علم و معرفت ہے، نہ کہ جذبات وفطرت۔ اور جو چیز انسان کو ایسے افعال کے لئے آمادہ کرتی ہے، وہ علم و فہم سے حاصل ہونے والی چیز کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔

انسان کی دسترس میں لازمی طور پر اس طرح کے افعال دیئے گئے ہیں۔ وہ عقل اور قدرت و اختیار ہیں جس کے نتیجہ میں انسان کسی بھی چیز کو سمجھتا اور اسے حاصل کرتا ہے۔ پھر وہ اسے اپنی اختیاری قوت کی وجہ سے ہی وجود بخشتا ہے۔ اس لحاظ سے انسان جانوروں کی طرح جذبات و خواہشات کی چہار دیواری میں مقید نہیں ہے۔

اور انسان کی اہمیت اور اس کی مخصوص کرامت نیز اس کے انسان ہونے کی قدر و قیمت اسی طرح کے افعال یعنی اختیاری اور ارادی افعال سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ چونکہ یہ افعال حرکت کرنے والے اور ارتقاء کرنے والوں پر مشتمل ہیں اور انھیں سے انسانی زندگی اور تاریخ انسانیت میں ظاہر ہوئے ہیں، یہی سبب ہے کہ انسانی زندگی جانوروں کی زندگی سے ممتاز نظر آتی ہے۔

اس لحاظ سے انسان کی دو زندگیاں ہیں: ایک حیوانی اور جذباتی زندگی جس میں وہ دوسرے جانوروں کے ساتھ شریک ہے اور دوسری انسانی و عاقلانہ زندگی جس کی وجہ سے انسان انسانیت کا مرتبہ پاتا ہے اور اس میں ارتقاء حاصل کرتا ہے۔

اس منزل پر ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ انسان اسی کام کو انجام دیتا ہے جسے اپنے ارادہ و اختیار سے اس نے چن لیا ہوتا۔ اور یہ انتخابات بھی اس کی عقل ومعرفت کے لحاظ سے وجود میں آتے ہیں۔ اب جس کی عقل ہی کم ہو وہ بہتر انتخاب نہیں کرسکتا! جس کا دامن عقل وسیع ہوگا اس کے نیک اعمال میں بھی وسعت ہوگی جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے: ''الانسان بعقلہ۔ (غرر الحکم، ۱۴) (انسان اپنی عقل کے لحاظ سے ہے) یہی وجہ ہے کہ عقل کے ہاتھ سے چلے جانے کو زندگی سے ہاتھ دھونے کے مترادف کہا گیا ہے۔ فقد العقل فقدُ الحیاۃ۔ (اصول کافی ۱/۲۷)

لہٰذا انسان اپنے علم و معرفت اور اپنی عقل و فہم اور معلومات کی بنیاد پر انسان ہے نہ کہ اپنے جذبات و خواہشات کی بنیاد پر۔ انسان کی سرشت میں بھی 'حیوان' ہے۔ اس لحاظ سے انسان کا اصل سرمایہ امتیاز اس کی عقل و دانش اور اس کے وہ کارنامے ہیں جو اس سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ یہ وہ کارنامے ہیں جو تاریخ بنتے ہیں، سماج کی تشکیل کرتے ہیں اور زندگی کو آزمائشوں کی نذر کر دیتے ہیں، انفرادی و اجتماعی طبیعت پر غالب ہو جاتے ہیں اور اپنے گرد و پیش کے حالات کو بہتر اور شائستہ تر کرنے کے مطابق حکمت ڈھال دیتے ہیں۔

اگر انسان اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اس کے پاس ایسے مواقع ہیں کہ وہ ایسی تمام چیزوں کو جسے وہ حاصل کر سکتا ہے اور لے سکتا ہے اسے چھوڑ دے اور اسی سے طبیعت کو آرام پہونچانا مقصود ہے جیسا کہ ہمیں معلوم ہے۔ سرشت سے دوری اختیار کرنا ممکن نہیں۔ لیکن انسان حکمت بالغہ اور خیر و خوبی کے جذبہ کے تحت اس فطرت سے دوری اختیار کر لیتا ہے۔ اسی وجہ سے انسان کے لئے اس امکان کا وجود ہے کہ وہ بہت ساری اجتماعی اور عالمی سطحوں کو بدل دے۔ جو کچھ کہا گیا ہے، یہ سب معرفت و دریافت کی اہمیت سے آشکار ہوتا ہے اور یہ سب سوائے عقلی راستوں کے کسی اور صورت سے حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔

۴۔ فکر کرنے کی اہمیت:

اسلام نے لوگوں کے غور و فکر کرنے کو جس قدر اہمیت دی ہے، اتنی کسی دین یا کسی سماجی نظام میں نہیں دی گئی۔ مذہب اسلام میں ایک لحہ غور و فکر کرنا ایک سال کی عبادت سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ ''فكرة ساعة خير من عبادة سنة'' (بحار ۷۱/ ۳۲۶) اور غور و فکر کرنے کو زندہ دلی ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ''التفكر حياة قلب البصير'' (اصول کافی ۱/ ۲۸)

انسان اپنے بدن کی اصلاح اور جسمانی قوت کی بقاء کے لئے ورزش کرنے اور کھانے کا محتاج ہے، لیکن ایک اس سے بھی زیادہ اہم اور عظیم کام ہے جس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ بنیاد ''انسانی حیات'' جو شمار کی جاتی ہے وہ سوائے باطنی چیزوں کی پرورش اور قلبی دریافت کے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ لہٰذا آدمی کے اوپر واجب ہے کہ وہ اپنی تمام کوششیں ان باطنی قوتوں کی بقاء کیلئے صرف کرے اور اس کے سلسلہ میں تلاش و جستجو کرے۔ یہ باطنی ہدایت بھی سوائے فکر کے پے در پے

استعمال اور اس کی ورزش کے علاوہ کسی طرح حاصل نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا غوروفکر کرنا، انسان کے لئے ایک زندہ وپائندہ حکم ہے ۔ اس کی عقل کے لئے سرمایہ عقل ونمو ہے اور یہ بذات خود تجربات و ادراک کی لذتوں سے بہرہ ور ہونے کا ذریعہ ہے۔

اس طرح سے آدمی کی صلاحیتیں مرحلہ ''بالقوہ'' سے مرحلہ ''بالعقل'' میں منتقل ہوجاتی ہیں اور یہی کام اس پیشرفت کے حصول کی بنیاد ہے، جس کے انتظار میں انسان اپنی زندگی گزارتا ہے۔

غوروفکر کرنا ایک بھڑکتے ہوئے شعلہ کے مانند ہے جو انسانی زندگی کو اس کے متحرک دور میں اور اس کے بعد بھی روشن کردیتا ہے۔ یہ ایک رہنمائی ہے جو انسان کو دشواریوں سے نکلنے کی راہ بتاتی ہے اور مسائل کو حل کرنے کا راستہ دیکھاتی ہے۔ غوروفکر کرنا ہر خیر و برکت کی چابھی (کلید) ہے اور ادراک ومعلومات کے لئے ایک صاف وشفاف آئینہ ہے۔

۵۔ انسان کی زندگی میں کچھ ایسے حالات و اسباب پیدا ہوجاتے ہیں جو انسان کو علم ومعرفت کی جستجو سے دور رکھتے ہیں۔ وہ ایسے امور انجام دیتا ہے جس سے معرفت کے حصول میں سستی آتی ہے اور وہ غفلت کا لباس اوڑھ لیتا ہے۔ یہ اسباب اور بہت سے مختلف قسم کے ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں: خودفراموشی، خود پسندی، تکبر، خواہشات نفس، اندھی محبت، کسی بری عادت کا پایا جانا، عمر کی زیادتی، فکر اور قلبی حیات کی طرف کم توجہی، ارضی زندگی سے وابستگی، دنیاوی امور اور جسمانی لذتوں نیز فطرتی خواہشات کی طرف رغبت..... پھر ان میں یہ بھی اضافہ ہوتا ہے کہ آدمی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف سرگرداں ہے، لہٰذا اس کے اوپر واجب ہے کہ وہ اس طرف متوجہ ہو تاکہ وہ اس حیران و پریشان حالت سے بہتر صورت کی طرف چلا جائے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب انسان ان تمام چیزوں کو سمجھ لے، دریافت کرلے جن سے وابستگی اس کے لئے ضروری ہے۔

ان تمام چیزوں کو بنیاد قرار دیتے ہوئے، جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا، قرآن کریم نے بھرپور توجہ کے ساتھ انسانی حیات کو بیدار کرنے اور اسے غوروفکر کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے تاکہ انسان حق وخیر کو دوبارہ اپنے لئے منتخب کرے، اسے پھر سے پہچان لے اور اس کی طرف میل و رغبت اختیار کرے۔ قرآن کریم میں بے شمار آیتیں انسان کو بیدار کرنے اور اسے آگاہ کرنے کے سلسلہ میں آئی ہیں تاکہ اس کی غفلت کو دور کیا جاسکے اور وہ خود اس لائق بن سکے کہ وہ اپنی عقل وخرد اور اپنے گردو

پیش کے حالات سے سبق حاصل کر سکے اور اس لائق ہوجائے کہ اس کی عقل وفکر پر سے غفلت کی نقاب ہٹ جائے ، اس کی فطرت گندگی کے گردوغبار سے پاک ہوجائے تا کہ صحیح معنوں میں اسے حقیقت کی دریافت اورفطرت وحقیقت کو سمجھنے کا موقع میسر ہوجائے۔

۶۔ لاعلمی و نادانی:

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ سب سے زیادہ نقصاں دہ چیز جس کا انسان کو سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ نادانی ہے۔ جاہل انسان نہ تو خود کو پہچانتا ہے اور نہ ہی اپنے حقوق کو۔ وہ اپنی قدروقیمت سے بے خبر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اسے اپنے آپ کو درجہ کمال تک پہنچانے کی فرصت ہاتھ نہیں آتی، نیز دوسرے لوگوں کو بھی جیسا پہچاننا چاہئے، ویسا نہیں پہچانتا۔ ان کے حقوق سے بھی غیر آشنا اور زندگی اور اس کے مقاصد سے بے خبر ہوتا ہے۔ اور وہ اس زندگانی دنیا، اس زندگی نیز اس کے لئے جو چیزیں لکھی اور مہیا کی گئی ہیں ،ان سب سے ناواقف رہتا ہے۔

۷۔ جاہل انسان اپنی زندگی کے ایام کو ذلیل ترین صورت میں ختم کرتا ہے:

اس لئے کہ وہ خیروشر دونوں چیزوں سے آگاہ نہیں ہے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ کس طرح اس میں سے ایک کی پیروی اور دوسرے سے دوری اختیار کرے، خوش بختی تک پہنچنے کی راہ اس پر مسدود ہوتی ہے۔ معلومات حاصل کرنے کے وسائل اس کے اختیار میں نہیں ہوتے کہ وہ زندگی کے ہدف کو حاصل کر سکے۔ جاہل انسان ایسا ہی ہے جیسے کسی جنگجو کے ہاتھ میں اسلحہ جو ہر وقت اس سے جنگ ہی کرنا پسند کرتا ہے۔ اسی لئے اسلام نے جہالت و نادانی کی شدید مذمت کی ہے اور اسے انسانی شخصیت کا مخالف جانا ہے۔ اور بہت شدت کے ساتھ اس کے خلاف جنگ کا حکم دیا ہے۔

۸۔ معرفت سے ہم آہنگ ہونا :

اسلام نے علم و دانش سے مملو ہونے کی بہت تاکید اور سفارش کی ہے تا کہ لوگوں میں اجتماعی طور پر اسے پھیلایا جائے، اس لئے کہ لوگوں کی فہم اور ان کی معلومات کی سطح کو بلند کرنا، اسی سے منسلک ہے۔ اسلام نے ہر ایک شخص پر یہ لازم قرار دیا ہے کہ وہ دوسروں کو جس حد تک تعلیم دے سکتا ہو، تعلیم دے اورانہیں جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے سے علم و دانائی کے چکاچوند اُجالے میں لے آئے۔ اس کے علاوہ اسلام میں علم کی وہ قدروقیمت ہے کہ اس سے وابستہ ہونا صحیح قدم ہے اور یہ کہ

علم ایسا نور ہے جس کے پرتو میں لوگ اپنی راہ پہچانتے اور اس پر سفر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علم سے نظر چرانے کی مذمت کی گئی ہے اور کسی چیز کو جاننے اور سیکھنے میں 'خود داری' سے منع کیا گیا ہے۔ عالم پر ضروری ہے کہ وہ جاہلوں کو انکی جہالت پر باقی نہ رہنے دیں، بلکہ ان پر واجب ہے کہ علم کو لوگوں کے درمیان اور سماج کے درمیان عام کریں تا کہ علم کی روشنی ہر ایک پر سایہ فگن ہو سکے۔

اس سلسلہ میں خاص طور پر اس کتاب کی دوسری جلد باب ۸ سے رجوع کریں۔

۹۔مفید علم و دانش:

اسلامی معلومات خصوصیت کے لحاظ سے ان واقعات کی طرف نشاندہی کرتے ہیں جو زندگانی دنیا و آخرت میں سرمایۂ خوش بختی و کمال ہیں۔ اسی لئے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسلامی تعلیمات میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ مومنین بھی عقل و خرد کے حصول میں رہنمائی حاصل کرنے، اس زندگی کی فلاح کے لئے ضروری معلومات یکجا کرنے اور حقائق و واقعات سے بہرہ ور ہونے اور فطری چیزوں کو حاصل کرنے میں آزاد ہیں۔ اور اُخروی زندگی جو کہ عظیم زندگی ہے، کے لئے بھی مفید معلومات اور فائدہ بخش حقائق کی معلومات کے لئے آزاد ہیں تا کہ وہ اس کے ذریعہ اپنی دوسری قیام گاہ میں آرام اور پاکیزہ زندگی گزارنے کے مستحق بن سکیں۔

(جاری)

تاریخ اسلام

زندگانی پیغمبرؐ اسلام

داستان اِفک

آیت اللہ جعفر سبحانی

دور جاہلیت میں شہر مدینہ میں مذہب اسلام کی آمد کے بعد بھی حزب نفاق کا سرغنہ عوام الناس کی لڑکیوں اور کنیزوں کی خریداری کے ذریعہ خواتین کی تجارت میں ہمہ تن سرگرم تھا۔ وہ عورتوں کو لوگوں کے ہاتھ بیچ کر اس سے فائدہ حاصل کیا کرتا تھا اور زنا کی تحریم پر مبنی آیۂ کریمہ کے نزول کے بعد بھی اس نے اپنے اس فاسد عمل کو جاری رکھا تھا۔ یہاں تک کہ عظیم روحانی رنج و مصائب میں گرفتار کنیزوں نے پیغمبر اسلامؐ سے ''عبداللہ'' کی شکایت کی اور کہا ''ہملوگ پاک و پاکیزہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ شخص ہم لوگوں کو برا کام انجام دینے کے لئے مجبور کرتا ہے۔ چنانچہ اس شخص کی ملامت پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی، جسمیں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

''وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا''[1]

(''یعنی اپنی کنیزوں کو جو عفت و پاکدامنی کی طرف مائل ہیں، مال دنیا کے لالچ میں، زبردستی زنا کے لئے مجبور نہ نہ کرو۔'')

اپنی لڑکیوں کو جبکہ وہ پاکدامنی کی خواہاں ہیں، مال دنیا کی خاطر زنا کے لئے مجبور نہ کرو[2]

عورتوں کی عفت و پاکدامنی کی تجارت میں سرگرم اس آدمی نے یہ ارادہ کیا کہ اسلامی معاشرہ کے ساتھ نزدیک روابط کی حامل اور معاشرہ میں خصوصی مقام و مرتبہ سے مالامال ایک خاتون[3] کے پاک و پاکیزہ دامن کو اپنے اتھامسے داغدار بنادے اور اس کی شخصیت کو فاسد عمل کے ساتھ متہم اور وابستہ کردے۔

۱۔ سورۂ نور، آیت ۳۳ ۲۔ مجمع البیان، جلد ۴، ص ۱۴۱؛ در منثور، جلد ۵، ص ۴۶

۳۔ یہ تعبیر اس وجہ سے کی گئی ہے کہ افک سے مربوط آیات کے بعض حصوں کے سلسلہ میں شان نزول سے وابستہ جو دو خصوصیتیں بیان کی گئی ہیں اور راقم الحروف کی نگاہوں میں قطعی ثابت نہیں ہیں۔ ثابت نہ ہونے کی دلیل اس بحث میں پیش کی جارہی ہے۔ جملہ آیات و روایات کی روشنی میں جو بات واضح ہوتی ہے وہ اس مضمون میں پیش خدمت ہے، اسکا خلاصہ یہی ہے کہ اس دور کے اسلامی معاشرہ کی ایک محترم خاتون پر منافقوں نے الزام لگایا تھا۔ لیکن یہ عورت کون تھی اس کے بارے میں کسی قطعی رائے کا اظہار نہیں کیا جا سکتا۔

ایمان کے ساتھ نفاق کی عداوت درحقیقت سب سے بڑی عداوتوں میں سے ایک ہے، کیونکہ اگر دشمن مشرک یا کسی دوسری جماعت سے تعلق رکھتا ہے تو معاندانہ عمل انجام دینے کے بعد اس کی عداوت و دشمنی میں قدرے کمی واقع ہوجاتی ہے۔ لیکن منافق تو ایمان کو اپنی ڈھال بنالیتا ہے اور اپنی عداوت و دشمنی کا اعلانیہ اظہار نہیں کرسکتا ہے، پھر بھی اپنی باطنی عداوت کی وجہ سے اندر ہی اندر وہ دشمنی کی آگ میں جلتا رہتا ہے اور کبھی کبھی وہ دھماکہ کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ اس پر عجیب قسم کی دیوانگی سی طاری ہو جاتی ہے اور وہ بے بنیاد اتہامات لگانا شروع کردیتا ہے۔

داستان ''بنی مصطلق'' میں جماعت کے سردار کی اعلانیہ ذلت و رسوائی ہوچکی تھی اور اس کے فرزند نے اسے مدینہ میں داخل نہیں ہونے دیا تھا۔ آخر کار وہ پیغمبر اکرمؐ کی مدد سے مدینہ میں داخل ہوا۔ عبرت انگیز بات تو یہ ہے کہ جو شخص ہمیشہ حکومت کے خواب دیکھا کرتا تھا اور ہمہ وقت اس کام میں سرگرم عمل رہا کرتا تھا کہ اسے مسند اقتدار مل جائے، وہ ایسی رسوائی میں مبتلا ہوا کہ اس کا نزدیک ترین شخص اسے اپنے وطن میں داخل ہونے سے روک دیتا ہے، اور وہ پیغمبر اکرمؐ سے یہ درخواست کرنے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ مدینہ کے اندر داخل ہونے میں اس کی مدد کریں۔

ایسا شخص دیوانوں کی طرح کوئی بھی کام کرسکتا ہے۔ چنانچہ وہ بھرپور پروپگنڈہ میں سرگرم ہوجاتا ہے تاکہ اسلامی معاشرہ سے اپنی ذلت ورسوائی کا انتقام لے سکے۔ واضح رہے کہ جب دشمن براہ راست حملہ نہیں کرپاتا ہے تو بدرجۂ مجبوری وہ اس قسم کے بے بنیاد پروپگنڈوں کے ذریعہ عوام الناس کی فکری گمراہی میں لگ جاتا ہے، جس کی وجہ سے لوگ اہم بنیادی مسائل کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے غیر معمولی انحراف اور بے راہ روی میں مشغول ہوجاتے ہیں۔

درحقیقت نیک صفت اور پاکدامن افراد کے خلاف بے بنیاد پروپگنڈوں کو ایک کامیاب و تباہ کن اسلحہ کی حیثیت سے ہمیشہ استعمال کیا جاتا رہا ہے تاکہ عوام الناس اس آدمی کی طرف مائل نہ ہونے پائیں اور انسانی معاشرہ نیک لوگوں کی ہدایت و رہنمائی سے محروم رہ جائے۔

ایک پاکدامن انسان اور منافقوں کی تہمت :

حدیث اِفک کے بارے میں نازل ہونے والی آیات سے پتہ چلتا ہے کہ منافقین نے ایک بے گناہ پر خلاف عفت عمل انجام دینے کا الزام لگایا اور ایسی شخصیت پر اتہام عائد کیا جس کو اس زمانہ کے سماج

میں خصوصی مقام و مرتبہ حاصل رہا ہے۔ منافقین اس تہمت و اتہام کے ذریعہ اپنے فائدہ اور اسلامی معاشرہ کے خسارہ کی زمین ہموار کر رہے تھے کہ اسی اثنا میں قرآن مجید کی واضح آیات کا نزول ہوتا ہے جن کے ذریعہ بڑی قاطعیت کے ساتھ ان منافقین کا منہ توڑ جواب دیتے ہوئے انہیں پوری طرح خاموش کردیا جاتا ہے۔

یہ بے گناہ شخص کون ہے؟ اس سلسلہ میں مفسرین کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اکثر مفسروں کا خیال ہے کہ قرآن مجید میں جس فرد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس سے مراد پیغمبر اکرمؐ کی زوجہ حضرت عائشہ ہیں اور بعض دیگر مفسرین اس سے مادر ابراہیم حضرت ''ماریہ'' کو مراد قرار دیتے ہیں۔ یہ لوگ اس آیہ کریمہ کی جو شان نزول بیان کرتے ہیں، وہ شک و اشکال سے خالی نہیں ہے۔ ذیل میں اس شانِ نزول کا اجمالی تجزیہ پیش خدمت ہے جسمیں آیات ''اِفک'' کو زوجۂ رسول خداؐ حضرت عائشہ سے منسوب کیا گیا ہے۔ اس تجزیہ کے ساتھ اس کے صحیح اور غیر صحیح پہلوؤں کی وضاحت بھی پیش کی جائے گی۔

پہلی شان نزول :

محدثین و مفسرین اہلسنت ''اِفک'' کی شان نزول کو حضرت عائشہ سے مربوط قرار دیتے ہیں اور اس سلسلہ میں ایک مفصل داستان بھی بیان کرتے ہیں، جسکا کچھ حصہ پیغمبرؐ کی عصمت سے بالکل میل نہیں کھاتا ہے۔ لہذا اس شان نزول کو اس کی اصلی شکل میں قطعی طور پر قبول نہیں کیا جا سکتا ہے۔

سردست شان نزول کے اس حصّہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جو پیغمبر اکرمؐ کے مقام و مرتبہ سے مطابقت رکھتا ہے۔ اس کے بعد آیات افک اور اس کا ترجمہ پیش کیا جائے گا تاکہ اس کی روشنی میں شانِ نزول کے سلسلہ میں بھرپور بحث کی جا سکے۔ آخری مرحلہ میں شان نزول کے اس حصّہ کو پیش کیا جائے گا جو پیغمبرؐ کی عصمت سے مطابقت نہیں رکھتا۔

داستان ''اِفک'' کے سلسلہ میں پیش کی گئی سند خود حضرت عائشہ سے منقول ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ ''پیغمبر اکرمؐ ہر سفر کے موقع پر اپنی ایک زوجہ کو اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے جس کا انتخاب قرعہ کے ذریعہ ہوا کرتا تھا۔ ''جنگ بنی مصطلق'' کے موقع پر یہ قرعہ میرے نام نکلا اور میں نے اس سفر میں ان کے ساتھ جانے کا افتخار حاصل کیا۔ دشمن کی سرکوبی کے بعد سپاہ اسلام مدینہ کی طرف لوٹ

رہی تھی۔ مدینہ کے قریب پہونچتے پہونچتے رات ہوگئی تو اسلامی سپاہ نے اسی جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔ اچانک "الرحیل" کی زوردار آواز پوری اسلامی سپاہ پر طاری ہوگئی اور میں اپنے کجاوہ سے باہر نکلی اور رفع حاجت کے لئے قدرے دور چلی گئی۔ جب رفع حاجت سے فراغت کے بعد میں اپنے کجاوہ کے قریب آئی، تو اندازہ ہوا کہ میرا گلوبند کھل گیا ہے اور اسمیں لگے ہوئے یمنی موتی اسی جگہ گم ہو گئے ہیں۔ میں گلوبند کی تلاش میں دوبارہ اس علاقہ کی طرف گئی اور وہاں کچھ دیر ہوگئی۔ گلوبند ملنے کے بعد جب میں وہاں گئی تو دیکھا کہ اسلامی سپاہ اس جگہ سے روانہ ہو چکی ہے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ میں کجاوہ کے اندر موجود ہوں، وہ لوگ میرا کجاوہ بھی اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔ چنانچہ میں اس جگہ اکیلی رہ گئی، لیکن مجھے یہ اطمینان تھا کہ اگلی منزل پر جب وہ لوگ مجھے محمل میں نہ پائیں گے تو میری تلاش میں ضرور نکلیں گے۔

اتفاقاً لشکر اسلام کا ایک سپاہی بھی، جسکا نام "صفوان" تھا، پیچھے رہ گیا تھا۔ صبح کے وقت اس نے مجھے دور سے دیکھا۔ پھر میرے قریب آیا اور مجھے پہچان گیا۔ اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا، بلکہ اس کی زبان پر "انا للہ و انا الیہ راجعون" کے کلمات جاری ہو گئے۔ اس کے بعد اس نے اپنے اونٹ کو اسی جگہ بٹھا دیا اور میں اس پر سوار ہوگئی۔ اس شخص نے اونٹ کی مہار پکڑی اور مجھے سپاہ اسلام تک پہونچا دیا۔ جیسے ہی منافقوں کے سردار کو اس واقعہ کی خبر ملی، اس نے اس سلسلہ میں زوردار پروپگنڈہ شروع کر دیا اور لوگوں کے درمیان ہر طرف اس کا چرچہ ہونے لگا۔

نوبت یہ آگئی کہ کچھ مسلمانوں کو میرے بارے میں بدگمانی ہوگئی۔ تھوڑے دنوں بعد آیات "افک" نازل ہوئیں اور منافقین نے میرے اوپر جو تہمت لگائی تھی، اس سے مجھے نجات مل گئی۔

شان نزول کا یہ حصہ جو ایک طویل داستان کا حامل ہے اور جس کا خلاصہ مندرجہ بالا عبارت میں پیش کیا جا چکا ہے، نازل شدہ آیت کے ساتھ مطابقت بھی رکھتا ہے اور اس میں ایسی کوئی چیز بھی نظر نہیں آتی جس کی وجہ سے پیغمبر اکرمؐ کی عصمت کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔

ذیل میں وہ آیات پیش کی جارہی ہیں جو اس واقعہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں۔

"إِنَّ الَّذِينَ جَآءُو بِالإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ط لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ" (سورہ نور، آیت ۱۱)

''بیشک جن لوگوں نے زنا کی تہمت لگائی وہ تمہیں میں سے ایک گروہ تھا۔تم اسے اپنے حق میں شر نہ سمجھو۔ یہ تمہارے حق میں خیر ہے اور ہر شخص کے لئے اتنا ہی گناہ ہے جو اس نے خود کمایا ہے اور انمیں سے جس نے بڑا حصّہ لیا ہے، اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔''

"لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًاوَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ"

یعنی'' آخر ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم لوگوں نے اس تہمت کو سنا تھا تو مؤمنین و مومنات اپنے بارے میں خیر کا گمان کرتے اور کہتے کہ یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے۔'' (سورہ نور، آیہ ۱۲)

"لَوْلَا جَآءُ وْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْلَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَاللّٰهِهُمُ الْكٰذِبُوْنَ

یعنی'' پھر ایسا کیوں نہ ہوا کہ یہ چار گواہ بھی لے آتے اور جب گواہ نہیں لے آئے تو یہ اللہ کے نزدیک بالکل جھوٹے ہیں۔'' (سورۂ نور، آیہ ۱۳)

"وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِىْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ"

''اور اگر خدا کا فضل دنیا و آخرت میں اور اسکی رحمت نہ ہوتی تو جو چرچا تم نے کیا تھا اسمیں تمہیں بہت بڑا عذاب گرفت میں لے لیتا۔'' (سورۂ نور، آیہ ۱۴)

"اِذْتَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًاوَّهُوَ عِنْدَاللّٰهِ عَظِيْمٌ"

یعنی''جب تم اپنی زبان سے چرچا کر رہے تھے اور اپنے منہ سے وہ بات نکال رہے تھے جس کا تمہیں علم بھی نہیں تھا اور تم اسے بہت معمولی سمجھ رہے تھے، حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت بڑی بات تھی۔'' (سورۂ نور، آیہ ۱۵)

"وَلَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ"

''اور کیوں نہ ایسا ہوا کہ جب تم لوگوں نے اس بات کو سنا تھا تو کہتے کہ ہمیں ایسی بات کہنے کا کوئی حق نہیں ہے اور خدا تو پاک و بے نیاز ہے اور یہ بہت بڑا بہتان ہے۔'' (سورۂ نور، آیہ ۱۶)

آیات کے اہم پہلو

انسان اپنی ذاتی سوجھ بوجھ کے ذریعہ یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اس تہمت اور بہتان کی بنیاد کیا ہے؟ درحقیقت مندرجہ ذیل قرائن کی مدد سے اس بات کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے:

۱۔ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے اس جملہ "ولذی تولی کبرہ" سے حزب نفاق کا سرغنہ "عبداللہ ابی" مراد لیا گیا ہے۔

۲۔ سورہ مبارکہ کی گیارہویں آیت میں تہمت لگانے والی جماعت کو لفظ 'عصبۃ' سے یاد کیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ اس لفظ کا استعمال معمولاً متحد، معاون اور ہم خیال لوگوں کی جماعت کیلئے ہی ہوتا رہا ہے اور سر دست اس لفظ کے استعمال سے اس بات کی نشاندہی ہو جاتی ہے کہ سازش کرنے والوں کے درمیان نزدیکی اور مستحکم تعلقات تھے اور مسلمانوں کے درمیان جماعت منافقین کے علاوہ اس قسم کی کوئی دوسری جماعت موجود نہ تھی۔

۳۔ "عبداللہ" کے شہر مدینہ میں داخلہ کی زبردست مخالفت کی گئی تھی اور اسے مدینہ کے دروازہ پر متوقف رہنا پڑا تھا۔ جیسے ہی اس نے پیغمبرؐ کی زوجہ کو صفوان کے اونٹ پر سوار مدینہ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا، اس نے فوری طور پر زوجۂ پیغمبرؐ پر یہ تہمت لگادی کہ انہوں نے پوری رات ایک انجان اور بیگانہ شخص کے ساتھ بسر کی۔ لیکن خدا کی قسم ان میں سے کسی کو بھی گناہ سے نجات ملنے والی نہیں ہے۔

۴۔ دوسری مرتبہ پھر اسی آیۂ کریمہ میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے۔ "لا تحسبوهُ شراً لکم بل هو خیرٌ لکم"۔ دیکھو اس حادثہ کو اپنے لئے برا مت خیال کرو، بلکہ یہ حادثہ تمہارے لئے باعث خیر و برکت ہے۔

اب دیکھنا یہ چاہیے کہ کیسے ایک پاکیزہ شخصیت پر اتہام لگانا بری بات ہونے کے باوجود نفع بخش ہوتی ہے؟ بلکہ اسمیں اس متہم شخص کی بھلائی مضمر ہے۔ درحقیقت یہ الزام تراشی باعث خیر اس لئے ہے کہ اس نے منافقوں کی بدنیتی کو پوری طرح بے نقاب کردیا اور وہ سب ذلیل و رسوا ہو گئے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کو اس حادثہ کیوجہ سے کئی طرح کے سبق بھی حاصل ہو گئے۔

اس داستان کے دیگر پہلو:

اس داستان کا اتنا حصہ قرآن سے مطابقت رکھتا ہے اور اس سے پیغمبر اکرمؐ کی عصمت کی ذرہ برابر خلاف ورزی بھی نہیں ہوتی لیکن جس شان نزول کو "بخاری" نے نقل کیا ہے اور دیگر مورخین نے بخاری کے حوالہ سے اسکی شان نزول بیان کی ہے، اس میں دو اشکال موجود ہیں، جن کا ذکر ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:

۱۔عصمت و نبوت کے مقام و مرتبہ سے مطابقت کا فقدان :

بخاری نے خود حضرت عائشہ سے نقل روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ'' میں مسافرت سے واپس آتے ہی بیمار پڑگئی، لہذا پیغمبرؐ مجھے دیکھنے کے لئے برابر آیا کرتے تھے لیکن مجھے ایسا لگا کہ انمیں پہلی جیسی محبت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ مجھے کسی چیز کی کوئی اطلاع نہ تھی۔ دھیرے دھیرے میری طبیعت ٹھیک ہو گئی اور میں باہر آئی تو منافقوں کے پروپگنڈہ کی آواز میرے کانوں تک بھی پہونچی اور میں دوبارہ بیمار ہوگئی۔ اس بار میری بیماری نے شدت اختیار کرلی۔ چنانچہ میں نے پیغمبرؐ سے اجازت مانگی کہ میں اپنے والد کے گھر چلی جاؤں۔ انھوں نے اجازت دے دی اور میں اپنے مائکہ چلی گئی۔ والد کے گھر منتقل ہونے کے بعد میں نے ایک دن اپنی والدہ سے دریافت کیا کہ لوگ میرے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں؟ والدہ نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ'' صاحب امتیاز خواتین کے سلسلہ میں ان کی نا موجودگی میں لوگ اس قسم کی باتیں کرتے رہتے ہیں''۔

پیغمبر اکرمؐ نے اس معاملہ میں اسامہ سے مشورہ کیا۔ اسامہ نے میری پاکیزگی کی گواہی دی۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت علیؑ سے مشورہ کیا، انھوں نے کہا آپ ان کی خادمہ سے تحقیق کیجئے۔ پیغمبرؐ نے میری کنیز کو طلب کیا اور اس سے لازمی معلومات حاصل کیں۔ کنیز نے ارشاد فرمایا کہ قسم اس پروردگار کی جس نے عہدہ رسالت تفویض فرمایا ہے، میں نے اس خاتون کو اس مسافرت کے دوران ایسا کوئی عمل انجام ہوتے نہیں دیکھا جس سے قانون و شریعت کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔[۱]

تاریخ کا یہ حصّہ عصمت پیغمبرؐ سے مطابقت و ہم آہنگی کا حامل نہیں ہے کیونکہ اس میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ منافقوں کے پروپگنڈہ سے متاثر ہوئے اور حضرت عائشہ کے ساتھ ان کے برتاؤ میں تبدیلی آگئی اور وہ اس معاملہ میں اپنے اصحاب اور مخلص ساتھیوں سے مشورہ کے لئے مجبور ہو گئے۔ کسی ایسے متہم کے ساتھ ایسا برتاؤ جس کے خلاف کوئی گواہ موجود نہیں ہے، نہ صرف پیغمبر اکرمؐ کی عصمت سے مطابقت اور ہم آہنگی کا حامل نہیں ہے، بلکہ ایک صاحب ایمان شخص سے بھی ایسا اخلاق متوقع نہیں ہے کیونکہ تعلیمات اسلامیہ کے بموجب جھوٹے پروپگنڈہ کی وجہ سے ایک متہم شخص کے سلسلہ میں برادر مومن کے اخلاق میں تبدیلی کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ اگر پروپگنڈہ کیوجہ سے وہ فکری اعتبار سے متاثر بھی ہوگیا ہو، تو اس کے اخلاق و کردار پر اس کا قطعی کوئی اثر نہ ہونا چاہئے۔

۱۔صحیح بخاری، جز ششم، تفسیر سورۂ نور، ص ص ۱۰۲، ۱۰۳، نیز جز پنجم، ص ۱۸۸

قرآن مجید سورہ نور کی بارہویں اور چودھویں آیات میں ان لوگوں پر ملامت کرتا ہے جو ان جھوٹے اور بے بنیاد پروپگنڈوں کیوجہ سے متاثر ہو گئے تھے۔ وہ ایسے لوگوں کی سرزنش کرتے ہوئے پوچھتا ہے کہ تم لوگوں نے جب اس تہمت کے بارے میں سنا تو تم مومنین و مومنات نے متہم انسان کے بارے میں خوش فہمی سے کام کیوں نہیں لیا؟ یہ کیوں نہیں کہا کہ یہ بات بالکل جھوٹ ہے۔ اگر دنیا و آخرت میں خداوند عالم کی رحمت شامل نہ ہوتی تو تم نے اب تک جو گناہ کئے ہیں، ان کی وجہ سے خداوند عالم کا عذاب عظیم تمھیں اپنے چنگل میں دبوچ چکا ہوتا۔

اگر شان نزول کے اس حصّہ کو صحیح مان لیا جائے تو پھر ہمیں یہ بھی تسلیم کر لینا چاہئے کہ خود پیغمبرؐ کی ذات گرامی بھی اس عذاب و عتاب میں شامل رہی ہے جبکہ مرتبہ نبوت جسمیں ان کی عصمت بھی شامل ہے اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ ہم اپنی زبان سے یہ جملہ ادا کریں کہ (معاذ اللہ) ''اس خطاب و عذاب کا تعلق پیغمبرؐ کی ذات گرامی سے بھی ہے۔''

لہذا ہم لوگوں کو ایسی شان نزول کی اعلانیہ و بھرپور تردید کرنی چاہئے جس کا معمولی سا حصّہ بھی پیغمبر اکرمؐ کے مرتبۂ نبوّت اور انکی عصمت سے سازگار و ہم آہنگ نہیں ہے۔ اگر ایسا ممکن نہیں تو کم از کم اس کو دو حصّوں میں تقسیم کرتے ہوئے پہلے حصّہ کو، جسمیں عصمت و نبوّت سے اختلاف نہیں ہے، قبول کر لینا چاہئے اور دوسرے حصّہ کو پوری طرح رد کر دینا چاہئے۔

حادثۂ اِفک سے قبل سعد معاذ کی موت:

اس آیۂ کریمہ کی شان نزول کے ذیل میں ''بخاری'' نے اپنی کتاب میں حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پیغمبرؐ میری کنیز ''بریرہ'' سے تحقیق کے بعد منبر پر تشریف لے گئے اور مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''وہ کون ہے جو مجھے ایسے شخص کی تادیب سے معذور محسوس کرتا ہے جس نے میرے اہلبیت کو رنجیدہ و غمگین کیا ہے جس کی ذات سے نیکی کے علاوہ میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ اسی طرح وہ لوگ ایسی ذات پر اتہام لگا رہے ہیں جس کے بارے میں بھی خیر اور نیکی کے علاوہ کچھ معلوم نہیں ہے۔'' اس موقع پر سعد معاذ [1] اپنی جگہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: ''اے خدا کے رسولؐ! میں آپ کو معذور محسوس کرتا ہوں۔ اگر وہ شخص قبیلہ اوس سے تعلق رکھتا ہے تو ہم اس کی گردن ماردیں گے

۱۔ سعد معاذ قبیلہ اوس اور سعد بن عبادہ قبیلۂ خزرج کا سردار تھا۔ ان دونوں کے قبیلوں کے درمیان ہمیشہ جنگ چھڑی رہتی تھی اور عبداللہ بن ابی کا تعلق قبیلۂ خزرج سے تھا۔

اور اگر وہ ہم لوگوں کا خزرجی بھائی ہے تو بھی ہم لوگ آپ کے حکم کی تعمیل و پیروی کریں گے۔''

قبیلہ خزرج کے سردار ''سعد بن عبادہ'' کو معاذ کی یہ بات بری لگی۔ اس نے کھڑے ہوکر اعتراض آمیز لہجہ میں کہا: ''خدا کی قسم تو جھوٹ بول رہا ہے۔ اس کو مارنا تیرے بس کی بات نہیں ہے۔''

عبادہ کے فرزند کا جواب دینے کے لئے سعد بن معاذ کا چچازاد بھائی ''اسید بن حضیر'' کہنے لگا: ''خدا کی قسم ہم اسکو مار ڈالیں گے اور تو منافق ہے اور منافقوں کا دفاع کرنے میں لگا ہوا ہے۔'' پیغمبر اکرمؐ منبر پر بیٹھے ہوئے تھے پھر بھی دونوں قبیلے کے لوگ ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ پیغمبرؐ نے ان لوگوں کو حکم دیا اور وہ لوگ خاموشی سے اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔[1]

شان نزول کا یہ حصّہ تاریخی حقائق کے مطابق نہیں ہے کیونکہ اصولی اعتبار سے ''سعد معاذ'' غزوہ احزاب کے دوران زخمی ہو گیا تھا اور ''بنی قریظہ'' کے سلسلہ میں کسی حکم کے اجراء سے قبل اس کی موت واقع ہو چکی تھی۔ اس بات کو خود بخاری نے اپنی کتاب ''صحیح'' جلد پنجم، ص ۱۱۳ پر جنگ احزاب و بنی قریظہ کے ذیل میں نقل کیا ہے۔ ایسی صورت میں یہ بات کیسے ممکن ہو سکتی ہے کہ یہ شخص حادثہ ''اِفک'' کے موقع پر' جو جنگ بنی قریظہ کے کئی مہینے بعد رونما ہوئی تھی' بزم پیغمبرؐ میں ان کے منبر کے قریب بیٹھے اور ''سعد بن عبادہ'' کے ساتھ بحث و مباحثہ اور لڑائی جھگڑے میں شریک ہو!

محدثین اور سیرت نگاروں کا متفقہ بیان ہے کہ ''جنگ خندق'' اور اسکے بعد ''بنی قریضہ کا حادثہ'' ھجرت کے پانچویں سال شوال کے مہینہ میں رونما ہوا ہے اور آخرکار بنی قریضہ کا حادثہ ۱۹ ویں ذی الحجہ کو ختم ہو گیا۔ اور سعد بن معاذ اس حادثہ کے دوران ایک شدید زخم کھانے اور زبردست خونریزی کی وجہ سے فوری طور پر ہلاک ہو گیا تھا[2] اور غزوۂ بنی مصطلق ھجرت کے چھٹے سال شعبان کے مہینہ میں واقع ہوا ہے۔

جی ہاں! اس سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ حزب نفاق کی حتی الامکان کوشش یہ تھی کہ ایک صاحب عظمت و فضیلت خاتون جس کو اس زمانہ میں غیر معمولی احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور اس دور کے سماج میں جس کو خصوصی مرتبہ حاصل تھا، وہ لوگوں کے بے بنیاد اتہامات اور الزامات کیوجہ سے ذلیل و رسوا ہو جائے اور آنے والے وقت میں اس کے حوصلوں میں کسی قسم کی کمزوری پیدا ہو جائے۔

۱۔ ابن ھشام اپنی 'سیرۂ' میں سعد بن معاذ کا نام نہیں لیتا بلکہ صرف سعد بن عبادہ اور ''اسید'' کے درمیان بحث کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے ''سیرہ ابن ھشام'' جلد ۲، ص ۳۰۰

۲۔ سیرۂ ابن ھشام، جلد ۲م ص ۲۵۰

اسی طرح شان نزول آیات "الذی تولی کبرہ" نامی جملہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے "عبداللہ بن ابی" کی طرف اشارہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اس پروپگنڈہ کی قیادت انجام دے رہا تھا۔

دوسری شان نزول :

یہ شان نزول یہ بتاتی ہے کہ ان آیات کا تعلق پیغمبر اسلامؐ کی شریک حیات حضرت ماریہ سے ہے، جو ابراہیم کی والدہ بھی تھیں۔ جب پیغمبرؐ کے فرزند ابراہیم کی وفات ہوگئی اور پیغمبرؐ اپنے فرزند کے غم میں غیر معمولی طور پر سوگوار ہوگئے تو ان کی ازواج میں سے ایک نے ان سے پوچھا کہ آپ اتنا سوگوار کیوں ہیں؟ وہ آپ کا فرزند نہیں بلکہ "ابن جریح" کا فرزند تھا۔ پیغمبرؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ جاؤ اور اس شخص کو قتل کردو۔ علیؑ تلوار لیے ہوئے ایک باغ میں داخل ہوئے جہاں "ابن جریح" کام کر رہا تھا۔ جیسے ہی اس نے علیؑ کو غیظ وغضب کے عالم میں اپنی طرف آتے دیکھا تو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلیا۔ علیؑ باغ کے اندر داخل ہوگئے اور اس کا تعقب کرنا شروع کردیا۔ وہ علیؑ کے ڈر کی وجہ سے ایک پیڑ پر چڑھ گیا۔ علیؑ بھی پیڑ پر چڑھ گئے۔ غیر معمولی خوف کی وجہ سے ابن جریح پیڑ سے نیچے گر گیا۔ اس دوران لباس پھٹ جانے کی وجہ سے وہ برہنہ ہوگیا تو یہ معلوم ہوا کہ وہ مردانہ عضو بدن کا حامل نہیں ہے۔ علیؑ نے خدمت پیغمبرؐ میں سارا ماجرا بیان کردیا۔ اس شان نزول کو "محدث بحرینی" نے "تفسیر برھانی" جلد ۲، صفحات ۱۲۶ اور ۱۲۷ پر اور "حویزی" نے "تفسیر نورالثقلین" جلد ۳، صفحات ۵۸۱ اور ۵۸۲ پر نقل کیا ہے۔ مضمون اور حقائق کے اعتبار سے یہ نہایت ضعیف اور ایسی کمزور روایت ہے جس کا دوبارہ بیان کیا جانا بھی مناسب نہیں ہے۔ لہذا اس شان نزول کو قطعی تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ پس اہم چیز تو اصل واقعہ ہے، متہم کوئی بھی ہو کوئی خاص بات نہیں ہے۔ [جاری]

فرهنگ وهنر

اسلامی آرٹ : فن خطّاطی اور ایران

ڈاکٹر اسما کاظمی

اسلامی تہذیب کا شمار دنیا کی عظیم تہذیبوں میں ہوتا ہے۔ اسلام ایک تہذیب ساز نظریۂ کائنات بھی ہے اور ایک سیرت ساز نظام اقدار بھی۔ اس تہذیب کے درخشندہ پہلوؤں میں اسلامی فکر اور اسلامی آرٹ نمایاں نظر آتے ہیں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں اسلامی فکروفن کے نمونے جابجا ملتے ہیں اور دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی طرح مسلم دانشوروں اور فنکاروں نے بھی متنوع پیرایوں میں اپنے خالق سے محبت اور روحانی رشتہ کا اظہار کیا ہے۔ اسلام کے علاوہ اکثر مذاہب میں فنکاروں نے حقیقت مطلق (Ultimate Reality) خدا کی قدرت کا کسی نہ کسی طرح کا نمونہ سامنے رکھ کر اپنے تخلیقی شاہکاروں کے ذریعہ اس کے ساتھ اپنی محبت ، بندگی وعقیدت کو پیش کیا ہے۔ اس ضمن میں ہندوازم، عیسائیت اور بدھ مت وغیرہ مذاہب ہمارے سامنے ہیں۔ ہندو مذہب کو لیجئے: موہن جو داڑو اور ہڑپا تہذیب سے لے کر ماڈرن انڈین آرٹ یعنی بنگال اسکول (۱۸۹۵ء) تک اور ساتھ ہی بیسویں صدی سے آج تک لگ بھگ تمام آرٹ کی قسموں میں ایشور یا بھگوان اور دیگر دیوی دیوتاؤں کے ان گنت روپوں کو اس مذہب کے ماننے والوں نے پیش کیا ہے۔ اسی طرح عیسائی آرٹ میں حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مان کر عیسائی فنکاروں نے طبع آزمائی کی ہے اور ہر دور میں چاہے وہ ۲۰۰ء سے ۷۰۰ء ہو یا اس کے بعد سے جدید دور تک ، ہر جگہ کسی نہ کسی طرح حضرت عیسیٰ ، حضرت مریمؑ اور عیسائی مذہب کے علم برداروں کی شبیہوں کو مصوری ، سنگ تراشی ، فن تعمیر اور آرٹ کی دوسری اصناف کے ذریعہ پیش کیا جاتا رہا ہے۔ ٹھیک اسی طرح بدھ آرٹ کو لیجئے جو دوسو سال قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ اجنتا کے غاروں کے دیواری نقوش (Murals) سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کن کن طریقوں سے گوتم بدھ کی مرقع سازی کر کے، ان کو مختلف شکلوں میں پیش کیا گیا ہے ۔ مندرجہ بالا خاکہ سے ہم یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ مذکورہ مذاہب میں ان کے ماننے والوں نے اپنے خدایا دیوی دیوتاؤں یا کسی مذہبی شخصیت کو اپنے اپنے فن میں مجسمہ یا نمونہ بنا کر اپنی عقیدت اور بندگی کا اظہار کیا ہے۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس کی بنیاد توحید پر ہے۔ خدا ایک ہے،واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، وہ مرئی نہیں ، یعنی ہماری ظاہری آنکھیں اسے دیکھ نہیں سکتی ہیں اور نہ ہی وہ کوئی ''شکل'' (Form) رکھتا ہے۔ اس لئے اسے آرٹ کی مدد سے کسی شکل یا مجسمہ کے طور پر پیش کرنا اسلامی معتقدات اور شعائر کے منافی ہے۔ علماء نے مصوری کے فن کی حوصلہ شکنی اسی ڈر سے کی کہ لوگ کہیں بنائی ہوئی تصویروں کو پوجنا شروع نہ کردیں۔

اسلامی آرٹ کا بنیادی مقصد یہ رہا ہے کہ انسان اپنے خالق کی ودیعت کردہ تخلیقی قوتوں کو آزادانہ طور پر بروئے کار لائے اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھائے اور اس کا شکر بجالائے۔ ایک مسلم فنکار اپنے آرٹ کے ذریعہ اپنے خالق و مالک کو یاد کرتا ہے، اپنی گہری عقیدت اور بندگی کا اظہار، اللہ کے عنایت کردہ تخلیقی جوہر کو بروئے کار لاکر، کرتا ہے اور اس طرح وہ اپنی روحانی زندگی کو جلا بخشتا ہے۔ اپنے تخلیقی فن پاروں میں خاص طور سے اللہ کی قدرت کے نظاروں یا علامتوں (Symbols) کے ذریعہ اپنے معبود حقیقی کا شکر بجالاتا ہے اور روحانی تسکین حاصل کرتا ہے جو اس کی زندگی کا ماحصل ہے۔ اس طرح اسلامی آرٹ کا مقصد اللہ کی پہچان ، اس کی قدرت وتخلیق کے رازوں کا انکشاف واعتراف ہے اور اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان روحانی رشتوں کی تقویت اور ان کا اظہار اس کی روح ہے ۔ جملہ فنون اور افکار اسی خالق مطلق سے مربوط ہیں اور وہی ان سب کا منبع ہے۔

اسلامی فنون اور اسلامی فکر کے مآخذ (Sources) قرآن اور احادیث رسولؐ ہیں۔ اس لحاظ سے اسلامی آرٹ کی تمام اقسام کا منبع توحید اور رسالت دونوں قرار پاتے ہیں، جن کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلم فنکاروں نے آرٹ کے مختلف میدانوں میں اپنے کارناموں سے دنیا کو روشناس کرایا ہے اور تحسین حاصل کی ہے۔ اس ضمن میں آرٹ کی مشہور اقسام مثلاً فن خطاطی (Calligraphy)، فن مصوری (Painting)، فن تعمیر(Architecture)صوفی شاعری (Sufi-Poetry)، موسیقی (music)،سجاوٹ یا آرائشی فنون (Decorative Arts) جن میں خاص طور سے عمارت کی نقاشی کے مختلف اجزاء شامل ہیں مثلاً ہندسی نقوش (Geometrical Designs)، سانچہ والے نقوش (Carved and Moulded Designs) بیل بوٹے کے نقوش (Leaf Scroll Motifs) وغیرہ شامل ہیں۔ پھر فن کوزہ گری (Ceramic Art) ہے۔ مختلف دھاتوں مثلاً تانبہ، پیتل ، چاندی ،لوہا،سونا وغیرہ کے برتن ،

فن قالین بافی (Carpet Art)، فن پارچہ بافی (Textile Art)، لکڑی سے بنی ہوئی اشیاء اور ان پر کندہ کاری (Wood Carving)، فن نقاشی کتاب (Book Illustration)، فن جلد سازی (Book Binding)، فن تزئین کتاب (Book Illumination) اور فن جواہرات گری (Art of Jewellery Making) وغیرہ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ ان سب اور متعدد دوسرے فنون میں مسلم فنکاروں نے اسلامی طرز زندگی کے تمام پہلوؤں کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور آج بھی کر رہے ہیں۔

مندرجہ بالا اسلامی فنون اور اسی طرح کے دوسرے بے شمار اصناف میں ایران کا نام سرفہرست ہے۔ ایرانی فنکاروں نے ہر قسم کے فنون میں اس بات کا بدرجہ اتم خیال رکھا ہے کہ انسان کی روحانی زندگی تابندہ تر ہوتی رہے اور حسن و جمال کی بے شمار نیرنگیوں، بوقلمی اور حیرت فزونیوں کے خالق کے ساتھ، جو احسن الخالقین ہے، انسان کا ہر ممکن روحانی رشتہ استوار رہے۔ مذہب جو اس روحانی رشتہ کو تقویت دیتا ہے اور آرٹ جسے ایرانی فنکار عبادت کا ذریعہ مانتا ہے، دونوں کی آمیزش نے ان گنت فن پاروں کی تخلیق میں اس کی معاونت کی ہے۔ ایرانی مسلم فن کاروں کے باطن کو توحید اور رسالت نے جلا بخشی اور وہ اپنے تخلیقی جواہر کو بروئے کار لائے، جس کے مختلف نمونے آرٹ کے متعدد اصناف کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔ اسلامی آرٹ میں ایران کی خدمات کے ضمن میں ہم یہاں آرٹ کی ایک نہایت ہی مشہور صنف ''فن خطاطی'' کا مختصر جائزہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ اندازہ کیا جاسکے کہ کس طرح اسلامی فکر و فن سے مربوط تہذیب کے نمائندوں نے اپنے تخلیقی ہنر سے اسلامی روح کو دنیا کے سامنے رکھنے کی ہر ممکن اور بہترین کوشش کی ہے۔

اسلامی فن خطاطی (Islamic Calligraphy)

امام علی ابن ابی طالبؑ کا کہنا ہے کہ ''خوش نویسی عمدہ ہاتھ کی زبان اور پاکیزہ ذہن کا اظہار ہے''[1] عام طور سے خطاطی ہاتھ کی خوبصورت لکھائی کو کہتے ہیں۔ یوں تو ہر زبان میں اس کی اہمیت اور قدر ہے مگر اسلامی روایت میں اسے باقاعدہ فن کا درجہ دیا گیا ہے اور اس کی ترقی پر فنکاروں نے بطور خاص توجہ صرف کی ہے۔ آرٹ کی اس صنف کی شروعات بھی اس دلچسپی سے ہوئی کہ نزول قرآن کے دوران جب رسول اکرمؐ پر وحی نازل ہوئی تھی تو آپ ان آیات مبارکہ کو اپنے ذی شعور خواص یا

1. Seyyed Hossein Nasr, Islamic Art and Spirituality, Golgoon Press, Suffolk, England, 1987,p.17.

صحابۂ کرام کو سناتے جو انہیں حفظ کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف اشیاء جیسے لکڑی، پتوں، چمڑے اور پتھروں وغیرہ پر تحریر کر کے محفوظ کرلیا کرتے تھے۔ اس طرح اسلام، قرآن اور رسول خداؐ سے عشق و محبت یا روحانی تسکین کے لئے یہ دستور فطری طور سے مستحکم ہوتا چلا گیا کہ قرآن شریف کے ہر حرف، ہر لفظ یا ہر آیت کریمہ کو خوبصورت سے خوبصورت انداز میں تحریر کیا جائے۔ لہٰذا قرآن مجید کی ابتدائی کتابت اس روحانی جوش و ولولہ سے شروع کی گئی جو اس کے جاودانی حسن کے شایانِ شان تھی۔ ان تحریروں سے تقدس کی جھلک انسانی قلب و نظر کو منور کرنے لگی اور فن خطاطی اسلام کے چاہنے والوں کے لئے روحانی تسکین و تمانیت کا باعث بنی۔

عربوں نے بھی اس فن میں کافی دلچسپی دکھائی مگر جو جوش و ولولہ فن خطاطی کی ترقی میں عجم نے دکھایا، اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ مسلم دنیا میں فن خطاطی کی ابتداء خط کوفی سے ہوئی اور آج جتنے بھی خط مسلمانوں میں مذہبی، اخلاقی و تہذیبی روح کو زندہ رکھے ہوئے ہیں، ان سب کا منبع و ماخذ اسی خط کو کہہ سکتے ہیں۔ اس خط کی ایجاد ابتداء عراق کے شہر کوفہ میں ہوئی اور کوفہ ہی کی نسبت سے اسے ''خط کوفی'' کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس خط کو کوفہ سے مکہ لانے والا حرب بن امیہ تھا مگر سید حسین نصر کے مطابق اس سب سے پرانے قرآنی رسم الخط کی ابتداء و ایجاد حضرت علیؑ نے کی جو اسرار لدنی سے واقف تھے اور اس متبرک فن کے مابعد الطبیعاتی پہلوؤں کا علم رکھتے تھے۔[1] اسلام کے ابتدائی دور میں خط کوفی پوری طرح رائج ہو چکا تھا۔ اس کے ارتقائی منازل کا اندازہ دوسری صدی ہجری تک کے قرآن پاک کے قلمی نسخوں سے لگایا جاسکتا ہے جو دنیا کے مختلف مقامات پر محفوظ ہیں۔ خط کوفی میں تحریر کئے گئے ان خوبصورت نادر نسخوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلامی خطاطی کس شان سے معرضِ وجود میں آئی۔

خط کوفی کے بعد 'خط نسخ' وجود میں آیا اور پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے بعد قرآن مجید کی کتابت کے لئے اسی خط کا استعمال ہوا، اس طرح خط نسخ پوری طرح اسلامی دنیا میں چھا گیا۔ خط کوفی اور خط نسخ کے بعد فن خطاطی کی دنیا میں اور کئی خطوط عالمِ وجود میں آئے۔ ان میں خط ریحان، ثلث، محقق، دیوانی، مغربی، گلزار، تاج شکستہ اور نستعلیق وغیرہ مشہور ہیں، جن میں مسلم فنکاروں خاص کر ایرانی نثراد شائقین نے قرآن، احادیث رسولؐ، اقوال آئمہؑ اور صوفیانہ شاعری کو خوبصورت انداز

1. Ibid., p. 24.

میں تحریر کیا اور اکثر نمونوں میں اب بھی بڑے ذوق وشوق سے طبع آزمائی کررہے ہیں۔ ایرانی فنکار ہر لفظ کی بناوٹ اور سجاوٹ پر پورا دھیان دیتا چلا آیا ہے اور اسے عبادت سمجھ کر اس کی تکمیل کرتا رہا ہے۔ اس لئے اسلامی دنیا میں فن خطاطی کو جس میں خاص طور سے 'اللہ کا کلام، اور 'آدمی کا ہاتھ' دونوں شامل ہیں ایک متبرک فن (Sacred Art) کا درجہ دیا گیا ہے۔

ایرانی مسلم فنکاروں نے فن خطاطی کو اسلامی آرٹ کی دنیا میں خصوصاً اور عالمی آرٹ کی دنیا میں عموماً اعلیٰ مقام تک پہنچا دیا ہے اور ایک الگ صنف کی حیثیت سے اس متبرک فن کی پہچان کرائی ہے۔ آج بھی اس فن میں نت نئے تخلیقی تجربے کئے جارہے ہیں اور جدید تکنالوجی کی مدد سے اسے خوبصورت انداز میں سجا سنوار کر پیش کیا جارہا ہے۔ مختلف مذہبی عمارات مثلاً عیدگاہ، مدرسہ، امام بارگاہ وغیرہ کے علاوہ فنکاروں نے فن خطاطی سے اپنے گھروں محلوں کی دیواروں، چھتوں، دروازوں وغیرہ کی تزئین بھی کی اور آج بھی کررہے ہیں۔

خط کوفی میں، خاص طور سے آٹھویں صدی ہجری اور عباسی دور کے مشہور خطاطوں میں بصرہ کے خوشنام، کوفہ کے المہدی، بغداد کے ابوعلی محمد اور نسخی رسم الخط، جس کو دور سلجوقی میں کافی اہمیت حاصل تھی، کے ماہرین مانی[2] محمد ابن خازن، یاقوت، عبداللہ سراقی، گیارہویں صدی کے علی خسروی اور سترہویں صدی کے حافظ عثمان[3] وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ اسی طرح نستعلیق، جو کہ عربی زبان کے دو الگ الگ رسم الخط نسخ، اور تعلیق کا مرکب اور سرزمین فارس کی پیداوار ہے، تیموری سلاطین کے دور میں عروج پر تھا۔ چودھویں صدی سے ہی ایرانی خطاط اس رسم الخط میں طبع آزمائی کررہے ہیں۔ چودھویں صدی کے آخری اور پندرھویں صدی کے ابتدائی دور کے مشہور خوش نویسوں میں میرعلی تبریزی (جن کی تحریر کا نمونہ مسجد گوہر شاد واقع مشہد میں ہے) جعفر بن تبریزی (شاہنامہ ۱۴۳۰) سلطان ابراہیم (جو شاہ رخ کے بیٹے تھے جن کے ہاتھ کا لکھا ہوا (۱۴۲۴) قرآنی نسخہ آج بھی امام رضاؑ کے روضہ میں محفوظ ہے)، عبدالکریم، اور بعد کے دوسرے ماہر خطاط جیسے سلطان علی مشہدی، سلطان محمد نیشاپوری، میرعلی ہروی، میر عماد الحسنی اور علی رضا عباسی کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔[4] تیموری اور صفوی

1. Runes, D.D., & Schrickel (ed.). Encyclopedia of the Arts, Philosophical Library, New York, 1946. p. 486,

2. M.M. Sharief, (ed.) A History of Muslim Philosophy. (Vol.II). Otto Harrassowtiz: Weisbaden (Germany), Pakistan Philosophical Congress. 1966, p.1181-2.

3. Runes . D.D., Schrickel, p.486. 4. Ibid., pp. 486-7.,

بادشاہوں نے اسلامی فن خطاطی کی ترقی میں کافی دلچسپی لی اور خط نستعلیق کے علاوہ خط شکستہ کو بھی آگے بڑھایا۔ یہ خط گیارہویں صدی میں وجود میں آیا اور آج بھی ایران میں کافی مقبول ہے۔

بیسویں صدی میں فن خطاطی نے نت نئے انداز اختیار کئے اور ایرانی خطاطوں نے اس اعلیٰ فن کو مختلف طریقوں سے پیش کرنے کی کوشش کی۔ اور آج بھی ایک اچھی خاصی تعداد اس میدان میں جانفشانی سے اپنے جوہر دکھا رہی ہے۔ ہم عصر ایرانی اقلیم خطاطی میں یوں تو ان گنت فن کار ہیں مگر ستاون (۵۷) کے قریب فن خطاطی کے ایسے مشہور ماہرین ہیں، جنہوں نے اس فن کی مختلف قسموں مثلاً خط کوفی، نسخ، نستعلیق، شکستہ، ثلث، طغرہ اور عمارتی خط میں اپنے کمال دکھائے ہیں۔ ان میں سے چند فن کاروں کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ فن خطاطی میں بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں ایک مشہور نام سید حسین میر خانی کا ہے جو نستعلیق رسم خط میں ماہر تھے۔ ان کی پیدائش ۱۹۰۷ میں تہران میں ہوئی۔ ان کے والد مرتضیٰ کافی عرصہ ہندوستان میں بھی رہے۔ کہتے ہیں جب سید حسین کی عمر صرف گیارہ سال کی تھی اس وقت انہوں نے شیخ سعدیؒ کی کتب کو اپنے ہاتھوں سے لکھا تھا۔ بعد میں انہوں نے خط نستعلیق میں ہی ایک بار ۱۹۵۹ میں دوسری بار ۱۹۶۰ میں قرآن مجید کو لکھا۔ میر خانی نے فن خطاطی کے کارناموں کی بدولت ایران سے "پہلے درجہ کا فن" (First Grade Art) کا میڈل حاصل کیا اور قرآن شریف کے نسخوں کے لئے مصر کی الاظہر یونیورسٹی نے انہیں اعلیٰ انعام اور سند سے نوازا۔ سید حسین میر خانی کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآنی آیات کا ایک نمونہ

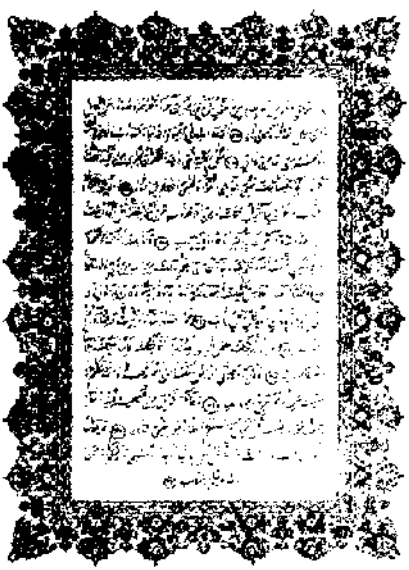

۲۔ عباس اخوین، ایک اور مشہور خطاط نے، بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں خط نستعلیق میں اپنا کمال دکھایا۔ ان کی پیدائش ۱۹۳۶ میں مشہد میں ہوئی۔ ''یہ اعلیٰ کاؤنسل (Supreme Council) کے

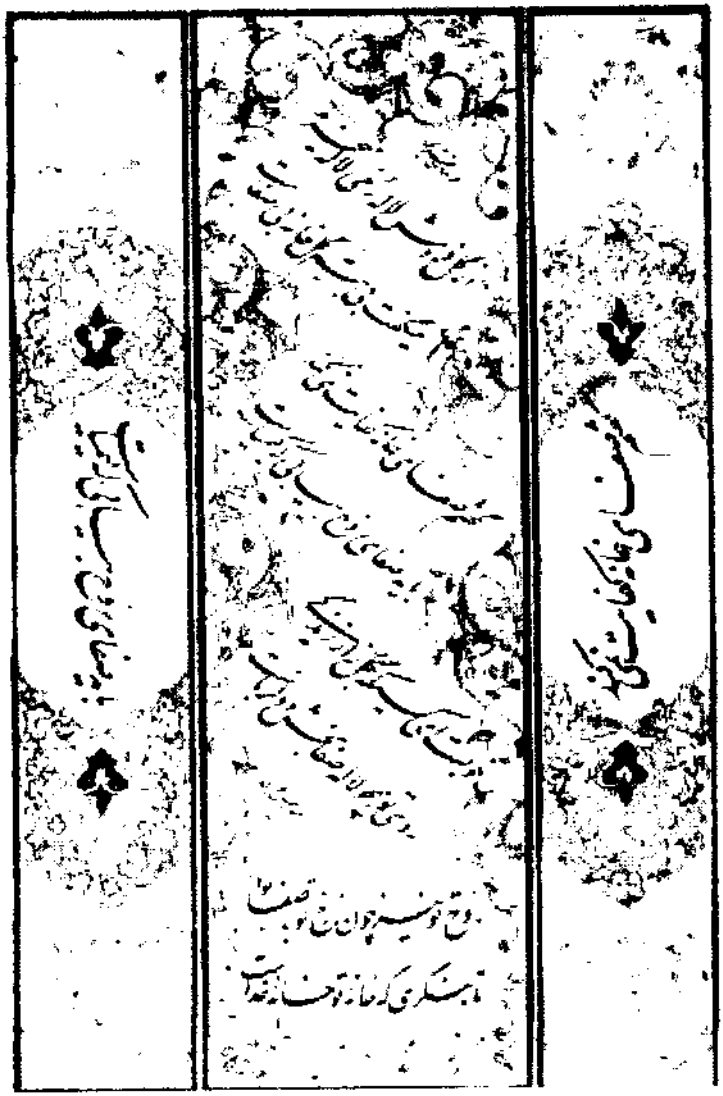

ڈائریکٹر اور ایرانی خطاط سوسائٹی کے ٹرسٹی بورڈ کے ایک اعلیٰ رکن رہے ہیں۔

عباس اخوین کے نستعلیق کا ایک نمونہ

۳۔ ایرانی تہذیب وتمدن کو مختلف فنون کے وسیلہ سے دنیا میں عام کرنے کا کام حسین کاشیان نے انجام دیا۔ فن خطاطی کے علاوہ کاشیان نے مصوری اور نقش کوچک (Miniature Painting) میں بھی

اپنے جوہر دکھائے۔ ان کی پیدائش ۱۹۴۲ میں تہران میں ہوئی اور آرٹ میں ان کا شمار عصر حاضر کے ایران کے چند اعلیٰ فن کاروں میں ہوتا ہے۔ حسین کاشیان فن کی دنیا میں چالیس سال سے زیادہ کا تجربہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے اٹھاون (58) سے زیادہ نمائش (Exhibitions) کیں جن میں چھبیس (26) گروپ نمائشیں، گیارہ انفرادی اور دیگر ملی جلی نمائشیں ہیں جنہیں انہوں نے مختلف ممالک مثلاً مصر، پاکستان، الجیریا، جرمنی، امریکہ، سوئٹزرلینڈ، چین اور دبئی وغیرہ میں شائقین کے سامنے رکھا۔ کاشیان نے خط نستعلیق میں اپنے نمایاں جوہر دکھائے۔

۴۔ خط نستعلیق، خط شکستہ اور خط سیاہ مشق میں جس جدید ایرانی خطاط نے اپنی تخلیق کے جوہر دکھائے،

اسے فن خطاطی کے شائقین جمال آبیری کے نام سے جانتے ہیں۔ ان کی پیدائش تہران میں ۱۹۴۵ میں ہوئی اور انہوں نے فردوسی، حافظ۔ فرزدق، فریدوں موشیری، رودکی، کے کلام کو مندرجہ بالا رسوم الخط میں تحریر کیا۔ خاص کر حافظ کی عشقیہ شاعری یا محبت نامہ (Love Story) کو عمدہ انداز جمال آبیری کے تحریر کردہ خط نستعلیق کا نمونہ میں پیش کر کے داد حاصل کی۔ ایرانی دنیائے خطاطی میں ان کو کافی مقبولیت حاصل ہے۔

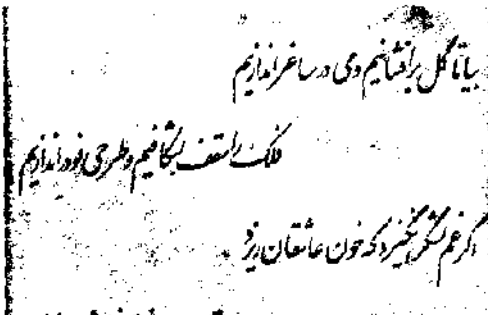

۵۔ ۱۹۶۶ میں ہمدان میں پیدا ہونے والے ایک اور مشہور ایرانی فنکار جلیل رسولی نے خط شکستہ اور خط نستعلیق میں اپنے کمال کا مظاہرہ کیا اور اپنے تحریری نمونوں کو مختلف رنگوں سے سجا کر پیش کیا۔ ان کی خطاطی کو دیکھنے کے بعد پتا چلتا ہے کہ ایک ایک حرف یا لفظ پر رسولی نے کس قدر محنت اور لگن سے اپنے تخلیقی جوہر دکھائے ہیں۔ فارسی اور عربی زبان میں ان کی خطاطی مسلم دنیا میں تحسین حاصل کر چکی ہے۔

۶۔ اسمٰعیل نیک بخت زاویہ ایک اور نامور ایرانی خطاط تبریز میں ۱۹۴۷ میں پیدا ہوئے۔ فنِ خطاطی کی شروعات ۱۹۷۳ میں فارسی کلام میں طبع آزمائی کے ساتھ ہوئی۔ اور مشہور کتب مثلاً گلستان سعدی، شاہنامہ، رباعیات عمر خیام، محمود شبستری کی نظموں کا مجموعہ گلشن راز، اور مناجات علیؑ کو خوبصورت انداز میں تحریر کیا۔ اپنی نستعلیقی تحریر کو خوبصورت انداز میں رنگوں کے ذریعہ مزین کرنے کا فن اسمٰعیل نیک بخت زاویہ کو خوب آتا ہے۔

۷۔ سید عبدالسلام غازی بھی فنِ خطاطی کی دنیا میں کافی مشہور ہیں۔ وہ شیراز میں ۱۹۵۳ میں پیدا ہوئے بچپن سے لکھنے کا شوق تھا اور خط نستعلیق کو خطاطی کی تخلیق کا ذریعہ بنایا۔

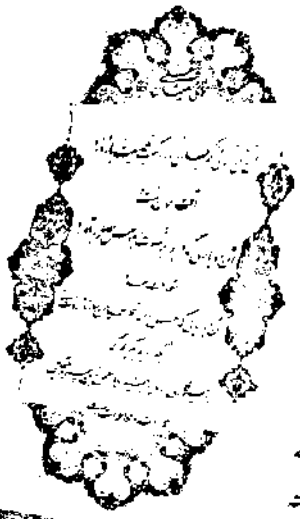

اپنی تحریر کو حاشیہ کی عمدہ تزئین کے ساتھ پیش کیا۔
نادری خطاطی کے پروفیسر ہیں اور شیراز
سوسائٹی میں (Calligraphers)
کیلیگرافرس
عرصہ دراز سے اعلیٰ رکن کی حیثیت سے اپنے
فرائض انجام دے رہے ہیں۔

۸۔ حمید رضا نادری ایک اور مشہور شیرازی خطاط ہیں
جن کی پیدائش ۱۹۵۶ میں ہوئی۔ بچپن ہی سے
خطاطی کا شوق اپنے والد سے ملا تھا۔ ۱۹۸۶ سے
نستعلیق رسم خط میں جو ہر دکھا رہے ہیں۔ خط شکستہ
میں بھی مختلف طرز میں اپنے شوق کو پورا کیا۔ نادری
کو ۱۹۸۹ میں ایران خطاط ایسوسی ایشن نے انعام
سے نوازا۔ انہوں نے فن خطاطی کی کئی نمائشوں
میں حصہ لیا۔ وہ اپنی تخلیقی کاوشوں کی بدولت
خط نستعلیق اور خط شکستہ میں شیراز کیلیگرافرس
(Calligraphers) ایسوسی ایشن کی جانب سے،
پروفیسر مقرر ہوئے۔ انہوں نے زیادہ تر قرآن پاک کی
آیات کو اپنی خطاطی کا مرکز بنایا۔

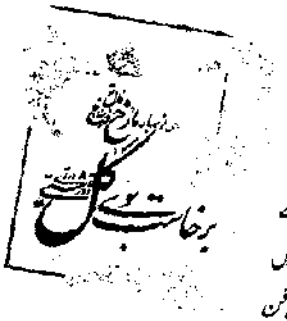

۹۔ جدید ایرانی دنیائے فن خطاطی میں ایک اور نامور خطاط
امیر احمد فلسفی ہیں۔ ۱۹۵۹ میں ان کی پیدائش ہوئی اور
باقاعدہ طور پر انہوں نے نستعلیق رسم الخط میں ۱۹۷۳ سے
خطاطی کی شروعات کی۔ ۱۹۸۰ سے ایرانی خطاط سوسائٹی میں
فن خطاطی کا درس دینا شروع کیا اور ساتھ ہی ساتھ اس فن
پر اپنی کتابوں کے علاوہ تیئیس (23) کتابوں کو خوبصورت

انداز میں تحریر کیا۔ ان کتابوں میں باباطاہر کا دیوان(Collection)، گلستان سعدی ، دیوان حافظ ، دیوان اقبال لاہوری ،شاہنامہ کے کچھ مناظر، رباعیات عمر خیام اور چند دیگر فارسی کتب شامل ہیں۔ خط نستعلیق میں فلسفی نے پانچ انفرادی نمائشیں ہندوستان، فرانس اور اپنے وطن میں کیں اور شائقین سے داد حاصل کی۔

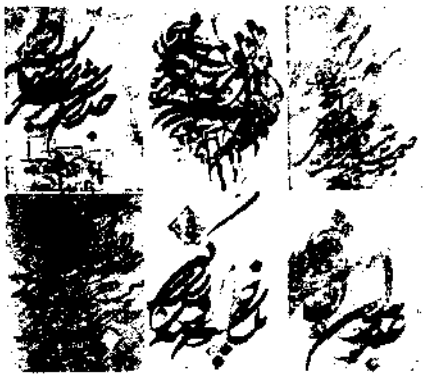

۱۰۔ اپنے منفرد انداز میں فن خطاطی میں ماہر استاد بہرام حنفی نے خط شکستہ میں نام کمایا اور اپنی یگانہ تکنیک سے فن خطاطی کی دنیا میں چار چاند لگائے ۔ ۱۹۶۶ء میں ان کی پیدائش ہوئی۔ بچپن سے ہی خطاطی اور دستکاری کا شوق تھا۔ ۱۹۵۸ء سے آرٹ کے مختلف میدانوں میں اپنی تعلیمی سرگرمیاں تیز کیں اور بی . اے . کی ڈگری حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ فن خطاطی کی تدریس کا کام بھی انجام دیتے رہے۔ تہران ، دوہا، قطر ، دبئی اور دوسری کئی جگہوں پر خطاطی کی نمائشیں کیں۔ خط نستعلیق میں بڑی شان وشوکت سے اپنے فن کا مظاہرہ کیا،مگر خط شکستہ میں اپنے نمایاں اسلوب کی بناء پر ان کی ایک الگ ہی پہچان بن گئی۔ ہر حرف کی بناوٹ وسجاوٹ متعدد انداز میں کرتے رہنا ان کی فطرت میں شامل ہے۔ انہوں نے فن خطاطی کے علاوہ مصوری، فن تعمیر، قالین بافی، مختلف دھاتوں سے خوبصورت اشیاء بنانا وغیرہ میں بھی اپنا کمال دکھایا۔

۱۱۔ جدید ایرانی فن خطاطی کی دنیا میں نہ صرف مرد فنکاروں نے ہی اپنے فن کا مظاہرہ کیا ہے بلکہ ایرانی خواتین بھی ہر فن کی طرح اس فن میں بھی پیش پیش ہیں۔ محترمہ الہہ خاتمی اور محترمہ گلناز فتحی نے فن کے دوسرے اقسام کے ساتھ فن خطاطی میں بھی اپنے کمال دکھائے۔

الہہ خاتمی نے خط نستعلیق میں اپنے کمالات کا مظاہرہ کیا، جب کہ گلناز (پیدائش ۱۹۷۲، تہران) نے نستعلیق کے ساتھ ساتھ خط شکستہ میں بھی اپنی تخلیق کے جوہر دکھائے۔ ترکی، امریکہ اور کئی دوسرے ممالک کے ساتھ ساتھ اپنے وطن ایران میں بھی اکثر جگہوں پر اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ تقریباً چودہ بار ان نمائشوں میں حصہ لے کر کئی انعامات بھی حاصل کئے اور ۱۹۹۵ میں ''بہترین خاتون خطاط'' (The Best Woman Calligraphist) کا خطاب بھی ایران میں حاصل کیا۔ ایران کی دس بڑی خواتین فنکاروں میں الہہ خاتمی اور گلناز فتحی کا شمار ہوتا ہے۔

۱۲۔ محترمہ لیلیٰ عباسی ایران کی ایک دوسری مشہور معروف خطاط ہیں آپ ۱۹۷۲ میں ایران کہ صوبہ کردستان کے شہر بیجار میں پیدا ہوئیں۔ ہنر خطاطی سے آپ کا انتہائی ذوق وشوق اور دلی لگاؤ اس چیز کا باعث ہوا کہ آپ کم عمر ہی میں ایران کے مشہور شکستہ نویسان کی فہرست میں شمار کی جانے لگیں اور آپ کا بے انتہا ذوق وشوق ہی تھا کہ انجمن خوشنویسان ایران تہران نے آپ کو بہ عنوان استاد تدریس کی دعوت دی۔ آپ نے ایران کی بہت سی اہم و معتبر نمائشوں میں شرکت کی۔ اس کے علاوہ آپ کو گرانقدر اعزازات سے نوازا گیا۔ پانچ سال تک آپ نے ڈاکٹر سید جعفر شہیدی کے ترجمہ نہج البلاغہ کی باریک قلم کے ذریعہ شکستہ نویسی کی غیر معمولی خدمت انجام دی (جس کے خط کا ایک [مندرجہ بالا] نمونہ اس نفیس کتاب سے آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔)

۱۳۔ مذکورہ بالا فن خطاطی کے مشہور جدید ایرانی ماہرین فنکاروں کے علاوہ دیگر نامور، ہستیوں میں علی اکبر اسماعیلی قوچانی (خط نستعلیق)، علی قھرمانی (خط نستعلیق)، فتح علی واشقانی فراھانی (خط نستعلیق)، حسن زرین (خط نستعلیق) اور سجاوند، ابراہیم بخت شکوہی (خط نستعلیق)، جہانگیر نظام العلماء خط نستعلیق وغیرہ ایسے مشہور نام ہیں، جنہوں نے اسلامی خطاطی کو ایران اور بیرون ایران عام کیا اور دنیا

کے دیگر فن کی اقسام کے ماہرین کو اس بے مثال فن سے آشنا کرایا۔ اور شائقین نے ان ماہرین فن خطاطی سے داد حاصل کی۔ انکی خطاطی کے نمونے پیش خدمت ہیں:)[1]

مندرجہ بالا مشہور ایرانی خطاطوں کے علاوہ ان گنت تعداد شائقین کی ہے جو اس فن کو، عبادت سمجھ کر، نت نئے انداز میں پیش کررہے ہیں۔ ان اسلامی فن خطاطی کے ماہرین کے نزدیک آرٹ کی یہ صنف انہیں روحانی دنیا سے قربت عطا کرتی ہے۔اور اسی لئے وہ مذہب کی اہمیت اور اپنے آرٹ کو خدا سے قربت کا ذریعہ سمجھ کر اسے زندگی کے ہر شعبہ میں اپنانے پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ اسلامی آرٹ کا فیضان ہے جو خالق کے رشتوں کو جلا بخشنے میں معاون ثابت ہورہا ہے۔فن خطاطی اسلامی آرٹ کی ایک مضبوط کڑی ہے۔اس آرٹ کی بقاء روحانیت کا ذریعہ ہے۔

1. Contemporary Iranian Calligraphers: (Source: Internet: Caroun.com)

بسم اللہ خاں: بے نظیر شہنائی نواز

شاہد خان

آسمانِ موسیقی کا سب سے درخشندہ ستارہ، انسانوں کا دوست، غریبوں اور بے یارومددگار انسانوں کا زبردست حامی ۲۱ راگست ۲۰۰۶ کو وارانسی کے ایک قدیم ہسپتال میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا۔ ان کی موت دنیائے موسیقی میں ایک ایسا سانحہ ہے، جس پر جتنا ماتم کیجئے کم ہے۔ ایسے فنکار اور ایسے انسان جو بے غرضی سے صرف اپنے فن کی خدمت میں انہماک سے مصروف رہیں، بڑی مشکل سے پیدا ہوتے ہیں۔ بسم اللہ خاں ضرور رحلت کر گئے، لیکن ان کی شہنائی کی آواز فضاؤں میں ہمیشہ گونجتی رہے گی اور اس طرح ان کی یاد کبھی موسیقی سے لگاؤ رکھنے والوں کے دل سے محو نہیں ہوگی۔

بسم اللہ خاں ہم سے بیشک جدا ہوگئے اور وہ بھی ہمیشہ کے لئے، لیکن انھوں نے اپنی شہنائی کی پرسوز وگداز آواز کی صورت میں ایک ایسی وراثت چھوڑی ہے جو ہندوستان کی موسیقی کی تاریخ میں ہمیشہ انھیں زندہ رکھے گی اور ان کی یہ وراثت ہم سب ہندوستانیوں کے لئے مایۂ افتخار رہے گی۔

استاد بسم اللہ خاں ایک عرصے سے بیمار چل رہے تھے۔ حکومت اور دیگر غیر حکومتی اداروں نے ان سے درخواست کی کہ وہ اپنے علاج کے لئے ملک یا بیرون ملک کے بہتر سے بہتر ہسپتال میں داخل ہوجائیں، لیکن انھیں یہ پسند نہیں تھا، جس نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ گنگا کے کنارے بنارس (وارانسی) میں گزارا ہو، وہ عمر کے اب آخری لمحات میں اپنے اس قدیمی اور تاریخی شہر کو کیسے خیرآباد کہہ سکتا تھا؟ صبح بنارس اور گنگا نے جو اس شہر سے گزرتی ہے، اسے اپنے سے دور نہیں ہونے دیا۔

جو لوگ استاد بسم اللہ خاں کے نزدیک رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ استاد حیرت انگیز شخصیت کے مالک تھے اور وہ اپنے حسنِ اخلاق سے مختلف مذاہب کے ماننے والوں، مختلف زبانوں کے بولنے والوں اور مختلف تہذیب وتمدن رکھنے والوں میں یکساں طور پر ہردل عزیز تھے۔

بنارس میں آرٹس کے ایک کالج کے پرنسپل رنجن شری واستو کا خیال ہے کہ بے شک استاد بسم اللہ خاں ہندوستان کی موسیقی کے تاج کے ایک گراں بہا موتی ہیں۔ آئندہ چند صدیوں میں بھی ان

کی مثال ملنا مشکل ہے۔ استاد نے شہنائی کو بالکل نئے معنی بخشے ہیں۔ رنجن شری واستو کا یہ بھی کہنا ہے کہ استاد اپنے وطن کے عاشق تھے۔ اپنے ہم پیشہ دوسرے فن کاروں کی طرح وہ کبھی محض روپیہ کمانے کے لئے اپنے وطن سے باہر نہیں گئے۔ انھوں نے بنارس کو کبھی اس غرض سے خیر آباد نہیں کیا۔ بنارس میں ان کی شہنائی کی مدھر آواز امام باڑوں، مذہبی زیارت گاہوں، مندروں، خاص طور پر کاشی وشواناتھ کے مندر اور سنکٹ موچن میں آج بھی گونج رہی ہے۔ ان کی موسیقی کی آواز گنگا کی موجوں میں بھی بسی ہوئی ہے۔ بنارس میں ووکل میوزک کالج کے سابق صدر چتارنجن جیوتشی نے استاد بسم اللہ خاں کے بارے میں کہا:

''استاد کی رحلت کے ساتھ ہی ایک دور کا خاتمہ ہوگیا۔ خدا شاید یہی چاہتا تھا کہ استاد بسم اللہ خاں کی انڈیا گیٹ پر (ہندوستان کی آزادی کے موقع پر) شہنائی کی آواز، جنت کے دروازے پر بھی سنی جائے۔''

استاد بسم اللہ خاں کے لیے شہنائی زندگی کا ایک اٹوٹ حصہ تھی۔ شہنائی سے ان کے قلبی اور روحانی تعلق ہی نے شہنائی کو وہ مقام بخشا کہ وہ شادی بیاہ اور مذہبی مراسم میں بجائی جانے لگی۔

ودیادھر ویاس لکھنؤ موسیقی کالج کے وائس پرنسپل کا کہنا ہے کہ:

''بسم اللہ خاں بڑی مہارت سے شہنائی کو اپنے ہاتھ میں لیتے تھے اور بڑے فخر اور نہایت مہارت اور خوبی سے اسے بجاتے تھے۔ آنے والے برسوں میں ان کا ثانی مشکل ہی سے پیدا ہوتا نظر آرہا ہے۔ استاد انسانی عظمت کے علمبردار تھے۔''

استاد صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ پنج وقتہ نماز پڑھتے تھے، اس کے ساتھ ہی انھیں گنگا، بابا وشواناتھ اور سنکٹ موچن سے بھی ایک تعلق تھا۔

ان سے بارہا کہا گیا کہ وہ زیادہ سرسبز چراگاہوں میں شکار کریں، جہاں زیادہ آمدنی کے امکانات ہیں، وہاں جائیں اور ثروت کے ڈھیر لگادیں، لیکن ان کا ہمیشہ یہ جواب ہوتا تھا کہ ''میں بابا وشواناتھ اور گنگا کو کہاں پاؤں گا۔'' ان سے کہا گیا کہ وہ ہندوستان سے باہر چلیں جہاں انھیں بڑی دولت مل سکتی ہے، وہ جو کچھ چاہتے ہیں وہ انھیں فراہم کیا جاسکتا ہے، لیکن انھوں نے ہمیشہ یہ جواب دیا کہ:

''تم لوگ وہاں میرے لیے گنگا کہاں سے لاؤ گے۔''

استاد بسم اللہ خاں ۲۱ مارچ ۱۹۱۶ کو بہار کے ایک غریب گھرانہ میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ اپنے

ماضی سے غافل نہیں تھے اور ان کی شخصیت کی یہ معرفت، دوسروں سے تعلقات میں جھلکتی تھی۔

ایک بار استاد بسم اللہ خاں نے ایک نامہ نگار کو بتایا کہ:

ایئر کنڈیشنر (AC) کی ایک کمپنی نے ایک بار ان سے یہ درخواست کی کہ وہ کمپنی کو اجازت دے دیں کہ وہ ان کے گھر میں ایک ایئر کنڈیشنر لگادے۔ استاد نے ان سے کہا: میں ایئر کنڈیشنر کی ٹھنڈی ہوا میں کیسے سو سکتا ہوں جبکہ میرا ہمسایہ رمضان علی، گرمی کی شدت کم کرنے کے لیے اپنے مکان کے چھپر پر، پانی چھڑکتا رہتا ہے۔

بڑے دکھ کی بات ہے کہ استاد بسم اللہ خاں جو محض ایک معروف و محترم شہنائی نواز ہی نہیں تھے، بلکہ ایک انسان دوست اور بنی نوع انسان کی ترقی و بہبودی کے خواہاں تھے، پیر کے دن ظہر کے بعد ۲۱ راگست ۲۰۰۶ کو رحلت کر گئے۔ انھیں درگاہ فاطمان، بنارس میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

ہم کیوں پیچھے رہ گئے؟

راشد شاز

مسلمان جو خیرامت کے دعویدار ہیں اور جنہیں آخری رسولؐ کے متبعین کی حیثیت سے بجا طور پر سیادت عالم کے منصب پر فائز ہونا چاہئے تھا، وہ صدیوں سے خود کو ایک چبھتے سوال کی زد میں پاتے ہیں۔ اگر واقعی وہ خیرامت ہیں اور اگر اہل ایمان کے لئے دنیا و آخرت دونوں جہان میں کامیابی کے وعدے ہیں، تو آخر ایسا کیوں ہے کہ امت مسلمہ کا گراف مسلسل روبہ زوال ہے۔ گیارہ ستمبر اور اس کے بعد کے واقعات نے اس سوال کی دھار کو اور بھی تیز کر دیا ہے۔ ایک ایسی امت جو عددی قوت میں دنیا کی ایک چوتھائی آبادی پر مشتمل ہو، جو جغرافیائی اعتبار سے اسٹرائیجک علاقوں میں سکونت پذیر ہو اور جس کی سرزمین قدرتی وسائل سے مالا مال ہو، آخر ایسا کیوں ہے کہ جدید دنیا میں اس کی حیثیت محض صارف کی ہو کر رہ گئی ہے۔ انسانی زندگی میں ٹیکنالوجی کی ترقی اور ایجادات و اختراعات سے مستقبل کی زندگی کا جو نیا نقشہ مرتب ہو رہا ہے اس میں ہمارا تخلیقی حصہ بمنزلۂ صفر کے ہے۔ مثال کے طور پر یہ خیال کہ دوسرے سیاروں پر انسانی زندگی کے امکانات سے اہل زمین کے مستقبل پر کیا اثر پڑے گا، انسانوں کے جینیٹک کوڈ کی دریافت کے بعد مستقبل میں عام فلاح کے لئے اسے کس طرح استعمال کیا جا سکے گا یا یہ کہ خلیوں کی تحقیق کے نتیجہ میں اگر بڑھاپے کو روکنا یا شباب کو طول دینا ممکن ہو سکا تو اس سے ہماری معاشرتی زندگی پر کیا اثرات پڑیں گے یا یہ کہ ایک ایسی دنیا جہاں ہر ذی روح اپنے شناختی کوڈ یا مائیکرو چپ کے سبب بین المواصلاتی نظام کا قیدی بن کر رہ جائے گی، اور یہ کہ ایک ایسی دنیا کے طلوع کو کیسے روکا جا سکتا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے بارے میں کسی فیصلہ کن موقف اختیار کرنے اور اس بارے میں مناسب اقدام کرنے کا ہم مسلمان خود کو اہل نہیں پاتے۔ گویا موجودہ دنیا میں جو لوگ مستقبل کا منشور تیار کر رہے ہیں وہ یقیناً ہم نہیں ہیں۔

پھر یہ کیسا وعدہ ہے کہ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ[1] قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اہل ایمان کو غلبہ اور تفوق کی بشارت دی گئی ہے۔ اس کے برعکس وہ لوگ جنہوں نے کفر کا ارتکاب

۱۔ آل عمران ۳، ۱۳۹

کیا، جو خدا کے باغی ہوگئے ،ان کے لئے آخرت میں تو دردناک عذاب ہے ہی دنیامیں بھی ان کامقام بس یہ ہے کہ وہ صاغرون بن کر رہنے پر اکتفاکر لیں۔ اہل کفر کی دنیا وی زندگی تعذیب وتذلیل سے عبارت ہے۔دین فطرت کے خلاف بغاوت انہیں ایک ایسے مقام پر پہنچادیتی ہے کہ وہ کائنات میں جاری تخلیقی عمل سے الگ تھلگ ہو جاتے ہیں۔پالیسی امور میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔محض مادّے کی سطح پر چوپایوں کی طرح زندہ رہنا ان کا مقدر بن جاتا ہے۔

کفراور ایمان در اصل دو الگ الگ رویئے ہیں۔یہ کوئی ایسی شناخت نہیں جو قوموں کو پیدائشی طور پر ودیعت ہوتی ہے۔انبیائے کرام نے جب بھی مردہ روحانی معاشرہ میں زندگی کا صور پھونکا دیکھتے دیکھتے کفاروشرکین کے معاشرہ سے اہل ایمان کی ایک بڑی تعداد سامنے آگئی۔پھر یہی لوگ جب قومی مسلمان بن گئے اور ان کی روحانی زندگی زوال پذیر ہوتی گئی تو ان ہی قوموں میں ایسے نفوس بھی پیداہوگئے جنہوں نے خدا سے بغاوت اور سرکشی کی نئی تاریخ رقم کی۔افسوس کہ اہل ایمان کے یہ طائفے جن میں بغاوت اور سرکشی کا ظہور ہوا،اس حقیقت کو نہ سمجھ پائے کہ کفر ہو یا اسلام اس کا انحصار زبانی دعویٰ پر نہیں بلکہ عمل پر ہے۔خدائے واحد کی اطاعت شعاری پر کسی مخصوص قوم یا فرد کی اجارہ داری نہیں۔قرآن مجید نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس بات کی وضاحت کی ہے کہ کس طرح یہود مدت سے اس خیال میں گم ہیں کہ وہ اب بھی اپنے تمام فکر وعمل کے زوال کے باوجود تمام اقوام عالم پر فضیلت رکھتے ہیں۔

یہود کی طرح ہم مسلمان بھی مدت سے کچھ اسی قسم کی خوش فہمی کے اسیر ہیں کہ اپنی تمام کج فکریوں کے باوجود آخری ساعت تک کے لئے دنیا کی سیادت ہمارے حصہ میں لکھ دی گئی ہے۔البتہ عملی زندگی کے تلخ حقائق ہمیں خیرامت کی مختلف تشریح وتاویل پر مجبور کرتے ہیں ۔کوئی کہتا ہے، جیسا کہ ہمارے ایک کرم فرمانے پچھلے دنوں اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ خیرامت تو ہم ہی ہیں اور اقوام عالم کی سیادت پر فائز بھی، ہمیں ہی فائیز کیا گیا ہے اب چاہے کوئی ہماری اقتداء کرے یا نہ کرے۔کوئی کہتا ہے کہ غلبہ سے مراد سیاسی، معاشی یا تہذیبی غلبہ نہیں بلکہ عالم روحانیت میں اعلیٰ مقام کا حصول ہے اور یہ کہ کشف ومجاہدہ کی دنیا میں ہم نے جو جھنڈے گاڑ رکھے ہیں کیا مجال کہ دوسری قومیں اس کے قریب بھی پھٹک سکیں۔ دوسری طرف اصحاب باطن ہیں جوگاہے بگاہے اس بات کی خبر دیتے رہتے ہیں کہ ابدال واوتاداور اقطاب کی مجلس میں جلدی ہی کوئی فیصلہ کن قدم اٹھایا جانے

والا ہے جس سے دنیا کی صورتحال میں حیرت انگیز تبدیلی آجائے گی۔ افسوس کہ یہ تاویلیں ہمیں صورت حال کے صحیح ادراک سے روکنے میں مسلسل کامیاب رہی ہیں۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

سچ تو یہ ہے کہ پچھلی کئی صدیوں سے، بلکہ ابوحامد الغزالی سے لے کر آج تک، مسلم ذہن مسلسل ایک مخمصہ کا شکار ہے۔ اس سلسلہ میں نئی دینیات کی تشکیل کی جو کوششیں ہوئی ہیں وہ اس سوال کی دھار کو کم کرنے کے بجائے اس میں مزید اضافہ کا سبب بنی ہیں۔ وہ لوگ جو خود کو اہل ایمان سمجھتے ہوں اور جنہیں اس بات پر مکمل یقین ہو کہ وہ خدا کے برگزیدہ بندے، خیرامت سے متصف، غلبہ وسیادت کی بشارت کے مستحق ہیں لیکن اس کے باوجود عملی زندگی میں وہ دوسروں کی اقتداء اور انحصار پر خود کو مجبور پاتے ہوں، تو یقیناً وہ اپنے آپ کو ایک بڑے روحانی مخمصہ میں مبتلا پائیں گے۔

سب سے پہلی بات تو یہ سمجھ لینے کی ہے کہ اسلام محض زبانی ایمان کا قائل نہیں۔ مسلم متکلمین کے درمیان یہ بات ابتدائی صدیوں میں ہی بحث کا موضوع بن گئی تھی کہ صرف زبانی اقرار کو استناد حاصل ہوسکتا ہے یا عملی روئیہ سے بھی اس کی شہادت لازم سمجھی جائے گی؟ قرآن مجید میں اکثر مقامات پر ایمان کے ساتھ عمل صالح کا مطالبہ دراصل اسی بات پر دال ہے کہ مومنین وصادقین کا ایمان ہمیشہ عمل سے اپنی تصدیق کرتا ہے اس کے برعکس منافقین اپنے قولی ایمان کا مسلسل انکار اپنے عمل سے کرتے رہتے ہیں۔ گویا جس ایمان کی پشت پر عمل کی قوت نہ ہو اسے قابل اعتناء نہیں سمجھا جائے گا۔ ابتدائی عہد کے مسلمان جو ایمان کی اس لذت سے آشنا تھے، کائنات میں خود کو ایک کلیدی رول پر مامور پاتے تھے۔ انہیں صاف محسوس ہوتا تھا کہ آخری ساعت تک دنیا میں جو بھی کام ہوگا اب قبعین محمدؐ کی حیثیت سے اس کی قیادت کا فریضہ انہیں انجام دینا ہے۔ تب خیر کا کام یا عمل صالح کا مفہوم ان تمام کاموں پر محیط تھا جس سے نوع انسانی کی فلاح وبہبود وابستہ تھی۔ قرآن نے محمد رسول اللہ کو صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ تمام عالم انسانیت کے لئے رحمت قرار دیا تھا۔ پھر بھلا ان کے قبعین کے اعمال صالحہ سے عام دنیائے انسانیت کیوں کر متمتع نہ ہوتی؟

قرآن مجید کی مختلف آیتوں کے تقابلی مطالعہ سے یہ بات بہت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ عمل صالح دراصل نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور وظائف جیسی شخصی عبادتوں سے بہت آگے کی چیز ہے۔ جیسا کہ

ارشاد ہے إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ [1] نماز اور زکوٰۃ سے علیحدہ عمل صالح کا یہ مطالبہ جو قرآن اہل ایمان سے کرتا ہے اور جس حوالہ سے یہ بشارت سنائی جاتی ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے ان کے رب کے پاس اجر موجود ہے، آخر ہے کیا؟ قرآن مجید نے مختلف اسالیب میں، ایسے اہل ایمان کو جو عمل صالح سے متصف ہیں، جنت کی بشارت دی ہے کہ جیسا کہ ارشاد ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ [2] بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر عمل صالح کے وہ حاملین بھی جن کا تعلق دوسرے ایمانی طائفوں سے ہے مثلاً یہود و نصاریٰ اور صابئین تو ایسے خداشناسوں اور فکر آخرت رکھنے والوں کو بھی عطائے رب أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ [3] اور ہر قسم کے خوف سے نجات وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ [4] کا مژدہ سنایا گیا ہے۔ گویا اہل ایمان، خواہ ان کا تعلق کسی بھی نبوی طائفہ سے ہو، اگر وہ عمل صالح کی راہ پر چل نکلیں تو دنیا و آخرت کی کامیابی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ قرآن کے اس عمومی کلیہ کی روشنی میں اگر ہم قومی مسلمان اپنا غیر جانبدارانہ محاسبہ کر سکیں تو اس سوال کا تسلی بخش جواب فراہم کرنا کچھ مشکل نہیں رہتا کہ غلبہ و استیلاء کی قرآنی بشارت سے آج ہم محروم کیوں ہیں؟

قرآن کی اصطلاح میں عمل صالح ان تمام کاموں پر محیط ہے جو خدا کے نظام کائنات سے ہم آہنگ ہو اور جس کے نتیجہ میں نوع انسانی کو عام فائدہ پہنچے۔ شاہراہ عام سے کانٹا ہٹانے اور اسے عام انسانوں کی سہولت کے لئے صاف رکھنے سے لے کر نوع انسانی کو رشد و ہدایت سے ہمکنار کرنا، انہیں توہمات و سرکشی سے نجات دلانا اور ان کے لئے خدا کی عطا کردہ نعمتوں سے متمتع ہونے کے لئے یکساں مواقع فراہم کرنا، یہ سب کچھ عمل صالح کے دائرہ میں آتا ہے۔ مؤمن جہاں عمل صالح یا مثبت خلاقانہ روئیہ سے معاشرہ کی اصلاح و زیبائش میں لگا رہتا ہے وہیں کافر اپنے منفی روئیہ کی وجہ سے اس نظام عمل کو مسلسل زک پہنچانے کی فکر میں رہتا ہے۔ البتہ یہ کفار بھی اگر تائب ہو جائیں اور ایمان و عمل صالح کی راہ پر چل نکلیں تو یہ بھی کامیابی کی بشارتوں کے اتنے ہی حقدار ہوں گے۔ (قصص، ۶۷) قرآن میں بعض مقامات پر عمل صالح کو کفر کی ضد بتایا گیا ہے مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ [5] جو لوگ مثبت خلاقانہ روئیہ سے متصف نہیں ہوتے، جو نوع انسانی کے قافلہ میں عمل صالح کا اپنا حصہ ڈالنے سے اجتناب کرتے ہیں اور جن کی نگاہیں اپنے ذاتی یا قومی

۱۔ بقرہ، ۲۷۷ ۲۔ بقرہ، ۸۲ ۳۔ بقرہ، ۲۷۴ ۴۔ بقرہ، ۳۰ ۵۔ روم، ۴۴

فائدہ سے آگے نہیں دیکھ پاتیں، ایسی قومیں اپنے اس منفی رویہ کی وجہ سے کفر کے بہت قریب آجاتی ہیں۔خلاّ قانہ قوتوں کا آبشار اگر خشک ہوجائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ہم عمل صالح کی مخالف سمت میں گامزن ہیں۔ایسی قومیں دنیا کی امامت کی اہل نہیں رہتیں۔بندر صفتی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔دوسری قوموں کی نقل میں ہی وہ اپنی عافیت جانتی ہیں۔ جیسا کہ اہل یہود جیسی برگزیدہ قوم کے ساتھ ہوا كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ [1]

اس وقت دنیا میں انسانی زندگی کونئی سمت دینے،معیار زندگی کو بلند کرنے،خدا کی کائنات کی تسخیر،خشکی،سمندر اور فضاؤں میں بہتر امکانات کی تلاش،رسل ورسائل کی سہولیات،سفر وحضر کی آسائشیں اور اس جیسے جتنے اعمال صالحہ بھی انجام پارہے ہیں بدقسمتی سے قومی مسلمانوں کا حصّہ اس میں خاصہ کم ہے۔اس حقیقت سے شاید چشم پوشی مشکل ہوکہ موجودہ دور میں ہوائی سفر، ٹیلی فونی رابطے، ٹیلی ویژن،ریڈیو،کمپیوٹراور انٹرنیٹ جیسی ایجاد نے انسانی زندگی کو جس غلغلہ انگیز انقلاب سے دوچار کردیا ہے اس کے نتیجہ میں عام انسان کے لئے علوم واطلاعات سے واقفیت حاصل کرنا ماضی کے مقابلہ میں کہیں زیادہ آسان ہوگیا ہے۔ Antibiotics کی ایجاد اور طب کے میدان میں جدید تحقیق نے بندگان خدا کے لئے بہتر زندگی کا سامان فراہم کردیا ہے۔ کتنے ہی بے لوث اہل فن،جن کے ناموں سے بھی ہم واقف نہیں،انہوں نے عمل صالح کی اس مہم جوئی میں اپنی زندگیاں لگادی ہیں۔ جب ہی یہ ممکن ہوا کہ آج ہم اکیسویں صدی کی ابتداء میں سائبراسپیس کے شہری کی حیثیت سے حقیقی دنیا سے بھی پرے ایک ایسی دنیا میں سانس لینے کی پوزیشن میں ہیں جو اطلاعات کے غیر مرئی تاروں کے علاوہ کہیں اور وجود نہیں رکھتی۔عمل صالح کے اس عالمی مشن میں مشرق سے افرادی قوت گاہے بگاہے ضرور ملتی رہی ہے۔اس میں شبہ نہیں کہ اس عمل میں قومی مسلمانوں کی شرکت سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔البتہ گزشتہ تین سوسالوں میں اس علمی اور انکشافاتی معرکہ کی قیادت ہمارے ہاتھوں میں نہیں رہی ہے اور نہ ہی راسخ العقیدہ مذہبی فکر نے اس عمل کو عمل صالح سے تعبیر کیا ہے۔

مسلم مذہبی حلقوں میں ابوحامد غزالی کے عہد سے فکر ونظر کا جوزوال جاری رہا اس نے ہمیں یہ باور کرایا کہ کائنات میں غوروفکر اور اس کی تسخیر کا کام وقت زیاں ہے۔ہم اہل ایمان کا کام تو یہ ہے کہ ہم خود کو اور وظائف میں مشغول رکھیں کہ مجاہدہ کے بجائے مکاشفہ کا راستہ ہمیں مشاہدۂ حق کی منزل

۱۔ بقرہ، ۶۵

مقصود تک لے جاسکتا ہے۔ہم نے دانستہ اس حقیقت کو نظر انداز کردیا کہ قرآن مجید میں کشف کے بجائے سارا زور تدبر و تعقل پر ہے۔قرآن کے نزدیک عالم حقیقی وہی ہے جو ان آیات پر غور کرے کہ آسمان سے بارش کے چند قطرے ایک ہی زمین سے مختلف رنگوں اور اقسام کے پیڑ پودے کیسے اگاتے ہیں؟ اور اس عجیب وغریب انتظام قدرت پر اس کا دل خشیت الٰہی سے معمور ہو جائے۔لیکن اس کے برعکس مسلم معاشروں میں عالم سے وہ لوگ مراد لئے جانے لگے جن کا نظم کائنات میں غور وفکر سے کوئی تعلق نہ تھا اور جو صرف اس حوالہ سے عالم کہے جانے لگے تھے کہ انہوں نے اپنے مدراس میں ثانوی اسکول کی ڈگریوں کو عالمیت کا نام دے رکھا تھا۔ اسی طرح عمل صالح کے حوالہ سے محیرالعقول قسم کے اور وظائف مسلم معاشرہ میں رائج ہوگئے ۔کسی نے صرف تسبیح ہزار دانے پر صبح وشام تمام کرنے کو عمل صالح قرار دیا تو کسی کو یہ غلط فہمی رہی کہ الٹی کہ بیج پر سبحان الله وبحمده لکھو کھا جوامت کی مشکل کشائی کے لئے مجرب ہے۔ٹیکنالوجی کی مداخلت سے ایسے دستی آلے بھی اہل ایمان کے ہاتھوں میں دیکھے گئے جو وظائف کی گنتی الیکٹرونک طریقہ سے محفوظ رکھ سکتے تھے،حلانکہ اس قسم کے بے فائدہ عمل پر حضرت عمرؓ نے ابتدائی عہد میں ہی سخت تنبیہ کی تھی، لیکن مختلف قسم کے علماء ومشائخ کے زیراثر عمل صالح کے اس غیر قرآنی تصور نے ہماری راسخ العقیدہ فکر میں مسلسل اپنی جگہ بنائے رکھی۔نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں دوسری قوموں نے عمل صالح کے عالمی پروجیکٹ پر اپنا قائدانہ تفوق برقرار رکھا اور ان کی پیش قدمی مسلسل جاری رہی، وہیں ہم عمل صالح سے یکسر کٹ کر رہ گئے۔مسلمانوں میں جو لوگ اس عمل میں اپنی ذاتی حیثیت سے شریک بھی ہوئے، انہیں یہ احساس ندامت مسلسل کچوکے لگاتا رہا کہ شاید اس لئے کشف ومجاہدہ اور وظائف کی دنیا کو خیر باد کہہ کر انہوں نے کچھ اچھا نہیں کیا۔وہ اپنی آخرت کے سلسلہ میں ایک طرح کے تذبذب کا شکار رہے اور شاید اس لئے کوئی بڑی کامیابی ان کے ہاتھ کم ہی آسکی!

اعمال صالحہ کے سلسلہ میں اس فکری مغالطہ نے اگر ایک طرف تعقل پسند مسلمانوں کو سیکولرزم کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کیا تو دوسری طرف مذہبی مسلمانوں کے لئے یہ مجبوری بن گئی کہ وہ ایک ایسی خیالی دنیا میں پناہ لیں جہاں تلخ حقائق ان کو پریشان نہ کرتے ہوں۔زوال کی صدیاں دراصل اسی بات کی غمازی کرتی ہیں کہ مسلمان اہل فکر اس سوال کا براہ راست سامنا نہیں کرنا چاہتے کہ آخر اتنی بے شمار قرآنی بشارتوں کے باوجود آج ہم اہل ایمان کا حال اتنا پتلا کیوں ہے؟ حالانکہ اللہ کا صریح وعدہ ہے:

وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ ءَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ [1] غلبہ واستیلاء کا یہ قرآنی وعدہ اسی دنیا کے لئے بھی ہے۔اس لئے محض یہ کہنے سے کام نہیں چلے گا کہ مؤمنین عزت ووقار کے لئے ایک دوسری زندگی کا انتظار کریں۔وہ انصاف پرور خدا جو ذرہ ذرہ کے حساب کا قائل ہو، جو ہر اچھے اور برے کام پر اجر کا وعدہ کرتا ہو فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهُ [2] بھلا وہ اس بات کو کیسے گوارا کرسکتا ہے کہ اعمال صالحہ میں مشغول قومیں تو حاشیہ پر رہیں اور خیالی دنیا میں نیک عمل کے دعویدار اقوام عالم کی قیادت پر متمکن ہوجائیں؟

۱۔(النور ۵۵) ۲۔الزلزال، ۲

معرفی کتاب

(تازہ ترین کتابوں کا تعارف)

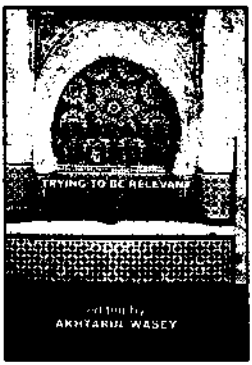

نام کتاب : Madrasas in India, Trying to be Relevant

تالیف : پروفیسر اختر الواسع

قیمت : ۳۰۰ روپیہ

صفحات : ۱۲۳

ملنے کا پتہ : Global Media Publication, J-51-A, AFE

Jamia Nagar, New Delhi-110 025

اسلامی روایات میں علم کو نور سے تشبیہ دی گئی ہے۔ علم حاصل کرنے کے لیے حتیٰ کہ دور دراز علاقوں کے سفر کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ مسلمانوں نے ہندوستان میں اپنی آمد کے ساتھ ہی تعلیم و تعلم پر خصوصی توجہ دی۔ اسی وجہ سے یہاں مدارس کی ایک قدیم اور شاندار روایت ملتی ہے۔ پروفیسر اختر الواسع جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، میں اسلامیات کے استاد ہیں۔ علوم انسانی اور زبانوں کی فیکلٹی کے ڈین اور ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کے صدر بھی ہیں جو ایک فعال شخصیت کے مالک ہیں۔ وہ ہندوستان میں خاص طور پر مسلمانوں کے مسائل سے واقف ہیں اور انہیں حتی المقدور حل کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ انگریزی میں Islam and the Modern Age اور اردو میں اسلام اور عصر جدید جیسے موقر رسالوں کے آپ مدیر ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب میں مرتب کا ایک تفصیلی مقدمہ ہے جس میں آپ نے اسلام میں تعلیم کی اہمیت، یہاں کے مدارس کی مختصر تاریخ اور ان کے نظام تعلیم سے بحث کی ہے۔ اس کے علاوہ مدارس میں نصاب تعلیم پر آج کی ضروریات کے مطابق تجدید نظر کی وکالت کی ہے۔ مقدمہ میں ان سات مقالات کا خلاصہ بھی دیا گیا ہے۔ جو اس کتاب میں شامل ہیں۔

سب سے پہلا مضمون محمد ارشد صاحب کا Tradition of Madrsa Education ہے۔ اس میں پیغمبر اسلامؐ کے زمانہ سے دور حاضر تک مدارس کی اجمالی تاریخ پیش کی گئی ہے۔ مصنف کے بقول بغداد میں نظام الملک طوسی کا قائم کردہ مدرسہ نظامیہ وہ سب سے پہلا مدرسہ تھا جسے حکومت کی سرپرستی حاصل تھی۔ سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں ہندوستان میں باقاعدہ مدارس قائم کیے گئے۔ ان میں فقہ اسلامی پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے پہلی بار حدیث اور تفسیر قرآن کو مدارس کے نصاب میں شامل کیا۔ کلکتہ میں مدرسۂ عالیہ اور دہلی کالج میں تاریخ اور ادبیات کو بھی نصاب تعلیم کا حصہ بنایا گیا۔ ۱۸۵۷ کے بعد مولانا قاسم نانوتوی نے دیوبند میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی جس میں تمام معارف اسلامی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ سرسید نے ۱۸۵۷ میں جس کالج کی بنیاد رکھی وہ آج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ اس میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید علوم کی تعلیم پر زیادہ توجہ دی گئی۔ ۱۸۹۸ء میں لکھنو میں ندوۃ العلماء کی بنیاد ڈالی گئی جہاں روایتی اسلامی علوم اور جدید علوم کو نصاب میں شامل کیا گیا۔ مصنف نے مدارس میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید علوم کی تعلیم کی اہمیت پر زور دیا ہے۔

وارث مظہر صاحب نے اپنے مضمون Reforming Madrsa Education میں صدیوں قدیم مدارس کے نصاب میں تعلیم کی تبدیلی کی پرزور حمایت کی ہے۔ اور اس ضمن میں چند اہم نکات پر بحث کی ہے۔ مصنف کے بقول اسلام دین و دنیا میں فرق نہیں کرتا، اس لیے مدارس کو بھی صرف دینی تعلیم پر ہی زور نہیں دینا چاہیے۔

یوگیندر سکند صاحب کا مضمون Voices for Reform in the Indian Madrsas ایک اہم تحریر ہے جس میں دینی مدارس کی اہمیت کا اس لیے بھی اقرار کیا گیا ہے کہ یہاں سماج کا ایک بڑا محروم طبقہ تعلیم حاصل کرتا ہے۔ ان کا یہ خیال درست ہے کہ اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو سماج کا ایک طبقہ خاص طور پر اقتصادی بدحالی کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہ جاتا۔ ان کے خیال میں بھی مدارس کے نصاب تعلیم کو بہر حال آج کے تقاضوں کے مطابق بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔

عادل مہدی صاحب نے Indian Madrsas and the allegation of links with Terrorism میں اس الزام کی پر زور تردید کی گئی ہے کہ مدارس ٹرورسٹ پیدا کرتے ہیں۔ بعض متعصب سیاسی پارٹیاں رات دن یہ الزام لگاتی رہتی ہیں کہ مدارس سے ملک کے دشمن باہر نکلتے ہیں۔

عادل مہدی صاحب نے اسناد و مدارک کی روشنی میں اس الزام کو بے بنیاد قرار دیا ہے۔ اس کے برخلاف مدارس نے ہمارے ملک کی آزادی میں جو فعال رول ادا کیا ہے اس پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور ثابت کیا گیا ہے کہ مدارس سے وابستہ اساتذہ اور طلباء کا کسی بھی دہشت گرد تنظیم سے کسی بھی قسم کا تعلق آج تک ثابت نہیں کیا جا سکا ہے۔ عادل مہدی صاحب بھی مدارس کے نصاب تعلیم میں اس طرح کی تبدیلیوں کے حامی ہیں جو مدارس سے فارغ التحصیل طلبا کو آج کی دنیا میں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی استعداد و صلاحیت عطا کر سکے۔

منیا کند اسامی نے اپنے مضمون The Hindutva Jehad Against Madrsas میں مدارس پر ایسے بے جا تنقید و اعتراض کرنے والوں کا مسکت جواب دیا ہے جو مدارس اور مدرسہ میں فرق نہیں جانتے اور مدرسوں کے بارے میں مکمل اندھیرے میں ہونے کے باوجود ان پر الزام تراشی کرتے رہتے ہیں۔

عبیدالرحمان صاحب نے اپنے مضمون Reforms should come from within میں مدرسہ کی تعلیم کی اہمیت پر جہاں روشنی ڈالی ہے وہیں وہ مدارس کے نظام تعلیم میں جدید تقاضوں کی روشنی میں تبدیلیوں کے حامی بھی ہیں۔ ان کا یہ مشورہ صحیح ہے کہ تبدیلیاں خود مدرسوں سے وابستہ حضرات کے ذریعہ عمل میں آنی چاہئیں۔ زیر تبصرہ کتاب میں عبیدالرحمان صاحب کا دوسرا مضمون Nepal Border Madrsas : No to Terrorism or ISI Activity میں دوسروں کے خلاف مختلف قسم کے بے بنیاد الزامات کی مدلل تکذیب کی ہے اور بتایا ہے کہ نیپال سرحد پر تو بعض ایسے مدارس بھی کام کر رہے ہیں جن کی مالی مدد کرنے والوں میں غیر مسلم حضرات بھی شامل ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب ہندوستان میں مدارس کی دور بہ دور، تاریخ مسلمانوں کی تعلیم میں ان کا شاندار حصہ اور ہندوستان کی آزادی کی جنگ میں مدارس سے وابستہ حضرات کی شاندار کارکردگی، مدرسوں کے خلاف بے بنیاد پروپگنڈے کی مدلل تردید اور پھر مدارس کے نصاب تعلیم میں جدید تقاضوں کے مطابق تبدیلی جیسے موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے جس کی وجہ سے سات مضامین کا یہ مجموعہ اپنے موضوع کے لحاظ سے ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

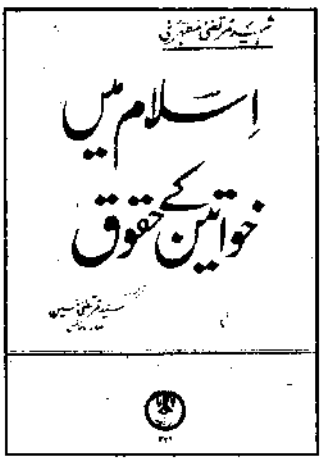

کتاب کا نام: اسلام میں خواتین کے حقوق

تالیف : شہید مرتضیٰ مطہری

ناشر : سازمان تبلیغات اسلامی تہران، ایران

صفحات : ۴۶۲

تبصرہ نگار : ڈاکٹر سید اختر مہدی

دنیا اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ اسلام اپنے ظہور سے لیکر آج تک گوناگوں مخالفتوں اور مختلف النوع عداوتوں کی آماجگاہ رہا ہے۔ ابتدائی مرحلہ میں قبائلی نظام کے متوالوں نے اس دین مبین کی ممانعت اس وجہ سے کی تھی کہ اس نے ایک خدا کا تصور پیش کرتے ہوئے ان کے سیکڑوں خداؤں کے وجود کو نابودی کے گڑھے میں ڈھکیل دیا تھا۔ حقیقی اور عملی مساوات کے ذریعہ سرمایہ دارانہ اور خود پسندانہ اقتصادی اور سماجی نظام کی چولیں ہلادی تھیں اور لڑکیوں کو زندہ درگور کردینے والے ہاتھوں کو محبت آمیز باہوں میں تبدیل کردیا تھا، خواتین کو مردوں کی جنسی خواہشات کے کوڑے دان سے نکال کر انہیں خودشناسی کی دولت سے مالامال کردیا تھا تاکہ وہ اپنی عظمت رفتہ کی بازیابی کے لئے جدوجہد کرسکیں اور جس ماحول میں مردوں کو مخالفانہ راہ وروش اختیار کرنے کی اجازت نہ رہی ہو وہاں خواتین کو اپنے حقوق کی حفاظت میں فلک شگاف انقلابی نعروں کے بلند کرنے کی آزادی حاصل ہو۔ جب اسلام اپنے ان توحیدی اور انقلابی افکار وعقائد کی وجہ سے اس دور کی عظیم طاقتوں پر غالب ہوگیا تو دشمن نے منافقانہ رنگ وروپ اختیار کرلیا۔ دشمنوں کی ایک بڑی جماعت بظاہر اسلامی لباس میں مسلمانوں کی صف میں داخل ہوگئی اور پیغمبر اکرمؐ کی وفات کے کچھ ہی دنوں بعد خلافت کو ملوکیت میں تبدیل کردیا گیا اور دائرہ اسلام میں داخل ہوکر اسلام پر بے بنیاد اور گمراہ کن اعتراضوں کی بھرمار ہونے لگی۔ چنانچہ خواتین کے سلسلہ میں یہ پروپگنڈہ کیا جانے لگا کہ اسلام نے عورتوں کو گھر کی

چہار دیواری میں قید کردیا ہے، یہ عورتوں کی ترقی کا خواہاں نہیں ہے، یہ انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے، یہ عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق نہیں دیتا ہے، یہ تعدد ازدواج کا داعی وطرفدار ہے اور یہ ملوکانہ نظام حکومت کو عزیز رکھتے ہوئے عوام سے نہیں بلکہ سرمایہ داروں اور ثروت مندوں سے مخاطب رہا ہے، سردست چودہ صدیاں گزر گئیں لیکن اسلام کے خلاف سابقہ اعتراضات کا سلسلہ جاری ہے۔ زمانہ کی راہ وروش اور عصری تقاضوں کے بموجب جام بدلتے رہے لیکن اس میں انڈیلی جانے والی شراب پرانی ہی رہی۔

ایران میں تحریک تمباکو، انقلاب مشروطیت اور ۱۹۵۰ء میں ڈاکٹر مصدق کی اصلاح پسندانہ تحریک کی ناکامی کے بعد ۱۹۶۰ء کی دہائی میں مغربی سامراجیت کے اثر ورسوخ میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا۔ تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو بظاہر ایران نے برطانوی نوآبادیاتی نظام کے سایہ میں غلامی کی زندگی کبھی نہیں گزاری، لیکن حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ قاجاری دپہلوی بادشاہوں کے دور حکومت میں ایران کی حیثیت ایک غلام ملک سے بھی بدتر تھی جس کی وجہ سے سوفیصدی مسلمان آبادی والے ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایسا پروپگنڈہ ہوجائے تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی اور ان اسلام دشمن پروپگنڈوں کو شاہی حکومت کی بھرپور سرپرستی حاصل تھی۔ اسلامی حجاب کو خواتین کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کے بہانہ شاہی حکومت کے زر خرید غلام سڑک پر چلنے والی باحجاب خواتین کے سر سے چادریں چھین لیا کرتے تھے اور ایران میں عورتوں کی آزادی اور ان کے حقوق کی بحالی کے نام پر عریانیت اور فحاشی کا بازار گرم تھا اور نوجوان نسل کو گمراہ کرنے کے لئے اس مغربی فکر کی حمایت میں رسالوں کی اشاعت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ ۱۹۶۶ء میں ''زن روز'' نامی رسالہ میں عورت کو مختلف علوم وفنون کی روشنی میں موضوع بحث قرار دیا گیا، ادب، تاریخ، علم نفسیات وحیات انسانی اور سماجی وقانونی علوم کی روشنی میں ''عورت'' کی شخصیت پر مختلف زاویوں سے مقالات منظر عام پر آنے لگے اور اسلام کو دین کامل سمجھنے والے مسلمانوں سے یہ سوال ہونے لگے کہ اسلام میں عورت کے حقوق کیا ہیں؟ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس کا مقام ومرتبہ کیا؟ اس کے فرائض کیا ہیں اور اس کے حقوق کی حفاظت کے لئے اسلام نے جو قوانین بنائے ہیں، وہ کیا ہیں؟

واضح رہے کہ دور رسالت ونزول وحی الٰہی میں بھی اس قسم کے سوالات ابھر چکے ہیں اور ان کا جواب بھی دیا جا چکا ہے لیکن وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ زبان وبیان اور سوالوں کی نوعیت میں

تبدیلی یقینی تھی لہٰذا جدید علوم ومعارف اور فلسفیانہ راہ وروش جیسے علم فطرت ،علم قانون ،شخصی قانون ، قومی قانون، عالمی قانون اور قانونی تشریحات وتوضیحات کی روشنی میں عورت کے مقام ومرتبہ ، اس کے حقوق واختیارات ، زن ومرد کے درمیان مساوات، نکاح، طلاق، حجاب اور شہادت وگواہی جیسے موضوعات پر اسلام دشمن مقالات ''زن روز'' نامی رسالہ میں شائع ہونے لگے اور مقالہ نگاروں میں وہ مغرب زدہ دانشور پیش پیش دکھائی دے رہے تھے جو مغرب کے ہاتھوں اپنی ذات ، اپنی تہذیب وتاریخ اور اپنی فکر کا سودا کر چکے تھے اوران کے پاس خودی ،خود داری اور اپنی ذاتی غیرت نام کی چیز باقی نہ رہ گئی تھی اور جو مغرب سے اٹھنے والی ہر آواز کے پیچھے دوڑ پڑتے تھے وہ اس حقیقت کی طرف متوجہ نہیں تھے کہ انہیں جمہوریت کے بجائے تاناشاہی ، آزادی کے بجائے غلامی ، زندگی کے بجائے موت اور موت کے بعد گمنامی کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوگا اور اس مذہب اسلام سے ان کا کوئی سروکار نہ رہ جائے گا جس نے گہوارہ نہیں بلکہ شکم مادر سے لیکر شکم گیتی تک انسانی زندگی سے وابستہ جملہ قوانین کو اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں مکمل ضابطۂ حیات کی حیثیت سے قلمبند کردیا ہے اور یہ دین طاقت ، دولت اور لامحدود اقتدار، اختیار کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی فکری ،منطق وقانونی فضیلت وعظمت اور انسانی دوستی کی وجہ سے زندہ وپایند ہے۔ ایران کا اسلامی معاشرہ بالخصوص ایرانی مسلم خواتین، ماں، بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے اصلاح کی پابند تھیں اور عالمی سامراج آج بھی اس کوشش میں سرگرم ہے کہ اسلامی پابندیوں کا یہ بندھن اگر ٹوٹ نہیں سکتا تو کم از کم ڈھیلا ضرور ہوجائے۔ یہ کام اسی وقت ممکن ہے جب حقیقی مسلمان علماء ودانشوروں کی طرف سے ان اعتراضات کا تسلی بخش جواب نہ دیا جائے۔

چنانچہ ۱۹۶۶ء میں بیسویں صدی کے نامور اسلامی مفکر ودانشور آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہری نے مسلمان خواتین اور ان کے حقوق وفرائض سے متعلق سوالات کا جواب دینا شروع کیا،لیکن شرط یہ رکھی کہ ان جوابوں کو اس رسالہ ''زن روز'' میں شائع کیا جائے ۔ آیت اللہ مطہری نے قرآنی شواہد اور منطقی دلائل کے ساتھ علم سماجیات ، تاریخ اور فطری ونفسیاتی پہلوں سے عورت کا مقام ومرتبہ ،منگنی، شادی ، نکاح ، متعہ ، تعدداز دواج ، نان ونفقہ ،مہر، طلاق، عدہ، میراث ، اولاد، جنسی بحران ، مردوزن کے جنسی روابط میں آزادی، جسم فروشی ،جنسی اشتراکیت ، دوستی کے نام پر مردوزن کے درمیان قربت، کنوارے باپ اور 'بے پدر' اولاد اور گھریلو وبے گھر زندگی جیسے موضوعات پر جو یادگاری مقالات تحریر

فرمائے وہ نہ صرف اُس دور مین بلکہ آج بھی غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں، جن کو بعد میں ایک جگہ جمع کر کے "نظام حقوق زن در اسلام" نامی کتاب کی شکل میں شائع کر دیا گیا ۔ اس کتاب میں مرد وعورت کے درمیان مساوات ، عورت کے نسوانی کردار کی نابودی ، عورت کو بے گھر بنانے کی سازش، مرد کا جنسی جنون ، شادی کے لائق لڑکیوں اور لڑکوں کی فراوانی اور گھریلو ذمہ داریوں سے مرد کا فرار جیسے موضوعات پر سیر حاصل بحث موجود ہے جس کو آیت اللہ مطہری نے قرآنی شواہد اور منطقی دلائل کے ذریعہ موثر اور کارآمد بنادیا ہے۔

اس کتاب میں زبان وبیان کی سادگی کو دیکھنے کے بعد یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ آیت اللہ مطہری کو زبان پر غیر معمولی ملکہ حاصل تھا اور اپنے پیغام کو عوامی پیغام بنانے کی خاطر انہوں نے سادگی سے کام لیا اور اپنی زبان کو عام فہم بنائے رکھا۔ انہوں نے عصری مسائل پر بحث ومباحثہ کرتے وقت عصری زبان واصطلاحات کا استعمال کیا ہے اور ان کی تصانیف کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عالم اسلام اور اس کے عصری مسائل سے بخوبی آگاہ تھے۔ یہ کتاب گیارہ ابواب اور مختلف ذیلی عناوین کی حامل اور تقریباً ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ خواتین سے متعلق جملہ اسلامی معلومات اور گمراہ کن مغربی تبلیغات کو اس میں جمع کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب کا عربی ، انگریزی اور اردو زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

شہید مطہری اپنے دور کے ان نامور علماء ودانشوروں میں شمار کئے جاتے ہیں جن کی زندگی اسلام شناسی اور دفاع اسلام کے لئے وقف تھی۔ انہوں نے قرآن وحدیث ، فقہ واصول کے ساتھ ہی عصری علوم ومعارف مثلاً اقتصاد، سیاست اور فلسفہ وکلام میں بھی غیر معمولی مہارت حاصل کی اور اس زمانہ کے مغربی اور ایرانی دانشوروں سے مرعوب ہونے کے بجائے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی اور مغربی افکار کو مشرقی لہجہ میں اور مشرقی افکار وعقائد کو مغربی اسلوب میں پیش کرنے کی کوشش کی اور دونوں کے درمیان نزدیکی روابط کی تشکیل کے لئے حوزہ علمیہ اور یونیورسٹی کے درمیان پل بنانے کی جدوجہد بھی کی ۔

آیت اللہ مطہری خراسان سے مشہد ، وہاں سے قم اور پھر ۱۹۵۲ء میں تہران آگئے ۔ تہران آنے کے بعد وہ آیت اللہ خمینی اور ان کے اردگرد جمع نوجوانوں سے قریب ہوتے چلے گئے ۔ اپنی غیر معمولی مقبولیت کی وجہ سے انہوں نے تہران یونیورسٹی کے دانشکدہ الٰہیات میں درس وتدریس کا کام

شروع کردیا۔ ان کا اصل مورچہ حسینیہ ارشاد اور ان کے جہاد کا میدان تہران یونیورسٹی پریس تھا۔ وہ ہمہ وقت وہمہ تن اسلامی اصول وعقائد پر ہونے والے حملات کا علمی اور منطقی جواب لکھنے میں مصروف رہا کرتے تھے۔ اپنی گرانقدر تحریروں کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ انہوں نے اسلام دشمن طاقتوں کو دندان شکن جواب فراہم دیا بلکہ اپنے دلکش اور منطقی اسلوب نگارش کے ذریعہ ملت اسلامیہ ایران بالخصوص نوجوان نسل کو گمراہ نہیں ہونے دیا۔ ان کی گرانقدر تصانیف کی تعداد ۴۰ سے زیادہ ہے جو آج بھی اسلام پسندوں کے لئے مشعل ہدایت کا درجہ رکھتی ہیں۔

امام خمینی کی جلاوطنی کے دوران یعنی ۱۹۶۳ء سے ۱۹۷۹ء تک وہ ایک جانباز سپاہی کی طرح ہر محاذ پر اسلام کا دفاع کرتے رہے اور اسلامی تحریک کی قیادت کے جرم میں قید خانہ کی سزا اور شاہی جلادوں کے عتاب کا نشانہ بھی بنے لیکن امام خمینی کی خفیہ ہدایات کے سایہ میں وہ انقلابی سرگرمیوں کی قیادت میں ہمہ تن سرگرم رہے۔ شہادت کے متوالوں کا مقدس خون رنگ لایا اور اسلامی انقلاب پروان چڑھنے لگا۔ امام خمینی کو عراق سے باہر نکلنے پر مجبور کردیا گیا اور وہ فرانس چلے گئے۔ آیت اللہ مطہری امام خمینی سے ملاقات وگفتگو کے لئے پیرس گئے اور لازمی ہدایات کے ساتھ تہران واپس آگئے اور انقلابی سرگرمیوں کی ایسی باشعور قیادت فرمائی کہ شہادت طلب انقلابیوں کے فلک شگاف نعروں کے سایہ میں امام خمینی تہران واپس آگئے اور فراری شاہ کی مقرر کردہ بختیاری حکومت منہ دیکھتی رہ گئی، اور ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء کو اسلامی انقلاب کامیاب ہوگیا۔ اسلام دشمن طاقتوں کو یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ آیت اللہ مطہری نے اس انقلاب کی رہنمائی میں کلیدی کردار ادا کیا ہے لہذا ۱۵ مئی ۱۹۷۹ء کو ایک خوفناک بم دھماکہ کے ذریعہ انہیں شہید کردیا۔

شہید مطہری کی شہادت ایسا عظیم حادثہ تھا جس نے امام خمینی جیسے صابر کو گریہ کرنے پر مجبور کردیا اور اپنی اشک ریز آنکھوں کے ساتھ انہوں نے فرمایا کہ ''مطہری میری زندگی کا ماحصل تھے۔'' اس کے بعد انہوں نے قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''میں طالب علموں اور عظیم اسلامی وانسانی قدروں کی پیروی کرنے والے روشن فکر لوگوں سے یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ اس استاد عزیز شہید مرتضیٰ مطہری کی کتابوں کو غیر معمولی سازشانہ ہتھکنڈوں کی وجہ سے ہرگز فراموش نہ ہونے دیں بلکہ ان کا بھرپور مطالعہ کریں۔''

زیر تبصرہ کتاب ''اسلام میں خواتین کے حقوق'' کی اہمیت وافادیت کا اندازہ اس بات سے

لگایا جاسکتا ہے کہ سردست خواتین کے حوالہ سے اسلام پر جو اعتراضات کئے جارہے ہیں ان کا بھرپور اور مکمل جواب عورتوں کے حقیقی مقام و مرتبہ کی نشاندہی کرکے، دیا ہے اور یہ کہ اسلام نے ان کو مردوں کے برابر حقوق بھی عطا کئے ہیں، بس فرق یہ ہے کہ عورتوں کے یہ مساوی حقوق مساوی تو ہیں البتہ مردوں کے حقوق کے مشابہ نہیں ہیں۔

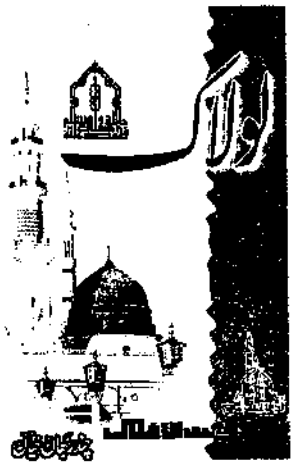

کتاب کا نام: لولاک (سیرتِ پاک پر مبنی ایک طویل نظم)

شاعر : چندر بھان خیال

ناشر : فرید بک ڈپو۔ دہلی

صفحات : ۱۲۸

قیمت : ۵۰ روپیہ

اردو دنیا میں چندر بھان خیال اب کوئی نیا نام نہیں ہے۔ جدید لب و لہجہ کے شاعر چندر بھان خیالؔ کے سلسلہ میں پروفیسر صادق نے لکھا ہے کہ: ''آٹھویں دہائی میں اردو کے شعری افق پر ابھرنے والے شاعروں میں چندر بھان خیالؔ ایک اہم نام ہے جو اپنی ایک واضح اور مخصوص شناخت رکھتا ہے۔ ۱۹۷۹ میں اس کے اولین مجموعۂ کلام ''شعلوں کا شجر'' کی نظموں نے اپنی منفرد فکر و اسلوب سے اردو شاعری کے قارئین و ناقدین کو متوجہ کیا تھا۔''

مختلف انجمنوں اور اکادمیوں سے ایوارڈ یافتہ خیالؔ کے شاعرانہ تخلیقی قلم سے ''گمشدہ آدمی کا انتظار'' (شعری مجموعہ) اور کمار پاشی شاعر و شخصیت کی پذیرائی کے بعد زیرِ نظر کتاب ''لولاک'' جو حضور اکرمؐ کی سیرتِ پاک پر طویل نظم ہے۔ جس میں تاریخ اسلام کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کا یہ شاہکار ایک یادگاری کارنامہ ہے جسے اردو دنیا اور محبان رہبر انسانیت ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ لولاک کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

لولاک کا پہلا ایڈیشن فرید بک ڈپو دہلی کے ذریعہ ۲۰۰۲ میں منظر عام پر آیا۔ جس کا سرورق بڑا دلکش ہے۔ جس پر گنبد خضرا کا عکس نمایاں ہے۔ کتاب کی پشت جلد پر پروفیسر صادق، جناب عظیم اختر، ڈاکٹر خلیق انجم، ڈاکٹر شمس الرحمن فارقی، جناب جوگیندر پال اور پروفیسر گوپی چند نارنگ جیسے

صاحب نظر ادیبوں اور ناقدوں کے تاثرات خیالؔ کی شاعری کے تعلق سے پیش کئے گئے ہیں۔ کتاب کے آغاز میں مولانا عبیداللہ اعظمی رکن پارلیامینٹ، مولانا اخلاق حسین قاسمی اور مخمور سعیدی جیسے اہل نظر حضرات نے کتاب کی اہمیت پر تعارفی وتاثراتی مضامین پیش کئے ہیں۔

خیالؔ نے سیرتِ پاک اور تاریخ اسلام سے متعلق اپنی اس طویل نظم کو چھ عناوین میں تقسیم کیا ہے۔ نظم کا اولین عنوان: ''ولادت سے پہلے'' ہے۔ جو آنحضرتؐ کی ولادت سے پہلے کے واقعات و حادثات زمانہ پر مبنی ہے۔ دوسرا عنوان: ''ولادت'' کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے جس میں آنحضرتؐ کی ولادت کی منتظر کائنات اور اس کے بعد معجز نما واقعات رقم ہوئے ہیں۔ تیسرا عنوان: ''نبوت'' ہے جس میں خصوصیاتِ و صفات نبوت کے ساتھ نزول وحی و قرآن، مبعث و رسالت و معراج کے واقعات جاذب اسلوب کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ چوتھا عنوان: ''ہجرت'' ہے جس میں ہجرت رسول کے واقعات اور حضرت علیؑ کو اہل مکہ کی امانتیں سونپنے کے واقعات اور غارِ حرا کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ پانچواں عنوان: ''جہاد'' کے نام سے قائم کیا گیا ہے۔ جس کے ضمن میں قضاوت رسولِ اسلام، عظمت و شکوہ اسلام، جنگوں کی حکمت عملی اور حضرت علیؑ کی شجاعت کا ذکر خوبصورت انداز سے کیا گیا ہے۔ چھٹا عنوان: ''نصرت'' کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے جس میں چندر بھان خیالؔ نے انقلابِ رسول اسلامؐ، نصرت انصار اور کمک ہای غیبی کے ساتھ رسولِ اسلام کے پیغام انسانیت، انسان دوستی اور حجۃ الوداع کے آخری خطبہ جس میں حقوق بشریت کا ذکر ہے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس طویل نظم کو پڑھ کر چندر بھان خیالؔ کی رسولِ اسلام سے محبت و عقیدت اور تاریخ اسلام پر عمیق نظر کا ایک اچھا تاثر ابھرتا ہے۔ کائنات کی عظیم ہستی رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰؐ کی سیرت و پیغام انسانیت کو چندر بھان خیالؔ عہد حاضر کی اہم ضرورت تسلیم کرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ چندر بھان خیالؔ نے لولاک کی تخلیق کرکے رسول اسلامؐ کے پیغام انسانیت کو عام کرنے کی اچھی کوشش کی ہے۔

حیدر آباد میں جشن مولود کعبہ

حیدر آباد

آج کے اس پر آشوب دور میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں کی جارہی ہیں ان کو ناکام کرنے کے لئے اوران سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہمیں حضرت علیؑ کی تعلیمات اور ان کے ارشادات پر سختی سے گامزن ہوجانا چاہئے۔ جب تک ہم ان کی تعلیمات کو مشعل راہ نہیں بنائیں گے، ہمیں ان گھناؤنی سازشوں سے نجات نہیں مل سکتی۔ مجلس خبرگان جمہوریہ اسلامی، ایران، کے معزز نمائندہ اور جید عالم دین آیت اللہ ابو قاسم خزعلی چیرمین انٹرنیشنل غدیر فاؤنڈیشن، تہران، ایران، نے کل ہند نہج البلاغہ سوسائٹی کے زیر اہتمام ''جشن مولود کعبہ اورسم اجراء مولود کعبہ نمبر'' منعقدہ نہرو اسٹیڈیم، مدینہ ایجوکیشن سنٹر، نامپلی حیدر آباد کے موقع پر حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت علیؑ کی تعلیمات کے لئے ہمیں ''نہج البلاغہ کو پڑھنے ، سمجھنے اور اس کی حقیقت کو جاننے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے لبنان میں اسرائیلی حملہ آوروں کے خلاف حزب اللہ کے سربراہ سید حسن نصراللہ کی شجاعانہ سرگرمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ سید حسن نصر اللہ کی اسرائیلیوں پر فتح ونصرت کے لئے دعا کریں۔ آیت اللہ خزعلی نے ہفت روزہ بانگ دراء کے مولود کعبہ نمبر کی رسم اجراء انجام دی، جسے شرکاء جشن مولود کعبہ میں مفت تقسیم کیا گیا۔ سوسائٹی کی جانب سے حضرت علیؑ پر مختلف عنوانات پر تحریری مقابلوں میں کامیابی حاصل کرنے والوں کو آیت اللہ خزعلی نے انعامات تقسیم کئے اور قونصل جنرل، اسلامی جمہوریہ ایران، آقای حسین روش، نے اسناد تقسیم کیں۔

مہمان خصوصی، قونصل جنرل، اسلامی جمہوریہ، ایران، آقای حسین روش نے کہا کہ موجود دور اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم نہج البلاغہ میں موجودہ حضرت علیؑ کے خطبوں اور خطوط کے مطالعہ اور اس پر عمل پیرا ہوکر ہی امن وامان اور آپسی بھائی چارے سے زندگی بسر کرسکتے ہیں۔ طرز جہاں بانی پر آپ کے تحریر کردہ خطوط پر عمل کرکے ہم ایک اچھی اور پاک صاف حکومت تشکیل دے سکتے ہیں۔ قونصل جنرل ایران نے کل ہند نہج البلاغہ سوسائٹی کی پچھلی ۳۳ سالہ بہترین کارکردگی کی ستائش

کرتے ہوئے ایران کے ممتاز وجید علماء کو جشن مولود کعبہ میں مدعو کرنے پر مبارکباد دی۔ انہوں نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے سوسائٹی کو مشورہ دیا کہ وہ جشن مولود کعبہ کے موقع پر حضرت علیؑ کے ارشادات عالیہ کو مختلف زبانوں میں شایع کرکے زیادہ سے زیادہ تقسیم کریں تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ اپنی معلومات میں اضافہ کرسکیں۔ صدر جلسہ، جسٹس سردار علی خاں، نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ آج اقوام متحدہ کے اصولوں پر چلنے کی اور صلح وآشتی سے آپس میں مل جل کر رہنے کی بات کی جاتی ہے۔ اگر ہم واقعی ان تمام باتوں پر عمل کرکے دنیا میں امن وامان قائم کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ حضرت علیؑ کی تعلیمات کو مشعل راہ بنائیں اور صدق دل سے اس پر عمل پیرا ہوجائیں، تب ہی ہم اپنے دعوہ میں صحیح ثابت ہوسکتے ہیں۔ جسٹس سردار علی خاں نے حضرت علیؑ کی طرز حکومت پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اگر ہم آج صدق دل سے حضرت علیؑ کا نام لیکر آپس میں اتحاد کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں تو یقیناً وہ ساری سازشیں جو آج اسلام اور مسلمانوں کے خلاف رچی جارہی ہیں، ان کا خاتمہ ہوجائے گا۔ ممتاز مفکر ڈاکٹر تقی خاں نے حضرت علیؑ کے کارہائے نمایاں پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ قوم وملت اور نظام سلطنت کے لئے جو اصلاحات حضرت علیؑ نے نافذ کئے تھے وہ ہمارے لئے مشعل راہ ہیں، جن پر ہم عمل پیرا ہوکر دنیا میں امن وامان قائم کرسکتے ہیں۔ سید شاہ نورالحق قادری، ایڈوکیٹ اور سابق چیرمین اے پی اردو اکیڈمی نے حضرت علیؑ کی خانہ کعبہ میں ولادت اور رسول اکرمؐ کے آغوش میں ان کی پرورش اور اسلامی فتوحات میں آپ کی سربلندی پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے آپ کی حیات طیبہ کے کئی واقعات سنائے۔ ابتداء میں ممتاز صحافی وادیب جناب کرار کاظمی۔ سکریٹری کل ہند نہج البلاغہ سوسائٹی۔ نے خطبہ استقبالیہ دیا اور سوسائٹی کی ۳۳ سالہ کارکردگی پر روشنی ڈالی۔ جشن کا آغاز قاری نواب اقبال علی خاں کی قرائت اور حضرت سعید مشہدی کی منقبت سے ہوا۔ ممتاز شعراء میں پروفیسر رحمت یوسف زئی، انجمن کمار گویل اور جناب کرار کاظمی نے حضرت شمس تبریز کی فارسی منقبت کے ذریعہ بارگاہ مرتضوی میں منظوم نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ سوسائٹی کے نائب صدر، میجر جنرل سید علی اختر زیدی، کے شکریہ پر جشن مولود کعبہ کا اختتام عمل میں آیا۔ ممتاز شاعر، جناب رئیس اختر، نے نظامت کے فرائض انجام دیئے۔

خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی، میں

یوم فردوسی اور قدیم ایرانی ادبیات کا تعارف

بسی رنج بردم دراین سال سی عجم زندہ کردم بدین پارسی

یعنی میں نے اپنی تیس سالہ زحمتوں کے نتیجہ میں فارسی کے ذریعہ ایران کو دوبارہ زندہ کردیا۔

۲۵ اردیبہشت ماہ بروز دوشنبہ خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی، میں قدیم ایرانی ادبیات کے تعارف کے سلسلہ میں یوم فردوسی کا انعقاد کیا گیا، جس میں علماء ومفکرین، دانشوروں محققین اور یونیورسٹی اساتذہ اور طالب علموں کی ایک اچھی تعداد نے شرکت کی۔

اس ادبی وثقافتی پروگرام کے آغاز میں سازمان فرہنگ ارتباطات اسلامی کے سربراہ کا پیغام حاضرین مجلس کے سامنے پیش کیا گیا جس میں فردوسی اور شاہنامہ کی عظمت وفضیلت کے ساتھ ہی ساتھ فردوسی کی اس مشہور زمانہ تخلیق کی روشنی میں ایرانی قوم کی حقیقی شناخت پیش کرنے کی تلقین کے ساتھ ہی ساتھ یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ شاہنامہ میں موجود اسلامی پہلوؤں کا بھرپور مطالعہ کیا جائے اور ایرانی قوم کی فطرت میں موجود اسلام پسندی، عدل محوری اور آزادی دوستی کو ساری دنیا میں اجاگر کیا جائے۔

اس موقع پر فارسی زبان وادب کے ڈاکٹر اسفند یار کوہی نے فردوسی اور شاہنامہ کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا'' شاہنامہ درحقیقت محض بادشاہوں کی داستان نہیں ہے بلکہ یہ عظیم انسانی افکار وعقائد اور عقل وخرد کی داستان ہے۔ شاہنامہ سرائی کا سلسلہ ساسانی دور سے شروع ہوا اور غزنوی دور میں اس کا خاتمہ ہوگیا۔ یہ فردوسی کا حیرت انگیز کارنامہ ہے کہ اس نے سیاسی وسماجی بحران واتھل پتھل کے دور میں ایسی معرکتہ الآرا ادبی تخلیق کے پیش کرنے کا فیصلہ کیا''۔ ڈاکٹر اسفندیار کوہی نے شاہنامہ کو عظیم قومی سند قرار دیتے ہوئے کہا کہ شاہنامہ ایران کی قومی شناخت کا بہترین وسیلہ ہے۔ انہوں نے شاہنامہ کو افسانوی، پہلوانی اور تاریخی حصّوں میں تقسیم کرتے ہوئے فرمایا کہ فردوسی ایک کسان تھا اور اس کے والد بھی کسان تھے اور اس زمانہ میں ایران کی حقیقی نسل

کسان ہوا کرتی تھی جس کو اپنے ملک کی ثقافت اور تمدنی روایات سے گہرا عشق ہوا کرتا تھا۔ کسان طبقہ سے وابستہ ہونے کی وجہ سے فردوسی کے پاس مال ودولت وافر مقدار میں موجود تھے۔ یہ کہنا کہ اس نے مال ومتاع کی لالچ میں شاہنامہ کی تخلیق کی، غلط اور بے بنیاد ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ شاہنامہ کی تخلیق کی راہ میں اس نے اپنا سارا سرمایہ حیات کھودیا، لیکن اس ادبی شاہکار کو دنیاوالوں کے سامنے پیش کردیا۔ ڈاکٹر اسفند یار کوہی نے فردوسی سے محمود غزنوی کی ناراضگی کا سبب بیان کرتے ہوئے کہا کہ محمود اس وجہ سے ناراض ہوا تھا کہ اس کتاب میں پہلوانوں کی ستائش کی گئی تھی۔ اگر فردوسی نے شاہنامہ میں بادشاہوں کی تعریف بیان کی ہے تو اس فہرست میں وہی بادشاہ شامل تھے جو بعد میں بادشاہت سے دستبردار ہوگئے تھے یا سیاوش جیسے وہ شاہزادے جو بادشاہت تک نہیں پہونچ سکے تھے۔ اسکے علاوہ پورے شاہنامہ میں کاووس اور گشتاسپ جیسے ہلکے کرداروالوں کی تعریف ہرگز نہیں کی گئی ہے۔

شاہنامہ میں ایرانی سرزمین پر حملہ کرنے والے تورانیوں کی بھرپور مذمت کی گئی ہے، جبکہ سلطان محمود غزنوی خود تورانی اور معتزلی فکر کا حامل تھا۔ اسی طرح اس زمانہ میں لوگوں پر جبکہ اشعری طرز فکر کا غلبہ تھا، فردوسی معتزلی عقائد کا پیرو تھا۔ لہٰذا عملی طور پر فردوسی اور سلطان محمود افکار وعقائد کے اعتبار سے ایک دوسرے کے خلاف صف آرا دکھائی دیتے ہیں۔ اگرچہ فردوسی کو اس تضاد واختلاف کا پورا علم تھا لیکن وہ اپنے اعتقاد سے ذرہ برابر منحرف ہونے کے لئے آمادہ نہیں تھا اور نتیجہ کی صورت میں محمود غزنوی شاہنامہ کا خاطر خواہ استقبال نہیں کرتا۔

ڈاکٹر کوہی نے مزید کہا کہ شاہنامہ میں انسانی روح کی موزونیت اور بشری تعارض صاف ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک طرف تو انسان جسم کا قیدی ہے اور کم ہمتی اور دیگر بری چیزوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے اور دوسری طرف دانشمند وفرزانہ انسان جاودانگی وپختگی کی تلاش میں سرگرداں دکھائی دیتا ہے اور ققنوس دیسمرغ کی جستجو میں سرگرم نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر کوہی نے بتایا کہ فعولن، فعولن، فعولن، فعول پر مبنی بحر متقارب ثمن ومحذوف بحر بالعموم پند ونصیحت اور حکیمانہ باتوں کے بیان کے لئے مخصوص قرار دی گئی ہے اور بوستان سعدی اسی وزن پر بیان کی گئی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ فردوسی کی شاہنامہ نگاری کا مقصد فقط فارسی

زبان وادب اور ان کی ثقافتی میراث کی حفاظت ہی نہیں تھی بلکہ ان کو اس حقیقت کا بخوبی اندازہ تھا کہ پندونصیحت، داستان عبرت بیان کرنے کے لئے بھی کئے جاسکتے ہیں۔ ڈاکٹر کوہی نے شاہنامہ کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک لاکھ بیس ہزار مصرعوں کو ایک ہی بحر میں نہایت دلکش انداز میں پیش کرنا درحقیقت کوئی معمولی کام نہیں بلکہ یقیناً ایک اہم ادبی کارنامہ ہے اور ان اشعار کو تشبیہ، استعارہ اور صنعت لف ونشر مرتب جیسی مختلف صنعتوں سے آراستہ کرکے لوگوں کے سامنے پیش کرنا، یقیناً غیر معمولی اہمیت مشتمل کارنامہ ہے۔

استاد کوہی نے مزید فرمایا کہ گستاشپ کی ناعاقبت اندیشی اور جاہ طلبی کی وجہ سے حملہ تورانیان کے موقع پر ایران کا رستم اور اسفند یار جیسے دو نامور پہلوانوں سے محروم ہوجانا، شاہنامہ کا ایک عبرت ناک پہلو ہے۔ گستاشپ اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے مخصوص ہتھکنڈوں کے ذریعہ دو ایرانی پہلوانوں کو ایک دوسرے کا جانی دشمن بنادیتا ہے۔

اس پروگرام کے دوسرے حصہ میں انجمن استادان فارسی ، ہند، کے جنرل سکریٹری پروفیسر عبد الودود اظہر دہلوی نے کہا کہ فردوسی کا شاہنامہ ایران کے رزمیہ ادب کی زندہ مثال ہے۔ دنیا کی دیگر اقوام کے پاس بھی رزمیہ ادب کے نمونے موجود ہیں مثلاً ہندوستان میں راماین اور مہابھارت جیسی رزمیہ داستانیں موجود ہیں، لیکن اس بات کا اعتراف بہر حال کرنا ہوگا کہ شاہنامہ کا درجہ ان تمام ادبی شاہکاروں سے بالاتر ہے۔

پروگرام کے آخری مرحلہ میں اسلامی جمہوریۂ ایران، کے کلچرل کاؤنسلر شفیعی شکیب صاحب نے صدارتی تقریر فرمائی اور کہا کہ اگر ہم یہ کہیں کہ فردوسی تاریخ بشریت کا اکلوتہ رزمیہ شاعر ہے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ صرف فارسی زبان وثقافت اور ایرانی شناخت کی گردن پر ہی نہیں، بلکہ پوری بشریت کی گردن پر فردوسی کا جو حق ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یونان قدیم سے وابستہ ایلیا واود ادیسہ نامی ہومر کے رزمیہ شاہکار ہندوستان میں راماین اور مہابھارت نامی رزمیہ فن پارے درحقیقت انسانی دنیا کی عظیم المیہ داستانیں ہیں، جن میں اعلیٰ اخلاقی تعلیمات کو نمایاں انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اور ان سبھی ادبی شاہکاروں میں عظیم شخصیتوں کے فکری کارنامے موجود ہیں جن کے ذریعہ ان نامور شخصیتوں نے اپنی قوم، اس کی ثقافت نیز انسانی فضائل وکمالات کو زندہ جاوید بنادیا ہے۔

جناب شفیعی شکیب نے شاہنامہ اور فردوسی سے منصوب تاریخی تحریفات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ فردوسی نے ۳۸۴ ہجری میں شاہنامہ کی تدوین کا کام مکمل کرلیا تھا، جبکہ سلطان محمود نے اس تدوین کے چھ برس بعد حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ محمود غزنوی کی حکومت سے ۳۵ سال قبل فردوسی نے شاہنامہ نگاری کا کام شروع کردیا تھا اور محمود کی حکومت کی تشکیل سے چار سال قبل شاہنامہ نگاری کا کام مکمل ہو چکا تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ فردوسی نے محمود غزنوی کی خواہش وتحریص پر شاہنامہ لکھنے کی شروعات کی ہو۔

اس کے علاوہ ایسی کوئی تاریخی سند موجود نہیں ہے جس میں فردوسی کے سفر غزنین کی بات کہی گئی ہو۔ پس یہ بات کہ غزنین کے ایک باغ میں فردوسی کا استقبال کیا گیا اور محمود غزنوی کے درباری شعراء اور فردوسی کے درمیان مناظرہ ہوا، بالکل بے بنیاد ہے۔ انہوں نے مزید ارشاد فرمایا کہ فردوسی کے سفر ہرات، وہاں اسماعیل براّس نامی کاتب سے ان کی ملاقات، آل باوند کے سپہ سالار شہر یار سے فردوسی کی ملاقات اور ایک لاکھ درہم کے عوض سوہجویہ ابیات کا شاہنامہ سے اخراج وغیرہ کے سلسلہ میں جو اسناد پیش کی جاتی ہیں، وہ سب مشکوک ہیں، پھر فردوسی کے ذریعہ ان سوا بیات کی شاہنامہ میں دوبارہ شمولیت کو اہم تاریخی انحرافات کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے۔

شکیب صاحب نے فردوسی کے سلسلہ میں پروفیسر محمود شیرانی کی تحقیق کو حق بجانب اور معیاری قرار دیتے ہوئے کہا کہ شیرانی صاحب نے مختلف تنقیدی دلائل کے ذریعہ یہ ثابت کردیا ہے کہ سو ہجوابیات درحقیقت فردوسی کی اپنی تخلیق نہیں بلکہ اس کو فردوسی سے منسوب کردیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ فردوسی کے ذریعہ مازندران وبغداد کا سفر، ۸۰ برس کی عمر میں بغداد سے اصفہان کی طرف فردوسی کی روانگی، زایندہ رود میں فردوسی کے ڈوبنے کی داستان اور خان نجان کے فرزند کے ذریعہ فردوسی کی نجات اور اس کے عوض میں فردوسی کے ذریعہ خان نجان کے بیٹے کو شاہنامہ کی ایک نقل بطور ہدیہ پیش کرنا وغیرہ، سب فردوسی کے سلسلہ میں بے بنیاد تحریفات کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

شکیب صاحب نے اپنی تقریر کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس زمانہ میں متمدن دنیا کے بڑے حصہ پر عربوں کا غلبہ تھا۔ ایران میں بھی اسلام اور عربی زبان کا بول بالا تھا اور تقریباً ۲۰۰ سال عربی ایران کی سرکاری، حکومتی، علمی اور ادبی زبان تھی اور ایرانی علماء نے اس زمانہ میں بہت سی نمایاں تصانیف عربی زبان میں بھی پیش کیں۔

تاریخ کے اسی دور میں فردوسی ، دقیقی اور رود کی جیسے مایہ ناز شعراء نے تقریباً ۱۳ لاکھ فارسی ابیات کی ترتیب کے ذریعہ فارسی زبان اور ایرانی تہذیب وتمدن کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی۔ اگرچہ ان کی تخلیق کا زیادہ تر حصہ نابود ہو چکا ہے۔ لیکن پسماندہ ادبی سرمایہ کو دیکھنے کے بعد بڑی آسانی سے یہ کہاجاسکتا ہے کہ یہ نامور دانشمند افراد ایرانی زبان وادب اور درخشاں ایرانی تہذیب وتمدن کی حفاظت میں کامیاب رہے اور ان کی کوششوں کی وجہ سے قدیم ایرانی تہذیب کا عظیم سرمایہ نابود ہونے سے بچ گیا۔ ان لوگوں نے بڑی سمجھداری کے ساتھ عربی زبان اور دین مبین اسلام کا بھرپور مطالعہ کیا اور نہایت دانشمندی کے ساتھ اسلامی علوم ومعارف کو فارسی زبان میں پیش کرتے ہوئے، فارسی زبان وادب کو پہلے سے زیادہ غنی اور عظمت واہمیت کا حامل بنادیا۔ اور اس طرح اسلامی تعلیمات کے سایہ میں فارسی زبان وادب کو دوبارہ نئی زندگی حاصل ہوگئی۔

شکیب صاحب نے فردوسی کی امانت داری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ فردوسی کی امانت داری نہیں تو اور کیا ہے کہ اس نے دقیقی کے ہزار اشعار کو شاہنامہ میں شامل کرکے اپنے ساتھ ساتھ دقیقی کو بھی حیات جاوید عطا کردی۔ اگر فردوسی چاہتے تو دقیقی کے ہزار اشعار کو شامل کرنے کے بجائے خود ان سے بہتر اشعار کو شاہنامہ میں شامل کردیتے اور شاہنامہ نگاری کو اپنا ذاتی کارنامہ بناکر پیش کرتے لیکن یہ ان کی ذاتی عظمت وبزرگی ، دینداری، ادبی شجاعت اور اہم اخلاقی فضائل کا کرشمہ ہے جس کو ایرانی قوم فخریہ طور پر دنیاوالوں کے سامنے پیش کرسکتی ہے۔

شکیب صاحب نے کہا کہ فردوسی کا سب سے عظیم اور اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ایسے مرحلہ میں فارسی زبان وادب کی خدمت کا کارنامہ انجام دیا جب فارسی زبان وادب کو اپنی بقا کے لئے خطرہ لاحق ہو چکا تھا۔ یہ محض فارسی زبان وادب کے بقا کی بات نہیں تھی بلکہ ایک قوم کی درخشاں شناخت اور ایرانیوں کی پر افتخار وعظیم الشان تاریخ کی حفاظت واحیاء کا معاملہ تھا۔ اور بات صرف ایرانیوں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ ہند و ایرانی رزمیہ ادب میں موجود داستانوں کے درمیان موجود مشترکات کی حفاظت بھی درکار تھی۔ اور فردوسی اپنے مشن میں پوری طرح کامیاب بھی رہے۔

اپنی تقریر کے آخری مرحلہ میں شفیعی شکیب صاحب نے کہا کہ فردوسی نے شاہنامہ نگاری کے ذریعہ اپنے عہد کا عظیم ترین لغت نامہ پیش کردیا ہے۔ ایسے بے شمار فارسی الفاظ اور محاوروں کو نئی زندگی فراہم کردی جو نابودی کی کگار پر پہونچ چکے تھے اور جن کا استعمال کافی حد تک متروک ہو چکا

تھا۔ آج ہزار سال کی لمبی مدت گزر جانے کے بعد بھی ان متروک الفاظ کا مفہوم بڑی آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے، اور یہ سب کچھ فردوسی کی گرانقدر اور دانشمندانہ کوشش کا نتیجہ ہے۔ فردوسی کی عظمت واہمیت کی دوسری وجہ شاہنامہ میں ان کی آزاد خیالی اور ادب دوستی ہے۔ شاہنامہ کی ۶۰ ہزار ابیات میں پہلوانوں کے درمیان رجز خوانی کی منزل بھی آتی ہے لیکن فردوسی نے بڑی مہارت کے ساتھ دونوں جماعت کے پہلوانوں کی حیثیت عرفی اور ان کی شخصیت کو ہرگز داغدار نہیں ہونے دیا، بلکہ بڑی ہوشیاری کے ساتھ ایرانی ثقافت کے اعلیٰ نمونوں کو پیش کرتے چلے گئے۔ اور یہی فردوسی کا عظیم ادبی کارنامہ ہے۔

عالمی یوم فردوسی کے موقع پر صدر تنظیم ثقافت وارتباط اسلامی،

حجت الاسلام محمود محمدی عراقی کا پیغام

به نام خداوند خورشید و ماه — که دل را به نامش خرد داد راه
خداوند کیوان و بهرام و شید — کزوی است بیم و امید و نوید
ستودن مر او را ندانم همی — از اندیشه جان بر فشانم همی

یعنی آفتاب وماہتاب کو زیور تخلیق سے آراستہ کرنے والے اس خدا کے نام سے آغاز کرتا ہوں، جس مبارک ذات کی وجہ سے عقل نے دل کو اس کے نام تک رسائی حاصل کرنے کا راستہ فراہم کردیا۔ وہ جو کیوان وبہرام اور دیگر نامور بادشاہوں کا بھی خدا ہے اور جس کی ذات والا صفات سے خوف امید اور ہر نوید وخوشخبری وابستہ ہے۔ میں اس معبود کی حمدوثنا کا سلیقہ نہیں جانتا، اسی وجہ سے جان سے زیادہ عزیز افکار وخیالات اس کی ذات پر نچھاور کررہا ہوں۔

عالمی یوم فردوسی کا اہتمام واحترام درحقیقت ان تمام عظیم انسانی قدروں کی عظمت کا اعتراف واحترام ہے جس کو طوس کے اس غیر معمولی اور عدیم المثال شہرت کے مالک حکیم نے برسوں رنج ومصائب کے سایہ میں تاریخ بشریت کے اس گرانقدر رزمیہ شاہکار کو ایک عظیم الشان محل کی طرح سجا کر پیش کیا۔ اس بلند وپاکیزہ روح پر لامحدود درود وسلام جس نے ایسے سیاہ دور میں جبکہ ایران کی مقدس سرزمین اور ایرانی سماج فوجی حملات کا نشانہ بنا ہوا تھا اور فوجی کشمکش بالخصوص ثقافتی تلاطم برپا تھا، شاہنامہ کو ایرانیوں کی قومی شناخت کی سند کی حیثیت اس ملک کے ہر شہری کو ایک ایسے مبارک و گرانقدر ہدیہ کی حیثیت سے پیش کردیا جس کا تعلق آئندہ صدیوں میں آنے والی نسلوں سے بھی ہے۔

ملت ایران نے اپنی چند ہزار سالہ زندگی کے دوران اپنے دامن میں ایسے نامور اور عظیم شاعروں، دانشمندوں، مفکروں، دانشوروں اور فنکاروں کی پرورش کی ہے جو ساری دنیا میں اس کی عظمت وسربلندی کا باعث رہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حکیم طوس فردوسی کو ان لوگوں کے درمیان نمایاں حیثیت حاصل رہی اور وہ نمایاں اخلاقی صفات کے حامل رہے ہیں۔ درحقیقت ایرانی نسل کی نجابت واصالت کا مظہر اس کی خداشناسی اور انسانیت محوری ہے، جس پر فردوسی کا بھرپور عقیدہ وایمان تھا اسی وجہ سے وہ بشریت کی ترقی کی فکر میں سرگرم دکھائی دیتے ہیں اور اس سلسلہ میں کسی قسم کی بے راہ روی ان کے لئے نا قابل برداشت رہی ہے۔

رزمیہ شاعری کے اس عظیم الشان شاعر کی اخلاقی پاکیزگی، عظمت نفس اور عزت نفس کو صدیوں پر فضیلت حاصل ہے۔ فردوسی ایرانی قوم کی عزت وشرافت کے منادی اور ایران قدیم کی ثقافتی میراث کے مخاطب رہے ہیں۔ اور ایرانی قوم کی ثقافتی سرنوشت کو سنوارنے اور اسے عظمت وفضیلت سے مالامال کرنے میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ دنیا میں جب تک ایرانی مفہوم کا وجود باقی ہے، اس عظیم شاعر کا نام بھی باقی رہے گا کیونکہ اس کے عشق کا مرکز ومحور اس کا وطن عزیز ہے۔ لہٰذا ایران کے ساتھ ہی ساتھ فردوسی کا نام بھی ہمیشہ باقی رہے گا۔

جی ہاں! فردوسی نے اپنے اشعار اور اعلیٰ افکار کے ذریعہ ایک عظیم الشان محل کی تعمیر کی جو صدیوں کے دوران رونما ہونے والے ہوا کے تیز جھونکوں اور طوفانی بارش کے باوجود اپنی جگہ پر قائم رہا۔ اس نے ایک ایسے علمی کارنامہ کی تخلیق کی ہے جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔ یہ قومی معرکہ ایسی عظمت کا حامل ہے جس کی مثال دنیا کی کسی قوم کے پاس موجود نہیں ہے۔

فردوسی کا شاہنامہ ایرانیوں کی قومی اور تاریخی شناخت کی سب سے زیادہ موثق اور معتبر سند ہے اور حکیم طوس کے اس باستان نامہ نے گذشتہ صدیوں کے دوران ایرانی ثقافت اور فارسی ادبیات پر ہونے والے بیرونی حملات کا بڑی کامیابی کے ساتھ بھرپور دفاع کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ایرانی عوام کی زندگی کا اٹوٹ حصہ بن گیا ہے اور عوام وخواص کی محفل پر اس کا یکساں اثر دکھائی دیتا ہے۔

شاہنامہ کے اشعار میں ایسا جادوگرانہ خوبصورتی پائی جاتی ہے جو انسان کے قلب پر چھا جاتی ہے۔ اس کا دلچسپ انداز بیان، اس کی ادبی اور فنی سجاوٹ اور اشعار میں استعمال کی گئی شیریں ترکیبات اور جملوں کی آرائشات ہر ادیب کو مسحور اور دم بخود کر دیتی ہے۔ لیکن تمام ادبی صفات ومحاسن شاہنامہ کی حقیقت نہیں ہیں بلکہ یہ قدیم داستانی ادبی سرمایہ درحقیقت عظیم انسانی معارف کا ایسا مجموعہ ہے جس

کی وسعت دنیا کے ہر دور اور ہر ملک میں زندگی بسر کرنے والے لوگوں کو اپنے سایہ میں لئے ہوئے ہے۔ اس ادبی مجموعہ کی سرحدیں مذہب، ہنر، انسانیت، عشق ومحبت، نور وظلمت کے درمیان معرکہ آرائی، فداکاری اور عدل و انصاف کو اپنے دائرہ میں سموئے ہوئے ہیں اور یہی وہ عناصر ہیں جن کی مدد سے ایرانی مسلمان کی ممتاز اور نمایاں شناخت کی تشکیل ہوتی ہے۔

دنیا کے اکثر مفکرین اور ماہرین ادب فردوسی اور ان کے عظیم ادبی شاہکار سے غیر معمولی طور پر متاثر رہے ہیں اوراس ضمن میں داخلی وعالمی سطح پر متعدد ادبی اور معیاری تخلیقات منظر عام پر آچکی ہیں۔ اب تک دنیا کی ۳۰ سے زیادہ خارجی زبانوں میں شاہنامہ کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ ترجمے بذات خود لوگوں کے درمیان غیر معمولی مقبولیت کے حامل ہیں، کیونکہ فردوسی کے کلام کی خوبی فقط ادبی صنائع وبدایع کا مناسب اور موثر استعمال ہی نہیں ہے بلکہ ان اشعار میں پیش کئے گئے گہرے حقائق ومفاہیم دنیا کے تمام انسانوں میں موجود ہیں جن کے بارے میں نمایاں تحقیقی مطالعات پیش کئے جاسکتے ہیں۔ جیسے کہ طور پر دین اور دینی معارف نے شاہنامہ کی عظمت میں کیا کردار ادا کیا ہے؟ اس کے علاوہ معارف کو اپنی ادبی تخلیق کا اہم حصہ قرار دیا ہے۔

قدرے غور وفکر کے بعد اس حقیقت کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ فردوسی نے اپنے اس ادبی شاہکار میں الٰہی ادیان ومذاہب کی تعلیمات کو کثرت سے جگہ دی ہے۔ اس ادبی تخلیق کا اسلامی اصول، قرآن تعلیمات وحدیث رسولؐ سے گہرا تعلق ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس حقیقت کا بھی بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ فردوسی پیغمبر اسلامؐ سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ انہیں قرآن اور حدیث سے گہرا لگاؤ تھا اور پیغمبرؐ کے اہلبیتؑ اطہار سے انہیں بڑی محبت تھی۔ ان حقائق کی روشنی میں محققین اور اعلیٰ انسانی اقدار کے عاشقوں پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ شاہنامہ کا مزید اور عمیق تر مطالعہ کریں اور ایرانی روح پر اسلامی اثرات کو نمایاں طور پر پیش کریں۔ اور ایران کی نوجوان نسل کو ان حقیقی ایران واسلامی شناخت سے بخوبی آگاہ فرمائیں وہ حقیقی شناخت جو ولایتِ اہلبیتِ پیغمبرؐ سے جڑی ہوئی ہے اور جس کی حفاظت میں فردوسی جیسے نامور دانشوروں نے نمایاں خدمت انجام دی ہے۔ یہ انہیں بزرگوں کی زحمتوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہم لوگ عالمی ثقافت کے میدان میں سربلندی کے ساتھ کھڑے ہوئے ہیں۔

ہزاروں سال پر مشتمل انسانی تاریخ میں عظمت وسربلندی کے عظیم الشان منارہ کی حیثیت سے ایران ہمیشہ عظیم انسانی ثقافت کے علمبردار، انسان دوستی کا مظہر اور ظلم وناانصافی کے خلاف حق کا پرچمدار رہا ہے اور اس نے اپنی قومی عزت، ادبی وثقافتی روایت اور اپنی حمیت وقومیت کی حفاظت کی راہ میں ہر طرح کی پریشانیاں برداشت کی ہیں اور ہمیشہ ترقی کی راہ پر پیش قدم رہا ہے۔ ایرانی قوم نے اپنے آہنی ارادہ سے صرف ایرانیوں کو ظلم و ناانصافی سے نجات نہیں فراہم کی ہے بلکہ مختلف علمی، اقتصادی اور فوجی شعبوں میں آزادی واستقلال کی راہ پر چلتے ہوئے اس نے عالمی سامراج کے سامنے اپنی گردن کبھی نہیں جھکائی بلکہ ہمیشہ خداوند عالم کی ذات پر مکمل ایمان واعتماد کے ساتھ ساری دنیا میں عدل وانصاف قائم کرنے کے لئے ہمہ تن سرگرم عمل رہا ہے۔

جہان را ہمہ سوی داد آوریم چو از نام داد ار یاد آوریم

اسلامی جمہوریہ ایران کے ثقافتی مراکز اور نمائندہ اداروں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ بیرون ملک ایرانی قوم کی حقیقی شناخت اور ان کے ادب وفرہنگ کا مکمل تعارف پیش کریں۔ دنیا کی تاریخ اور اقوام عالم کی ثقافت اور ادبی سرمایہ میں ممکن ہے کہ ہومر کی اودیسہ کو بعض اعتبار سے شاہنامہ کا ہم مرتبہ قرار دیا جائے کیونکہ شاہنامہ میں جن عارفانہ تمثیل کا استعمال کیا گیا ہے وہ ہومر کے یہاں بخوبی پائی جاتی ہیں۔ جن کی وجہ سے ان دونوں ادبی شاہکاروں کو ایک صف میں کھڑا کردیتی ہیں۔

ایرانی آداب ورسوم کا یہ وسیع اور لامحدود خزانہ جو نہایت عاقلانہ انداز میں انسان کے توحیدی اعتقادات اور مقصد تخلیق سے وابستہ ہے، آب زلال کی طرح دل کی تیرگیوں کو صاف کردیتا ہے اور انسان کی حقیقی روح وفطرت کو غیر معمولی چمک وجگماہٹ عطا کردیتا ہے:

تو را دانش و دین رہاند درست ره رستگاری ببایدت جست
وگر دل نخواہی کہ باشد نژند نخواہی کہ دایم بوی مستمند
بہ گفتار پیغمبرت راہ جوی دل از تیرگی ھا بدین آب شوی
کہ گفت آن خداوند تنزیل و وحی خداوند امر و خداوند نہی
کہ من شہر علمم علی ام در است درست این سخن قول پیغمبرؐ است
گواہی دھم کین سخن ہا از اوست تو گوئی دو گوشم بر آواز اوست

یعنی تم کو اپنی نجات کا راستہ خود ہی تلاش کرنا چاہئے اور عقل ودین ہی تمہیں حقیقی نجات فراہم

کرسکتے ہیں ۔تم اپنے پیغمبرؐ کے ارشاد گرامی کی روشنی میں راہ نجات تلاش کرو اور ان کے اقوال عالیہ کے آب زلال سے اپنے دل کی تیرگی کو پاک کرو کیونکہ وحی وتنزیل کے مخاطب پیغمبر اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ'' میں شہر علم ہوں اورعلیؑ اس کا دروازہ ہیں''۔ درحقیقت یہ ہمارے پیغمبرؐ کا قول ہے اور میں گواہی دیتاہوں کہ یہ انہیں کا ارشاد ہے اور میرے کانوں میں یہ آواز آج بھی گونج رہی ہے۔

اگرچہ شاہنامہ کے مختلف تراجم اور اس سے متعلق بے شمار تحقیقی مقالات منظر عام پر آچکے ہیں اور داخلی وخارجی سطح پر اس کی بھرپور وضاحت کی جاچکی ہے، پھر بھی شاہنامہ اپنی اصلی حیثیت میں آج بھی باقی ہے۔ اس میں بے شمار نکات اور ایرانی قوم کی عدالت پسندی،ظلم ستیزی اور دانشمندی وخرد پروری کو دنیاوالوں کے سامنے پوری طرح اجاگر کریں کیونکہ یہ ایرانی شناخت کا جوہر ہے ۔حکیم طوس فردوسی کے ادبی شاہکار یعنی شاہنامہ میں اس کی جگمگاہٹ کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے ۔ بیرون ملک واقع ایران ثقافتی مراکز کو فردوسی جیسے عظیم ایرانی دانشوروں کے تعارف کے ذریعہ ایرانی حکمت وتمدن کا تعارف پیش کرنے میں بڑی مدد حاصل ہوگی۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ اس قسم کی دیگر عالمی ثقافتی تنظیموں بالخصوص یونسکو(UNESCO) وغیرہ کا بھرپور احترام کرنا چاہئے،جو نہایت ذمہ داری کے ساتھ اقوام عالم کے ثقافتی ذخائر ومعارف اور ادبی وراثت کی پاسداری وحفاظت میں سرگرم ہیں۔

عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد میں

انجمن استادان فارسی، ہند، کا عالمی اجتماع

انجمن استادان فارسی، ھند، ۱۹۷۷ سے ہر سال ہندوستان کی کسی یونیورسٹی یا اعلیٰ علمی ادارہ میں فارسی اساتذہ کے عالمی علمی اجتماع کا اہتمام کرتی چلی آرہی ہے، جس میں نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے مختلف ممالک کے مندوبین شرکت کرتے ہیں۔ اس سال یہ اجتماع ۲۵ تا ۲۷ مارچ، ۲۰۰۶ عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد، میں منعقد ہوا۔

اس عالمی کانفرنس کا افتتاحی اجلاس ۲۵ مارچ، ۲۰۰۶، کو صبح ساڑھے دس بجے عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری کے قرب میں واقع علوم سماجیات کے تحقیقاتی مرکز میں منعقد ہوا۔ ابتدائی مرحلہ میں ڈاکٹر تنویر الدین نے قرآن کریم کی چند آیات کی تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد پروفیسر عبدالودود اظہر دہلوی نے اپنی مختصر مگر جامع تقریر کے ذریعہ اس علمی اجتماع کے اغراض و مقاصد کی وضاحت کے بعد کانفرنس کے باقاعدہ آغاز کا اعلان کیا۔

افتتاحی اجلاس کی ابتداء میں ہندوستانی اساتذہ اور محققین نے بیرونی ممالک مثلاً ایران، تاجکستان وغیرہ سے آئے ہوئے مہمانوں کی خدمت میں حلقۂ گل اور گلدستہ پیش کرکے اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ اس کے بعد وشوبھارتی یونیورسٹی، شانتی نکیتن، میں موسیقی کی استاد محترمہ موشمی نے اپنے مخصوص لب ولہجہ میں حافظ کی ایک غزل پیش کی۔ محترمہ موشمی حافظ کی غزلوں کو موسیقی کے ساتھ پیش کرنے میں بڑی شہرت کی مالک ہیں۔

اس کے بعد عثمانیہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر، پروفیسر سلیمان صدیقی، نے خطبۂ افتتاحیہ پیش کیا۔ انھوں نے ۱۹۱۹ کو عثمانیہ یونیورسٹی کا سال تاسیس قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اس یونیورسٹی کو فارسی زبان وادب سے خصوصی لگاؤ رہا ہے اور شہر حیدرآباد میں مقیم فارسی زبان وادب کے نامور اساتذہ کا تعلق اس یونیورسٹی سے تھا۔ انھوں نے اس عالمی اجتماع میں موجود ایرانی اساتذہ کی ایک بڑی تعداد

میں موجودگی پر مسرت ظاہر کرتے ہوئے، ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ فارسی زبان و ادب کی ترویج میں ان اساتذہ نے گرانقدر خدمت انجام دی ہے۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ یہ اساتذہ اپنی موجودہ راہ و روش کو جاری رکھیں گے۔

اپنی تقریر کے آخری حصہ میں وائس چانسلر صدیقی نے حیدر آباد میں مقیم ایران کے کاؤنسلر جنرل جناب آقای روش کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے فارسی شعبہ کو ایک ٹیلی ویژن اور Sattelite کی سہولت کے ذریعہ پوری دنیا سے جوڑ دیا ہے۔

افتتاحی مراسم کے آخری مرحلہ میں انجمن کے سکریٹری جنرل، پروفیسر اظہر، نے اس کانفرنس کے اعلیٰ مقاصد کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا:

۱۔ برصغیر ہند میں فارسی زبان کو رابطہ کی زبان کا درجہ حاصل تھا۔ چنانچہ اس زبان نے گذشتہ صدیوں کے دوران اس علاقہ کی نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور سرزمین ہندوستان میں رائج مختلف زبانوں نے اس زبان سے مثبت اثر قبول کئے ہیں جن کا مکمل تعارف اس قسم کے اجتماعات کا بنیادی مقصد ہے۔

۲۔ دوسرا اہم مقصد ان گرانقدر ہندوستانی اساتذہ کی خدمات کا اعتراف اور ان کی قدردانی ہے جو ہمیشہ فارسی زبان و ادب کی تبلیغ و اشاعت میں سرگرم رہے ہیں۔ انھوں نے "سبک ہندی" کی ایجاد کے ذریعہ ہندوستانی اور فارسی زبان کے درمیان موجود گہرے رابطہ کو اور زیادہ مستحکم بنا دیا ہے۔

۳۔ اس قسم کے عالمی اجتماعات کا تیسرا اہم مقصد ہندوستانی اور فارسی زبان والے ملکوں کے درمیان قدیم تاریخی روابط کا تجزیہ ہے تاکہ ہماری مشترکہ میراث کی حفاظت ہو سکے اور موجودہ نسل اپنے اسلاف کے کارناموں سے بخوبی آشنا ہو سکے۔

اس کے بعد پروفیسر جلیل تجلیل نے تہران یونیورسٹی کے وائس چانسلر کا پیغام پڑھ کر سنایا، جس میں انھوں نے ہندوستان اور ایران کے درمیان موجودہ علمی اور ثقافتی تعلقات کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے یہ امید ظاہر کی تھی کہ فارسی زبان و ادب کی ترقی سے ان روابط میں مزید استحکام پیدا ہوگا۔ اس کے بعد حیدر آباد میں مقیم ایران کے کاؤنسلر جنرل، جناب روش، نے بھی اپنی تقریر میں اس سمینار کی تشکیل پر مسرت ظاہر کی اور کہا کہ اس قسم کے علمی و ثقافتی اجتماعات دونوں ملکوں کے درمیان گہرے اور مستحکم تعلقات کا باعث ہوں گے۔

اس کے بعد اسلامی جمہوریہ ایران کے کلچرل کاؤنسلر اور اس کے عالمی اجتماع کے خصوصی مہمان،

جناب آقای مرتضیٰ شفیعی شکیب، نے حاضرین مجلس سے خطاب کیا۔ انھوں نے اس قسم کے شاندار علمی اور ثقافتی اجتماعات کی تشکیل پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے یہ مطالبہ کیا کہ فقط حیدر آباد ہی میں نہیں بلکہ ہندوستان کے دیگر اہم شہروں میں بھی ایسے مراکز کی تشکیل کی جانی چاہئے جو خواہشمند حضرات کو ''بول چال کی فارسی زبان'' سکھا سکیں۔ انھوں نے اعلان کیا کہ انجمن استادان فارسی، ہند، کی سرپرستی میں قائم کئے گئے ایسے تمام مراکز کو خانہ فرھنگ کی بھرپور حمایت و سرپرستی حاصل رہے گی۔ اس کے علاوہ کلچرل کاؤنسلر شکیب صاحب نے اس سال سے ''سعدی ایوارڈ'' کی شروعات کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ خانۂ فرھنگ اسی سال سے ''سعدی ایوارڈ'' کا سلسلہ شروع کر رہا ہے، جو ہندوستان کے ایسے استاد کی خدمت میں پیش کیا جائے گا جس نے اس زبان و ادب کی غیر معمولی خدمت انجام دی ہے۔

اس کے بعد جسٹس سردار علی خاں، سابق چیرمین قومی اقلیتی کمیشن، نے تقریر فرمائی، جس میں موصوف نے فارسی زبان کو ہندوستانی ثقافت کا جزو لاینفک قرار دیا۔ انہوں نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ فارسی ایک لمبی مدت تک ہندوستان کے علمی اور عدالتی اداروں کی زبان رہی ہے اور دونوں قوموں اور ملکوں کے درمیان نزدیک اور گہرے روابط موجود تھے۔ انگریزوں نے فارسی زبان کی بنیادوں کو کمزور بناتے ہوئے انگریزی زبان کو فارسی کا جانشین بنادیا۔ اپنی تقریر کے آخری مرحلہ میں انھوں کہا کہ گزشتہ زمانہ میں حیدر آباد دکن فارسی زبان و ادب کا ایک اہم مرکز تھا۔

اس کے بعد انجمن استادان فارسی، ہند، کی صدر، محترمہ پروفیسر آذر میدخت صفوی، نے خطبۂ صدارت پیش کیا، جس میں انھوں نے فارسی زبان و ادب کی ترویج و اشاعت اور نگہداشت و پیش رفت میں حیدرآباد کی نمایاں خدمات کا بھرپور جائزہ پیش کیا۔ انھوں نے اپنی تقریر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ نابودی و تباہی کے دہانے پر کھڑی ہوئی انسانی دنیا کو سردست محبت اور انسان دوستی پر مبنی ادب کی سخت ضرورت ہے اور فارسی ایسے محبت آمیز سرمایہ سے پوری طرح مالا مال ہے۔ لہٰذا پوری دنیا میں عشق و محبت اور انسان دوستی کے پیغام کو عام کرنے کے لئے فارسی ادب میں موجود عرفان و تصوف کا سہارا لینا چاہئے۔ اگر عرفانی اور صوفیانہ ادب کی تبلیغ و اشاعت سے کام لیا جائے تو صلح آمیز باہمی زندگی کا عالمی ماحول پیدا کرنے میں زیادہ دشواری نہ ہوگی۔ موجودہ دنیا عشق و محبت اور صلح و امن کی پیاسی ہے اور فارسی زبان میں اس پیاس کو دور کرنے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے۔

افتتاحی اجلاس کے آخری مرحلہ میں ڈاکٹر تنویرالدین نے تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے

بعد علمی اجلاس اور مقالہ خوانی کا سلسلہ شروع ہوا جس میں ۴۲ مقالے پیش کئے گئے۔ یہ مقالے اردو، انگریزی اور فارسی زبان میں ہیں جو انجمن کی طرف سے شائع ہونے والے رسالہ ''بیاض'' میں شائع کئے جائیں گے۔

تیسرے دن کانفرنس کے اختتامی اجلاس کا اہتمام عمل میں آیا، جس میں استادمحترمہ شریف النسأ انصاری اور ڈاکٹر یعقوب عمر کو انجمن استادانِ فارسی ہند، کی جانب سے ''ممتاز استاذ'' کی سند پیش کی گئی اور بابائے فارسی در ہند استاد امیر حسن عابدی صاحب نے ان اساتذہ کو انجمن کی طرف سے شال بھی پیش کی۔

استادانِ فارسی کے اس سہ روزہ عالمی اجتماع میں ۱۶ نامور ایرانی اساتذہ پر مشتمل علمی وفد کے علاوہ ترکی کے دو مندوب، ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں اور کالجوں سے ۱۲۰ مندوب اور ۲۰ مقامی فارسی اساتذہ اور طلباء موجود تھے۔ اختتامی اجلاس میں انجمن استادانِ فارسی ہند، کے جوائنٹ سکریٹری ڈاکٹر اختر مہدی نے صدر جمہوریہ ہند اور دیگر نامور حضرات کے پیغامات پڑھ کر سنائے۔ اس علمی پروگرام کے دوران حیدرآباد کی نامور شخصیت جناب محمد علی شبیر اور جناب وقارالدین نے تمام مہمانوں کی میزبانی کے فرائض انجام دیئے۔

بیکانیر میں بررسی تاریخی زبان و ادبیات فارسی پر
سہ روزہ قومی سمینار

بررسی تاریخی زبان و ادبیات کے موضوع پر راجستھان اسٹیٹ آرکائیوز (راجستھان) میں مورخہ ۳۰نومبر تا ۲دسمبر ۲۰۰۶ قومی سمینار منعقد کیا گیا۔ اس سمینار کا اہتمام ایران کلچر ہاؤس نئی دہلی اور مارو بھومی شودھ سنستھان راجستھان اسٹیٹ آرکائیوز بیکانیر کے تعاون سے کیا گیا تھا۔ اس تاریخی سمینار کا افتتاح مورخہ ۳۰نومبر ۲۰۰۶ کو عمل میں آیا۔ راجستھان اسٹیٹ آرکائیوز کے سرپرست اعلیٰ جناب مہیندر سنگھ کھرگاوٹ نے افتتاحیہ جلسہ کی صدارت فرمائی۔ اس موقع پر بیکانیر یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر جناب سی بی گینا نے بطور مہمان خصوصی شرکت کی۔ مارو بھومی شودھ سنستھان کے سکریٹری جناب شیام ہرشی اور اسی سنستھان کے شعبہ تحقیقات کے صدر پروفیسر بی، ایل بھادانی کے علاوہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے شعبۂ تاریخ و ثقافت کے سابق صدر پروفیسر عزیز الدین نے خصوصی طور پر شرکت کی۔ ایران کلچر ہاؤس کے کلچرل کاؤنسلر جناب مرتضیٰ شفیع شکیب کا پیغام پروفیسر بھادانی نے پڑھ کر سنایا۔

پروفیسر عزیز الدین حسین نے اپنے کلیدی خطبہ میں کہا کہ ہندوستان میں تاریخ نویسی کا آغاز ترکوں کے ہندوستان آنے کے بعد شروع ہوا۔ جس میں راجستھان کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہندوستان کے آرکائیوز ریکارڈ س میں نسخہ خطی کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ جس میں راجستھان کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ مغلوں کے دور میں یہاں فارسی میں تاریخ نویسی، واقعہ نگاری، شعروادبیات فارسی کا چلن تھا۔

پروفیسر عزیز الدین نے راجستھان سے متعلق فارسی مآخذ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وقائع سرکار اجمیر و رنتھنبور، اخبارات دربار معلیٰ، فرامین، نشان، پروانہ، تاریخ فیروز شاہی، اکبر نامہ، آئین اکبری، منتخب التواریخ، ماثر عالمگیری، بادشاہ نامہ، عالم گیر نامہ، فتوحات عالم گیری، منتخب اللباب،

خلاصۃ التواریخ میں تاریخ راجستھان پر بڑی تعداد میں مواد موجود ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ ۱۸۵۷ سے متعلق دستاویزات جو فارسی زبان میں ہیں راجستھان کے بیکانیر اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ہیں لیکن ابھی تک فارسی کے ان تمام مآخذ کا بھرپور استعمال نہیں ہوا ہے۔ پروفیسر عزیز الدین نے ہندوستان کی تاریخ میں خانقاہی نقوش اور صوفیا کے ذریعے ہندو مسلم روابط اور قومی یکجہتی کا بھی ذکر کیا۔

بیکانیر یونیورسٹی کی پروفیسر سی بی گینا نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہندوستان کی تاریخ میں فارسی زبان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ بات قابل افسوس ہے کہ عصر حاضر میں فارسی محققین اور فارسی زبان کے عالموں نیز اساتذہ کی تعداد قلیل ہوکر رہ گئی ہے۔ فارسی زبان سے متعلق اداروں اور لوگوں کو اس ضمن میں مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات کتنی اہم ہے کہ اکثر نباتات اور درختوں کی بعض اقسام ہمارے یہاں راجستھان میں ایران سے آئی ہیں جن کی شناخت ہمارے لئے ضروری ہے۔

راجستھان اسٹیٹ آرکائیوز کے سرپرست جناب مہیندر سنگھ کھرگاوٹ نے اپنی تقریر میں کہا کہ حکومت ہند کے آرکائیوز سے متعلق شعبوں میں فارسی زبان کے خطی نسخہ اور تاریخی فارسی دستاویزات کی بڑی تعداد موجود ہے جس کی حفاظت و نگہداری سرکاری طور پر کی جاتی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اس بیش بہا سرمایہ سے آشنائی حاصل کریں۔ نیز ان تاریخی و ادبی نسخوں کے متون کو ایڈٹ کرکے انہیں شائع کیا جائے۔

اس موقع پر ماروبھومی شودھ سنستھان کے مرکز تحقیقات کے صدر جناب پروفیسر بی۔ ایل۔ بھاوانی نے بھی راجستھان میں فارسی دستاویزات و نسخوں کے تعلق سے جامع و فکر انگیز تقریر فرمائی۔

پہلی اور دوسری دسمبر ۲۰۰۶ کو مقالہ خوانی کا اجلاس امبیڈکر سرکل ہوٹل کے خوبصورت حال میں منعقد کیا گیا جس میں نقش عارفان درگسترش زبان و ادبیات فارسی کے تحت عنوان دہلی یونیورسٹی، جموں و کشمیر یونیورسٹی، ناسک یونیورسٹی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، کوٹہ یونیورسٹی، جے پور، جودھپور اورٹونک کے محققین اور فارسی اساتذہ کے ذریعہ ۲۸ گرانقدر مقالہ پیش کیئے گیئے۔ جن میں ڈاکٹر سید لیاقت حسین مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، سجادہ نشین درگاہ حضرت غریب نواز اجمیر، ڈاکٹر جی ڈی گلاٹی دہلی یونیورسٹی، پروفیسر جی ایل ایس دیوڑا، ڈاکٹر ایم کے پنڈیہ، ڈاکٹر ونود کمار سنگھ، پروفیسر جگر محمد وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

اس موقع پر فارسی دستاویزات اور فرامین پر مبنی ایک نمائش راجستھان اسٹیٹ آرکائیوز بیکانیر کے ذریعہ آویزاں کی گئی جس کا افتتاح بیکانیر یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے کیا۔ فارسی دستاویزات کی یہ نمائش اس لحاظ سے زیادہ اہم تھی کہ اس میں اہم فرامین کا انتخاب بھی شامل نمائش کیا گیا تھا۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ راجستھان میں فارسی کی کیا اہمیت تھی۔

''ہندوستان میں عزاداری کی روایت''

پر خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران نئی دہلی میں دوروزہ قومی سمینار

شہادت نواسۂ رسول رحمتؐ تاریخ جہان میں رونما ہونے والا ایک ایسا تاریخی اور دردناک سانحہ ہے جس نے ہر دور میں دنیا کے تمام گوشوں اور اقوام پر اپنا اثر ڈالا۔ پوری دنیا میں فرزند رسول حضرت امام حسینؑ کوخراج عقیدت پیش کرنے کی غرض سے عزاداری کا اہتمام کیا جاتا ہے اور یہ اس کی عظمت و ہمہ گیری کا ثبوت ہے۔ ہمارے ملک ہندوستان میں عزاداری کا سلسلہ آج سے نوسو سال پہلے شروع ہوا تھا۔ ان خیالات کا اظہار دانشوروں نے ایران کلچرہاؤس نئی دہلی کی جانب سے ۱۸ و ۱۹ نومبر کو منعقدہ دو روزہ قومی سمینار'' ہندوستان میں عزاداری کی روایت'' کے افتتاحیہ اجلاس میں کیا۔ اس سمینار کا افتتاح جناب قدرت اللہ بلوچی کی تلاوت قرآن پاک سے عمل میں آیا۔

افتتاحیہ اجلاس کے صدر جناب سید شاہد مہدی، وائس چیرمین آئی سی سی آر اور سابق وائس چانسلر جامعہ ملّیہ اسلامیہ، دہلی نے کہا کہ سانحہ کربلا سچائی کی علامت ہے۔ عزاداری کی روایت کی بابت انہوں نے صوفیاء کرام کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ حضرت معین الدین چشتی غریب نواز اور حضرت نظام الدین اولیاء نے عزاداری کی روایت ہندوستان میں شروع کی تھی۔ عزاداری نہ صرف بڑے شہروں میں بلکہ ہندوستان کے دور دراز علاقوں میں بھی ہوتی ہے یہاں تک کی کچھ قبائلی قوم کے لوگوں کو بھی تعزیہ نکالتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ لہذا اس اعتبار سے یہ سمینار کافی اہم ہے جس میں مقالہ نگار حضرات عزاداری کی مختلف روایتوں پر بھرپور روشنی ڈالیں گے۔

پروفیسر سید عزیزالدین حسین سابق صدر شعبۂ تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ اوراس سمینار کے کوارڈینیٹر نے سمینار کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ ہندوستان میں اس نوعیت کا یہ پہلا سمینار ہے جس میں ہمارے ملک کے مختلف ریاستوں سے تشریف لائے ۲۸ اسکالرز اپنے اپنے علاقوں میں عزاداری کی روایت اور ٹریڈیشن پر گرانقدر مقالے پیش کریں گے۔ پروفیسر عزیزالدین نے کہا کہ ہمارے ملک ہندوستان میں بارھویں صدی عیسوی میں صوفیاء کرام آئے اور انہوں نے یہاں خانقاہوں اور

امام باڑوں کو قائم کیا۔ درگاہ خواجہ معین الدین چشتی اور درگاہ حضرت نظام الدین میں بھی امام باڑے ہیں جہاں عزاداری محرم کا بڑے احترام وعقیدت کے ساتھ اہتمام ہوتا رہا ہے اور انہی صوفیاء کرام کے وجہ سے عزاداری ہندوستانی سماج و ثقافت کا جز بن گئی ہے۔

ایران کلچر ہاؤس کے ڈائریکٹر جناب محمد حسین مظفری نے مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے کہا کہ یہ قومی سمینار ہے لیکن ہماری کوشش ہوگی کہ ہم دنیا کے مختلف ملکوں میں عزاداری حسینؑ کی روایت پر بین الاقوامی سطح پر بھی سمینار منعقد کریں ۔ مسٹر مظفری نے کہا کہ آج ہندوستانی سماج میں عزاداری حسینؑ ہندو مسلم اتحاد کی علامت بن گئی ہے۔

پروفیسر جمنا داس اختر نے کہا کہ میں حسینی برہمن ہوں اور ہمارے بزرگوں نے جب کربلا میں امام حسینؑ پر پانی بند کردیا گیا تھا تو اس مصیبت کے وقت انہیں پانی پہنچانے کی کوشش کی تھی مگر وہ ناکام رہے۔ ہمارے بزرگوں نے امام حسینؑ سے رشتہ باقی رکھنے کی خاطر اپنے آپ کو حسینی برہمن کہا۔ حضرت امام حسینؑ کی قربانی رہتی دنیا تک باقی رہے گی۔

شام کے وقت مجلس تحت خوانی کا پروگرام عمل میں آیا جس میں جناب سبط حیدر عابدی اور سید اسدرضا عابد نے سوز خانی کی اور ڈاکٹر تنویرالحسن نے تحت اللفظ میں مرثیہ پیش کیا۔

سفارت جمہوری اسلامی ایران کے کلچرل کاؤنسلر جناب مرتضی شفیعی شکیب نے اس موقع پر مولانا رومی کے اشعار کی قرائت کی۔ اس موقع پر درگاہ معین الدین چشتیؒ کے سجادہ نشین نے بھی افتتاحیہ اجلاس میں شرکت کی اور بعد کی نشست میں اپنا مقالہ پیش کیا۔

تین ادبی نشستوں میں پروفیسر فخر روحانی ،تہران، ڈاکٹر عابد زیدی، مظفرنگر، ڈاکٹر پشپا دولر، بنستھلی، ڈاکٹر مینا گور، جی این ماتھور، اودے پور، پروفیسر سید محمد شاہ وسیم، علی گڑھ، سید علی کاظم، علی گڑھ، ڈاکٹر سید لیاقت حسین مونی، سجادہ نشین درگاہ خواجہ غریب نواز اجمیر، پروفیسر جعفر رضا ، الہ آباد، سید ایوب علی، وارانگل، ڈاکٹر سوریش مشرا، بھوپال، پروفیسر جگر محمد، جموں، ڈاکٹر علی، کرلا، ڈاکٹر رحمت علی خان، حیدرآباد، ڈاکٹر ایم ایس راوت، سیتامو و دہلی کے اسکالرز پروفیسر عزیزالدین، طیبہ منور، فرحت نسرین، ڈاکٹر عراق رضا زیدی، ڈاکٹر محمد سجاد، ڈاکٹر جی ڈی گولاٹی، ڈاکٹر محمد عامر و ڈاکٹر عذرا عابدی وغیرہ نے اپنے اپنے مقالے پیش کئے۔

اس طرح یہ سمینار اپنے مقاصد میں کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

ادے پور، راجستھان میں قومی سمینار

”۱۸۵۷ میں آزادی کی جدوجہد، فارسی زبان و اسناد کی روشنی میں“

سوکاڈیا یونیورسٹی، ادے پور، راجستھان میں ہندوستانیوں خاص طور پر دہلی کے عوام کی انگریز سامراج کے خلاف جدوجہد کی پچاسویں سالگرہ کے طور پر ایک سمینار کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس سمینار کا عنوان: ”۱۸۵۷ میں آزادی کی جدوجہد، فارسی زبان و اسناد کی روشنی میں“ تھا یہ سمینار سوکاڈیا یونیورسٹی، ادے پور، راجستھان کے شعبۂ تاریخ نے منعقد کیا تھا۔ اس میں خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران نئی دہلی کے مسئول محترم جناب آقای محمد حسین مظفری صاحب نے خصوصی مہمان کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔

سب سے پہلے شعبۂ تاریخ کی صدر محترمہ ڈاکٹر مینا کوثر نے مہمانوں کا استقبال کیا۔ اس کے بعد پانچ مورخین و دانشوروں نے اپنے اپنے مقالات پیش کیے۔ جن میں سوکاڈیا یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر چودھری بھی شامل تھے۔

پروفیسر عزیز الدین حسین سابق صدر شعبۂ تاریخ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی نے سب سے پہلے اپنا مقالہ پیش کیا۔ آپ نے ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی کے پس منظر پر مفصل روشنی ڈالی اور اس میں خاص طور پر دہلی کے عوام کی شرکت کا ذکر کیا۔ آپ نے کہا کہ آج تک اس واقعہ کی سچی تصویر پیش نہیں کی جاسکی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے بارے میں زیادہ تر مآخذ و منابع خود انگریزوں نے تیار کیے ہیں جو معتبر نہیں۔ اگر بعد میں کسی ہندوستانی یا غیر ہندوستانی نے اس موضوع پر قلم اٹھایا بھی ہے تو اس نے بھی انہی انگریزی مآخذ پر بھروسہ کیا ہے، ان ہی کی بنیاد پر اپنی بات کہی ہے۔ اس طرح ان میں بھی انگریزوں ہی کے نقطۂ نظر کی صدای بازگشت سنائی دیتی ہے۔

پروفیسر عزیز الدین نے اس بات پر زور دیا کہ اس موضوع پر مزید تحقیقات کی ضرورت ہے اور حقائق کی بازیافت لازمی ہے۔ آپ نے مثال کے طور پر بتایا کہ مقامی حضرات نے جو کچھ فارسی میں اس واقعہ کے بارے میں لکھا ہے اس پر اب تک توجہ نہیں کی گئی۔ اور یہ تحریریں اپنی نوعیت کی نہایت

اہم دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پروفیسر عزیز الدین نے سرسید احمد کی کتابوں اور فارسی اور اردو میں ایسے بے شمار منظوموں کا ذکر کیا جو اس سلسلے میں اہم اور بنیادی مآخذ کی حیثیت رکھتے ہیں اور جو جے پور میں اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ہیں۔ آپ نے مزید فرمایا کہ ان مآخذ کی بنیاد پر ہم اس جدوجہد کی سچی تصویر بنا سکتے ہیں۔ ان کا مطالعہ ضروری ہے۔

اس کے بعد ایران کلچر ہاؤس کے ڈائریکٹر جناب محمد حسین مظفری نے تقریر کی۔ آپ اس سمینار میں مہمان خصوصی کے طور پر شریک ہوئے تھے۔ آپ نے ''ایران و ہند میں بغاوت کے مشترکہ اسباب'' پر اپنا مقالہ پیش کیا۔ آپ نے سب سے پہلے سوکاڈیا یونیورسٹی کے ذمہ داروں خاص طور پر اس یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے اساتذہ کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے یہ تاریخی سمینار منعقد کیا۔ جو ہندوستان کی سیاسی اور سماجی تاریخ میں ایک اہم موضوع سے متعلق ہے۔ آپ نے اپنی تقریر کے آغاز میں فرمایا کہ ۱۸۵۷ کے سامراج کے خلاف بغاوت کے بارے میں زیادہ تر انگریزی مآخذ سے کام لیا گیا ہے جن میں سوچے سمجھے نتائج بیان کیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر اس جدوجہد آزادی کے بارے میں انگریزی میں جو اصطلاح استعمال کی جاتی ہے وہ Revolt ہے یعنی بغاوت۔ اردو کتابوں میں بھی اس جدوجہد کے لیے سرکشی، بغاوت اور غدر کی اصطلاحیں مستعمل ہیں۔ اس کے برخلاف بہتر و مناسب یہ ہے کہ ہم اس تاریخی واقعہ کے لیے ایک ایسی تعبیر سے کام لیں جس میں پہلے سے طے شدہ مفہوم پوشیدہ نہ ہو۔ بہتر یہ ہے کہ ہم اس کے لیے uprising (جدوجہد) کا لفظ استعمال کریں۔ محترم مظفری صاحب نے اس سمینار میں ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ ۱۸۵۷ کی دہلی میں جنگ آزادی، ایک خاص موضوع ہے۔ اس پر ہمارے مورخین کو جو اس سمینار میں شرکت فرما رہے ہیں، خصوصی توجہ کرنی ہوگی۔ بہرصورت میں خانۂ فرہنگ جمہوری ایران، نئی دہلی کے ایک ذمہ دار افسر کی حیثیت سے، یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہند اور ایران کے قریبی اور دوستانہ روابط صرف تہذیبی اور تمدنی میدان ہی میں نظر نہیں آتے بلکہ آزادی کی جدوجہد اور سامراجی طاقتوں کے خلاف جدوجہد میں بھی ایران اور ہندوستان نے ایک دوسرے سے تعاون کیا ہے۔

ایران نے اس سال مشروطیت (پارلیمانی حکومت) کے ایک سو سالہ جشن کا انعقاد کیا ہے اور ہندوستان بھی ۱۸۵۷ کی جدوجہد آزادی کے ایک سو پچاس سال پورے ہونے پر جشن کی تیاری میں مصروف ہے۔ ایران و ہندوستان کی آزادی اور سامراجی غلبے سے رہائی کے لیے کوششیں اس بات کی

گواہ ہیں کہ یہ دونوں قومیں آزادی کے حصول اور عدل و انصاف کی تلاش میں ایک ہی طرح سے سوچتی اور کام کرتی ہیں۔

ایران میں مشروطیت کے لیے جدوجہد کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ایک بادشاہ کے بے مہار اختیارات کو محدود کیا جائے اور ایک پارلیمانی حکومت کی تشکیل عمل میں آئے۔ ایرانی اپنی اس کوشش میں ۱۹۰۶ میں حالانکہ کامیاب ہوگئے تھے اور انھیں اس امر میں کامیابی مل گئی تھی کہ وہ ایشیا کے علاقے میں وہ پہلی قوم ہوں جنھوں نے بنیادی قانون اور عوام کے نمائندوں کے توسط سے بادشاہ کے اختیار پر روک لگادی، لیکن سامراجی طاقتوں نے قاچاری بادشاہوں کے ظالمانہ نظام حکومت کی جگہ اس سے بھی بدتر اور عامرانہ نظام حکومت مسلط کردیا۔ اس طرح ایرانی عوام کی کامیابی بس کچھ مختصر مدت تک قائم رہ سکی۔ بہرحال اسی جدوجہد کی روشنی اور اس سے حاصل ہونے والے تجربوں کی بنیاد پر ایرانی عوام ایک بار پھر کامیاب ہوگئے کہ وہ ۱۹۷۹ (۱۳۵۷ھ ش) میں آزادی اور انصاف کے نعروں کی گونج میں ایک دوسرے مطلق العنان نظام حکومت کا تختہ پلٹ دیں اور اس طرح خارجی ناجائز طاقتوں کو اپنے وطن سے باہر نکال دیں۔ اس بنا پر ہم مشروطیت کی جدوجہد کو علاحدہ سے ایک واقعہ قرار دیں اور اس کی ناکامیوں کا ذکر کریں۔ ہندوستان میں ۱۸۵۷ کی جدوجہد آزادی بھی کامیابیوں اور ناکامیوں سے دوچار ہوئی، لیکن اس واقعہ کو بھی ایک علاحدہ واقعہ نہیں کہا جاسکتا اور اس کی ناکامیوں کا اور منفی پہلوؤں کے ذکر پر زور نہیں دیا جاسکتا۔

سچ تو یہ ہے کہ ۱۸۵۷ کی جدوجہد آزادی اور سامراجی طاقتوں کے خلاف اقدامات، بعد کے سالوں میں ہندوستانیوں کی جنگ آزادی کا پیش خیمہ تھے اور اسی کے تجربات و مشاہدات کی بنیاد پر ہندوستانی قوم ۱۹۴۷ میں اس قابل ہوسکی کہ سامراجی طاقتوں کو شکست دے سکے اور مکمل آزادی حاصل کرسکے۔

اس سمینار میں اساتذہ اور طالب علم بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ ان میں خاص طور پر شعبۂ تاریخ سے متعلق اساتذہ اور طالب علموں نے شرکت کی۔ پروفیسر دوداوت، ادے پور میں شعبۂ مغربی تہذیب کے صدر اور پروفیسر ویاس، سوکاڈیا یونیورسٹی ان قابل ذکر مورخین میں شامل تھے جنھوں نے اس سمینار میں اپنے مقالات پیش کیے۔ آپ دونوں ہی نے ہمارے اپنے اپنے مفادات میں ۱۸۵۷ کی جدوجہد کے اسباب اور اس سے حاصل ہونے والے تجربات اور سودمند نتائج پر روشنی ڈالی۔

سمینار کے خاتمہ پر پروفیسر چودھری، وائس چانسلر سوکاڈیا یونیورسٹی نے بھی سمینار کے موضوع سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اسی طرح سمینار کے مہمان خصوصی جناب محمد حسین مظفری صاحب اور دیگر شرکاء نے بھی سمینار کی اہمیت اور مناسبت کا اقرار کیا اور اپنے اہم موضوع پر اس سمینار کے انعقاد پر اپنی خوشی اور شکریے کا اظہار کیا۔

آپسی بھائی چارہ کا پیغام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَ أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لاَ تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ (سورہ لأنفال، آیہ ۴۶)

ذی حجہ کا مبارک مہینہ، عرفہ کا دن، عید الاضحیٰ کی مبارک گھڑی اور حج ابراہیمی کا زمانہ آپہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جن حضرات کو اس عظیم اجتماع میں شرکت کی دعوت ملی ہے اور جو لبیک، لبیک کہتے ہوئے اسلامی دنیا کے کونے کونے سے امن الٰہی اور آشتی کے گھر کی طرف بہ صد شوق حاضر ہوئے ہیں، اور وہ سب، جو وہاں جانے کے منتظر و مشتاق ہیں، ان کو اور دنیا کے ایک ایک مسلمان کو اس موقع پر ہدیۂ تبریک پیش ہے۔

یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں کہ اس وقت اسلامی دنیا ایک نئے بحران سے دوچار ہے۔ اس بحران کی وجہ وہ تلخ اور ناخوشگوار حوادث ہیں جو مشرق وسطیٰ کے اسلامی ممالک میں رونما ہوئے ہیں۔

جب ہم حال کے چند سالوں میں اسلامی مشرق وسطیٰ کے علاقے میں رونما ہونے والے واقعات کا جیسے جمہوری اسلامی ایران پر آٹھ سال تک حملہ اور مغربی ممالک کا افغانستان اور عراق پر حملہ جس میں مسلمانوں کی جانیں، دولت و ثروت اور عزت و آبرو برباد کی گئی، تجزیہ کریں تو پتا چلتا ہے کہ عراق ، افغانستان میں مختلف عقاید و قبایل سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں میں خونیں جھڑپیں ہوئیں، فلسطین اور لبنان میں اسلامی گروہوں کے درمیان اختلاف رونما ہوا، یہ سب ایک دردناک بحران کی نشاندہی کرتے ہیں ان تمام حادثات کے خنجر کا خود مسلمان ہی شکار ہوئے ہیں۔

ایک طرف وہ چند حادثات جو مغرب میں رونما ہوئے، وہ چاہے ایک سوچے سمجھے نقشے کا نتیجہ ہوں (اور سب یہی سوچتے ہیں) اور یا بلاارادہ واقع ہوئے ہوں، بہرصورت، ان کی وجہ سے غیر مسلمان آبادی کی نظر میں اسلامی دنیا اور مشرق وسطیٰ کے اصلی بحران کی غلط و غیرواقعی تصویر سامنے آئی۔

۱۱ستمبر ۲۰۰۱ کے حملے، لندن میٹرو پر حملہ وغیرہ، مسلمانوں کے خلاف پروپگنڈہ، ان سب نے مغربی ملکوں اور دنیا کے جذبات کو اسلامی قوموں کے خلاف ورغلا دیا۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ اسلام اور مسلمانوں خاص طور پر پیغمبر اسلامؐ کے انسانیت و شرافت سے مزیّن اخلاق حسنہ کے خلاف اہانت آمیز تصاویر، تحریریں اور نظریات شائع ہوئیں۔

آیا ان حالات میں کہ جنہیں ایسے بحران سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جس کا مقصد مسلمانوں کے تشخص کو چیلنج کرنا ہے، کیا ہم سامراج اور بڑی مغربی طاقتوں کے ان ارادوں کے بارے میں کسی شک و تردید میں پڑسکتے ہیں جو دنیا کے مسلمانوں اور خاص طور پر مشرق وسطی کے اسلامی ممالک کی تہذیب اور ان کی دینی روایات کو چیلنج کررہے ہیں؟

کیا ہم پر یہ فرض نہیں کہ اس بحران کا اپنے اسلامی تشخص اور اپنی اسلامی تہذیب کو مستحکم بنا کر مقابلہ کریں اور اس طرح ہر انداز سے متحد ہوکر اس بحران کا اسلامی دنیا سے خاتمہ کردیں؟

کیا یہ مناسب ہے کہ اسلامی تہذیب اور اسلامی تشخص کے خلاف بدخواہوں کی پیش قدمی کا مقابلہ کرنے کے بجائے، ہم مذہبی اور قومی اختلافات کی تاریخ کو دہرائیں اور اس طرح آپس میں تفرقہ ڈال کر مسلمانوں کی نابودی اور شکست میں دشمنوں کا ساتھ دیں؟

وَ مَآ أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (سورۂ انبیا، آیہ ۱۰۷)

کچھ عرصے سے بعض مسلمانوں کے بیانات، نظریات اور مقالات اخبارات اور خاص طور پر انٹرنیٹ پر شائع ہورہے ہیں۔ ان میں اپنے ہی ہم عقیدہ لوگوں کی مذمت، ان پر تکفیر، ان کو تکلیف پہنچانے اور قتل کرنے کی سفارش کی جارہی ہے۔ اس کے برخلاف پیغمبر اسلامؐ جانوں اور ان سے متعلق چیزوں کو محترم سمجھتے تھے۔ آپ مسلمانوں میں ایک دوسرے کے احترام اور رہمدلی کا درس دیتے تھے اور ان کو تکلیف پہنچانے اور پریشان کرنے سے منع فرماتے تھے۔

خداوندتعالی سورۂ حجرات، آیہ ۱۰ میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف و تنازعہ روکنے کے لئے فرماتا ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (سورۂ الحجرات، آیہ ۱۰)

اسلام اور مسلمانوں کے دشمن جب بھی اپنی ریشہ دوانیوں میں ناکام ہوتے ہیں تو وہ اسلام کے

پیروکاروں اور اسلامی اقوام کے درمیان تفرقہ ڈالنے کے درپے ہوجاتے ہیں۔ وہ بعض مسلمانوں کے احساسات، محدود اطلاعات یا حرص و ہوس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مختلف اسلامی اقوام اور فرقوں میں اختلاف، بے چینی اور دوری پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ وہ مسلمانوں کی قوت کو فتور میں مبتلا کردیں۔ اور اب امریکا فلسطین، لبنان اور عراق میں اپنی پے درپے شکستوں کے بعد، بعض مسلمانوں کی غفلت سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور مذہبی اختلافات کے فتنے کو ہوا دے کر مسلمانوں کی قوت کو کمزور کرنے اور اپنے نقصان کی بھرپائی کے درپے ہے۔

ہم سب کو معلوم ہے کہ اسلامی مکتب فکر سے وابستہ مختلف مذاہب کے پیروکاروں کا تعلق عرب، فارس، ترک، ہند، یورپ، افریقہ، ایشیا کی مختلف اقوام اور علاقوں سے ہے۔ اسلامی روایات و آداب میں باہمی اشتراک کے باوجود، ان میں مقامی اور قومی تمدن کے زیر اثر بہت تنوع دیکھا جاتا ہے۔ یہ تنوع بنیادی طور پر حکمت خداوندی کا نتیجہ ہے۔ خدا تعالی اس سلسلہ میں فرماتا ہے:

يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَ أُنْثىٰ وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْٓا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (سورۂ الحجرات، آیہ ۱۳)

اقوام و ملل کی آفرینش اور اس کے نتیجے میں مختلف تمدنوں کا وجود میں آنا، یہ ایک حکمت الٰہی ہے۔ اس کا مقصد ایک دوسرے سے جدا ہونا، فخر و مباہات کرنا، نسلی غرور وغیرہ نہیں بلکہ یہ تنوع درحقیقت ایک دوسرے کی پہچان اور شناخت کے لئے ہے اور یہ ہماری آپسی محبت و دوستی کی بنیاد ہے۔ انسان کی قدر و قیمت اور اس کی برتری تو صرف اور صرف اس کے اخلاقی کمالات و محاسن پر مبنی ہے۔ قرآن کریم نے ایک جگہ فرمایا ہے:

يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَ أُنْثىٰ وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْٓا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقٰكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (سورۂ الحجرات، آیہ ۱۳)

خدا تعالی نے قومی اور تمدنی گوناگونی کی حکمت کا مقصد یہ بیان فرمایا ہے اس سے دوستی کے ارادوں کے منصوبے بنائے جائیں اور خیر و سلامتی کا نقشہ تیار کیا جائے تا کہ مختلف قومیں ایک دوسرے کے تمدن اور خداداد خصوصیات سے آشنا ہوسکیں اور اسے دوستی کے لئے پل کے طور پر استعمال کریں۔ دوستی اور محبت کے لئے آشنائی اور دشمنی اور تفرقہ ڈالنے کے ارادے سے آشنائی میں بڑا فرق ہے۔ ایک دوسرے سے آشنا ہونے کے لئے، ایک دوسرے سے رابطہ رکھنا ہوگا، ایک دوسرے کی بات سنی

ہوگی، اور درگذشت و خیرسگالی سے ایک دوسرے کی مدد و ہدایت کے لئے آمادہ ہونا ہوگا۔

کیا یہ مناسب نہیں کہ ہم مسلمان جو سب کے سب ایک ہی کتب کے پیروکار، ایک قرآن، ایک پیغمبر کے ماننے والے ہیں، ایک دوسرے کی تکفیر، ایک دوسرے کو تکلیف پہچانے میں مشغول ہوجائیں! اور یہ اس حال میں ہو کہ ہمارے بدخواہ مسلسل ہم مسلمانوں کے اتحاد اور بیداری سے شکوک میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور اپنی تمامتر کوششوں کو ہمارے اتحاد کو ختم کرنے میں لگادیتے ہیں۔

نظر یہ آتا ہے کہ اسلامی اقوام کی تاریخ کے اس خاص مرحلے پر اسلامی ممالک کے مذہبی، علمی اور سیاسی بزرگ حضرات بارگاہ خداوندی میں بے پناہ عظیم ذمہ داریوں کے مکلف ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کل ہم سب سے اس بارے میں پرسش ہوگی کہ ہم نے کیا کہا تھا اور کیا کیا تھا۔

کیا ہماری زبان بارگاہ خداوندی میں اپنے ہم عقائد اشخاص کی تکفیر اور انہیں بے وجہ اذیت پہچانے کے حکم کے لئے کوئی عذر و حجت پیش کرسکے گی؟

وَ مَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهُ وَ أَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا (سورۂ النساء، آیہ ۹۳)

جمہوری اسلامی ایران اور یہاں کے مسلمانوں نے انقلاب کے آغاز سے اب تک ۲۸ برسوں میں سامراج، مغرب کے بدبختانہ نقشوں اور اسلامی دشمنوں کے خلاف فلسطین، لبنان اور اسلامی دنیا کے ہر علاقے میں کلمۂ اسلام کے بلند کرنے میں کسی بھی قسم کی خدمت سے دریغ نہیں کیا ہے اور اسلامی ممالک کی سربلندی و ترقی دشمنوں کے ذریعے مسلمانوں کی دولت و ثروت کی لوٹ کھسوٹ کو ختم کرنے کی آرزو کی ہے۔ اور یہ سب کچھ اس کے باوجود کیا گیا ہے کہ ایران مغرور و متکبر حکومتوں کی مختلف النوع دشمنیوں، اقتصادی گھیرابندیوں، آٹھ سالہ خانمان سوز جنگ کا سامنا کرتا رہا۔ مسلمانوں کے اتحاد کو تقویت پہنچانے کے لئے ایران نے زبردست کوششیں کی ہیں خاص طور پر اپنی طرف سے اسلامی کانفرنس کا انعقاد کیا ہے جس کا مقصد اسی اتحاد کی نمائش تھا۔ ایران نے اپنے مسلمان اور غیور مردوں اور عورتوں کی مدد سے کوشش کی ہے کہ دشمنیوں کے نرغے سے نکل کر، خود کو جہاں اسلام کے پرشکوہ پیکر کے ایک فعال عضو کی حیثیت سے متعارف کراسکے۔

ایران نے ایک اسلامی ملک کے شایان شان ٹکنولوجی اور اقتصادی ترقی کے حصول کے لئے، جو دشمنان اسلام کی منت و غلبے سے آزاد ہے، بڑی قیمت چکائی ہے۔ اور اب ایٹومک انرجی کے میدان

میں فنی توانائی کے حصول میں مصروف ہے۔ ایران اس فنی استعداد کو ایرانی عوام کے لئے نہیں بلکہ تمام اسلامی ممالک کے لئے ایک بہت بڑے افتخار کا سبب مانتا ہے۔ اسی بنیاد پر اس نے اسلامی سخاوتمندی اور برادری کے جذبے کے تحت، تمام اسلام ممالک کی طرف مدد کا ہاتھ بڑھایا ہے تاکہ وہ زبردست مخارج سے بچے رہ کر اور اسلام دشمنوں کی منت اٹھائے بغیر، اس نوعیت کی علمی ترقی سے بہرہ یاب ہوسکیں۔

حکومت جمہوری اسلامی ایران اور اس کے عوام محبت و دوستی کا ہاتھ جو اسلامی اقوام کی وحدت و عظمت کا پیغام ہے، دراز کرتے ہیں اور سارے مسلمانوں اور اسلامی حکومتوں کی سربلندی کے لئے بارگاہ خداوندی میں دست بہ دعا ہیں۔

عراق کے پاکیزہ طینت مسلمانوں سے جو اب اسلام کی پرانی تاریخ کے حامل ہیں، ہماری یہ خواہش ہے کہ وہ پیغمبر اسلامؐ اور آپ کی آل و اصحاب کرام کی پیروی میں عراق کو آباد کرنے، وہاں امن و چین اور اتحاد کو برقرار کرنے میں کوشش کریں۔ تمام مسلمانوں خاص طور پر حکام، مذہبی بزرگوں اور اسلامی دنیا کی علمی و سیاسی برگزیدہ شخصیتوں سے یہ توقع ہے کہ وہ اختلافات اور ناامنی کو جس کی قیمت محترم مسلمانوں کے دلدوز قتل عام کی صورت میں چکائی جارہی ہے، رفع کرنے میں مدد کریں اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے مشورہ کریں اور جلد ہی اس صورت حال کا حکیمانہ حل تلاش کریں۔

محمود محمدی عراقی

صدر سازمان فرہنگ و ارتباطات اسلامی

پیغام حج

راہ اسلام کا یہ شمارہ اشاعت کے لئے پریس بھیجا جانے والا تھا کہ حج مبارک کے موقع پر رہبر معظم جناب آیۃ اللہ سید علی خامنہ ای کا پیغام موصول ہوا۔ یہاں پیغام کا اردو متن قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔ جس کا لب لباب عالم اسلام میں ہر سطح پر اتحاد و اعتماد بحال کرنا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ الصَّلٰوةُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ عَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ وَ صَحْبِهِ الصَّادِقِيْنَ

موسم حج ہر سال کی مانند معنوی بشارتوں کے ساتھ آن پہنچا ہے اور اس نے عالم اسلام کے سامنے گرانبہا موقع (غور وفکر کا) فراہم کیا ہے۔ اگرچہ بے شمار مشتاق دلوں کو اس جانب (حج کے لیے) جانے کی تڑپ ہوتی ہے لیکن جن خوش نصیبوں کی یہ آرزو پوری ہوئی ہے ایسے بے شمار لوگوں میں بہت کم ہیں اور یہ خود اس لازوال چشمہ سے دائمی لگاؤ اور پیوستگی کا باعث ہے خانۂ محبوب میں (مسلمان) بھائیوں کی سالانہ ملاقات دلوں کو ایک جانب سے قبلۂ آفرینش کے ساتھ اور دوسری طرف سے بچھڑے دوستوں کے ساتھ دوبارہ ملادیتی ہے اور امت اسلامیہ کے پیکر میں معنویت کے اعتبار سے بھی اور اس کی اپنی سیاست کے لحاظ سے بھی نشاط وشادابی پیدا کردیتی ہے۔

مادی آلودگیوں سے پاک ہونا، ہر جگہ، ہر مقام پر اور تمام امور کی ادائیگی میں ایک جیسے لباس و انداز میں رہنا خدا کو (نگاہ بصیرت سے) دیکھنا ہرچند کہ کچھ ہی دنوں کے لیے ہی سہی، انسان کے لیے ایک بہت بڑی سعادت و توشہ ہے حج کے تمام آداب و مناسک اس لیے ہیں کہ فریضۂ حج بجا لانے والا حج کے معنوی تجربے کو حاصل کرے اور اس لذت کو جان و دل سے محسوس کرے۔ سیاسی پہلو سے حج میں اصلی محور امت اسلامیہ کے متحد تشخص کا مظاہرہ کرنا ہے۔ (مسلمان) بھائیوں کی ایک دوسرے سے دوری بدخواہوں کو مواقع فراہم کرتی ہے اور اس سے مسلمانوں کے درمیان اختلاف وتفرقہ کا بیج پنپتا ہے۔ امت اسلامیہ مختلف قوموں، نسلوں اور مذاہب کے پیروؤں سے تشکیل پائی ہے اور روئے زمین کے حساس اور اہم علاقوں اور الگ الگ جغرافیائی خطوں میں یہ لوگ آباد اور امت

اسلامیہ کا یہ تنوع خود اس عظیم پیکر کے لئے ایک مضبوط نقطہ ثابت ہوسکتا ہے اور اس وسیع وعریض دنیا میں اس کی مشترکہ ثقافت، میراث اور تاریخ (امت اسلامیہ کو) مزید فعال و کارآمد بناسکتی ہے اور طرح طرح کی انسانی وفطری قابلیتوں وصلاحیتوں کو مسلمانوں کے لیے بروئے کار لاسکتی ہے۔ مغربی سامراج نے اسلامی ملکوں میں داخل ہوتے ہی ملت اسلامیہ کی اس بوقلمونی کو مدِنظر رکھا اور اس نے تفرقہ انگیز عوامل کو مسلسل اشتعال دلانے کی کوشش شروع کردی۔

سامراجی سیاستدانوں کو یہ بخوبی معلوم تھا کہ اگر عالم اسلام متحد ہوگیا تو اس پر سیاسی اور اقتصادی تسلط جمانے کا راستہ مسدود ہوجائے گا۔ اس لئے انھوں نے مسلمانوں کے درمیان اختلافات کو ہوا دینے کی ہمہ جہتی اور طویل المیعاد کوشش شروع کردی اور اس خبیثانہ سیاست کی آڑ میں انھوں نے لوگوں کی سیاسی و ثقافتی غفلت اور حکمرانوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھایا اور اسلامی ملکوں پر تسلط جمانا شروع کردیا۔

گذشتہ صدی میں اسلامی ملکوں میں حریت پسندانہ تحریکوں کی سرکوبی اور ان ملکوں پر تسلط جمانے میں سامراجی طاقتوں کی پیشقدمی اور ان ملکوں میں استبدادی حکومتوں کا قیام یا تقویت اور ان کے قدرتی ذخائر کی لوٹ کھسوٹ اور انسانی وسائل کی نابودی اور نتیجہ میں مسلمان قوموں کو علم وٹیکنالوجی کے قافلہ سے پیچھے کردینا یہ سب کچھ آپسی اختلاف و بیگانگی کی وجہ سے ہوا ہے جو کبھی کبھی دشمنی، جنگ و جدل اور برادرکشی پر بھی منتج ہوتے ہیں۔ اسلامی بیداری کے آغاز سے جس کا نقطۂ عروج ایران میں اسلامی جمہوری نظام کا قیام تھا مغربی سامراج کو سنگین خطرے کا سامنا ہوا۔

مشرق ومغرب کے سیاسی مکاتب فکر کی شکست اور سامراجی طاقتوں کے ان اقدار کے غلط ثابت ہونے اور ان کی دھجیاں بکھر جانے سے جنھیں وہ انسانیت کی فلاح وکامیابی کا واحد ذریعہ گردانتی تھیں، مسلمان قوموں کے درمیان اسلامی خود آگہی کی بنیاد مضبوط ہوئی اور اس چراغ الٰہی کو خاموش کرنے اور اس نور کو چھپانے میں استکباری طاقتوں کی پے درپے ناکامیوں نے مسلمان قوموں کے دلوں میں امید کے پودے کو مضبوط و بارآور بنادیا۔

آج کے فلسطین کو دیکھئے جہاں آج ''صیہونی قبضے سے آزادی'' کے جامع اصول پر کاربند حکومت برسرِاقتدار آئی ہے اور پھر ماضی میں فلسطینی قوم کی غربت، تنہائی اور ناتوانی سے اس کا موازنہ کیجئے، لبنان پر نگاہ ڈالئے جہاں کے جیالے وفداکار مسلمانوں نے اسرائیل کی مسلح فوج کو جسے امریکہ ومغرب نیز منافقوں کی پوری مدد حاصل تھی، شکست دی اور پھر اس کا اس لبنان سے موازنہ کیجئے کہ

صیہونی جب چاہتے تھے اور جہاں تک چاہتے تھے کسی مزاحمت کے بغیر آگے تک چلے جاتے تھے۔

عراق پر نگاہ ڈالئے کہ جس کی غیرت مند قوم نے مغرور امریکہ کی ناک رگڑ دی اور اس فوج اور ان سیاستدانوں کو جو کبروتخوت کے عالم میں عراق پر اپنی ملکیت کا دم بھرتے تھے سیاسی،فوجی اور اقتصادی دلدل میں پھنسادیا اور پھر اس کا اس عراق سے موازنہ کیجئے جس کے خونخوار حاکم نے امریکہ کی پشت پناہی سے لوگوں کا جینا حرام کر رکھا تھا، افغانستان پر نگاہ ڈالئے کہ امریکہ اور مغرب کے تمام وعدے جہاں فریب اور جھوٹ ثابت ہوئے اور جہاں مغربی اتحادیوں کی غیر معمولی اور بے تحاشا لشکر کشی نے اس ملک کی تباہی و ویرانی اور لوگوں کو غربت زدہ بنانے، ان کا قتل عام کرنے اور منشیات کے مافیا گروہوں کو روز بروز مضبوط بنانے کے سوا اور کچھ نہیں کیا ہے اور سرانجام اسلامی ملکوں کے جوان معاشرے اور پروان چڑھتی نسل پر نگاہ ڈالئے جس میں اسلامی اقدار کا رجحان بڑھ رہا ہے اورامریکہ ومغرب سے نفرت میں ہرزور اضافہ ہورہا ہے۔

ان تمام واقعات پر نگاہ ڈالنے سے مغربی استکباری طاقتوں اور ان میں سرفہرست امریکہ کی بدبختی اور شکست خوردہ پالیسیوں کی حقیقی تصویر کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اور یہ تمام واقعات اس بات کی بشارت دے رہے ہیں کہ امت اسلامیہ متحد ہورہی ہے۔

اس وقت امریکی حکومت، مغربی سرمایہ داری اور مفسد صیہونی کارندے اسلامی بیداری کی زندہ حقیقت کومحسوس کر رہے ہیں اور اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کہ اسلحہ وفوجی قوت اس حقیقت کے مقابلے میں کارگرنہیں ہے اپنی تمام تر قوت و صلاحیت، مکاریوں اور سیاسی شعبدہ بازیوں میں صرف کر رہے ہیں۔ آج وہ دن ہے جب امت مسلمہ کوخواہ اس کے سیاسی و مذہبی رہنما ہوں یا ثقافتی شخصیات و دانشور یا پھرعوام الناس، سب کو پہلے سے زیادہ ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے انھیں چاہئے کہ دشمن کے حیلوں کو سمجھیں اور ان کا مقابلہ کریں۔ ایک سب سے موثر حیلہ اختلافات کی آگ کو بھڑکانا ہے۔ وہ لوگ (دشمن) پیسے اور مسلسل و لگاتار کوششوں کے ذریعہ مسلمانوں کو اختلافات میں الجھانا چاہتے ہیں اور ایک بار پھر غفلتوں، نادانیوں، کج فہمیوں اورتعصبات سے فائدہ اٹھاکر ہمیں آپس میں لڑانا چاہتے ہیں۔

آج ہر وہ اقدام جو عالم اسلام میں تفرقہ انگیزی کا باعث ہو تاریخی گناہ ہے وہ لوگ جو دشمنانہ طریقے سے مسلمانوں کے ایک عظیم گروہ کو بے بنیاد بہانوں سے کافرقرار دے رہے ہیں، وہ لوگ جو

باطل گمان و خیالات کی بنیاد پر مسلمانوں کے کچھ فرقوں کے مقدسات اور مذہبی مقامات کی اہانت کررہے ہیں، وہ لوگ جو لبنان کے جانباز جوانوں کے پیٹ میں جو امت اسلامیہ کی سربلندی کا باعث بنے ہیں خنجر گھونپ رہے ہیں وہ لوگ جو امریکہ اور صیہونیوں کی خوشامد کے لیے ہلال شیعی یا شیعہ بیلٹ کے نام سے موہوم خطرے کی باتیں کررہے ہیں، وہ لوگ جو عراق میں عوامی اور مسلمان حکومت کو ناکام بنانے کے لئے اس ملک میں بدامنی اور برادر کشی کو ہوا دے رہے ہیں وہ لوگ جو حماس کی حکومت پر جو ملت فلسطین کی محبوب اور منتخب حکومت ہے، ہر طرف سے دباؤ ڈال رہے ہیں خواہ جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں ایسے مجرم شمار ہوتے ہیں کہ تاریخ اسلام اور آئندہ کی نسلیں ان سے نفرت کریں گی اور انھیں غدار دشمنوں کی پٹھو سمجھیں گی۔

دنیا بھر کے مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ عالم اسلام سے حقارت اور اس کی پسماندگی کا دور ختم ہو چکا ہے اور اب نئے دور کا آغاز ہو چکا ہے یہ خیال باطل کہ مسلمان ملکوں کو ہمیشہ مغرب کے سیاسی و ثقافتی اقتدار کے پنجہ میں اسیر رہنا ہے اور انفرادی و اجتماعی فکر و گفتار و عمل میں مغرب کی ہی تقلید و پیروی کرنا ہے، اب خود مغرب والوں کے ہاتھوں اور اس کے غرور و طغیان و انتہا پسندی کے نتیجے میں مسلمان قوموں کے ذہنوں سے پاک ہو چکا ہے۔

مغرب خاص طور پر امریکہ کی سرپرستی میں آنے کے بعد کھلم کھلا ظلم و ستم غیر منطقی اقدامات اور بے حد و حساب غرور و تکبر کی وجہ سے عالم اسلام ایک اقدار دشمن عنصر میں تبدیل ہو گیا ہے فلسطینی عوام سے مغربی ملکوں کا سلوک اور اس کے مقابلے میں خونخوار صیہونی حکومت کے ساتھ ان کا رویہ، ایٹمی ہتھیار رکھنے پر مبنی صیہونی حکومت کے اعتراف کے مقابلے میں ان کا موقف اور دوسری طرف پرامن مقاصد کے لئے ایٹمی توانائی سے استفادے کو ایران کے حق کے خلاف ان کا موقف، لبنان پر فوجی حملے کے لئے ان کی حمایت اور جارحیت کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے ان کی اسلحہ جاتی اور سیاسی حمایت مسلسل و دائمی سودے بازی (بلیک میلنگ)اور دوسری طرف صیہونی حکومت کے ذریعہ خود مغرب کا اعلیٰ ترین عہدیداروں کے ذریعہ کھلی اہانت و افترا پردازی کی حمایت اور دوسری طرف ہولوکاسٹ اور صیہونیت کے بارے میں تحقیق و شک و تردید کو جرم شمار کیا جانا، ڈیموکریسی کے نام پر عراق و افغانستان میں قتل عام تباہی و ویرانی اور فوجی حملہ اور دوسری طرف فلسطین و عراق و لاطینی امریکہ میں منتخب جمہوری حکومتوں یا جہاں کہیں بھی امریکہ اور صیہونیزم کے آلہ کار اقتدار میں نہ آئے ہوں ان حکومتوں کے

خلاف سازشیں کرنا، دہشت گردی کے خلاف جنگ کا ڈھونڈورا پیٹنا اور دوسری طرف عراق اور دوسری جگہوں کے دہشت گردوں سے خفیہ ساز باز اور حتیٰ ان کی مدد کرنا، ان نامعقول اور دشمنانہ حرکتوں اور اقدامات نے مسلمان قوموں پر حجت تمام کردی ہے اور اسلامی بیداری میں مدد دی ہے۔

آج خواہ وہ چاہیں یا نہ چاہیں دنیائے اسلام میں گہری اور مضبوط تحریک کا آغاز ہو چکا ہے اور یہی وہ تحریک و بیداری ہے جو اپنے مناسب وقت پر امت اسلامیہ کی آزادی، عزت اور حیات کا باعث بنے گی۔

یہ ایک فیصلہ کن تاریخی مرحلہ ہے اس مرحلے میں علماء، دانشوروں اور روشن خیال لوگوں کے کاندھوں پر سنگین ذمہ داری عائد ہوئی ہے، ان لوگوں کی طرف سے ہر طرح کی کمزوری، سست روی، کوتاہی اور خودغرضی سے ایک المیہ بپا ہوسکتا ہے، علماء دین کو مذہب کے نام پر اختلافات کو ہوا دیئے جانے کے مقابلے میں خاموش نہیں بیٹھنا چاہئے۔ روشن خیال لوگوں کو جوانوں کے اندر امید کی روح پھونکنے میں کوتاہی سے کام نہیں لینا چاہئے، سیاستدانوں اور حکام پر ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے عوام کو میدان میں موجود رہنے کی تلقین کرتے رہیں اور عوام پر بھروسہ کریں! اسلامی حکومتیں اپنی صفوں میں اتحاد کو مضبوط بنائیں اور تسلط پسندوں کی دھمکیوں کے مقابلے میں اس حقیقی قوت سے استفادہ کریں۔ آج امریکہ اور برطانیہ کی جاسوسی تنظیمیں عراق میں، لبنان میں، شمالی افریقہ کے ملکوں میں جہاں جہاں ان کی رسائی ہوسکتی ہے پوری قوت کے ساتھ مذہبی اختلاف کے جراثیم پھیلا رہی ہیں حج کے اجتماع کو ہمیں اس مہلک بیماری کے مقابلے میں محفوظ رکھنا چاہئے اور آیۂ شریفہ وَ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ رَسُولَهُ وَ لاَ تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَ تَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَ اصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (سورہ الأنفال، آیہ ۴۶)، کو مسلسل اپنے پیش نظر رکھنا چاہئے۔ آج مشرکین سے برائت و بیزاری تمام مسلمان قوموں کی قلبی اور فطری آواز ہے۔ موسم حج وہ تنہا موقع ہے جب یہ آواز ان تمام قوموں کی جانب سے فلک شگاف نعرے کی شکل اختیار کرسکتی ہے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھئے اور امت مسلمہ کے لئے دعا اور مہدی موعود سلام اللہ علیہ وعجل اللہ فرجہ کے ظہور میں تعجیل کی دعا کے ساتھ اس بحر ناپیدا کنار میں اپنے پورے وجود کو غوطہ زن کیجئے اور گناہوں کو دھو ڈالئے آپ سب کے لئے کامیابی، خوشبختی اور حج کی مقبولیت کے لئے دعا گو ہوں۔

سید علی خامنہ ای

سوم ذی الحجہ ۱۴۲۷ مطابق ۲۴ دسمبر ۲۰۰۶